Carta

قُل سِیرُوا فِی الاَرضِ فَانظُرُوا کَیفَ کَانَ عَاقِبَۃُ المُکَذِّبِین

سفرنامہ بغداد

حاجی مولوی محبوب عالم صاحب ایڈیٹر پیسہ اخبار نے
جو دوران جنگ میں ۱۹۱۷ء میں گورنمنٹ کے بھیجے عراق عرب کے
پریس ڈیپوٹیشن کے ساتھ سفر عراق کے دلچسپ حالات لکھے ہیں
خصوصاً خلفائے عباسیہ کے قدیم پایہ تخت بغداد اور وہاں
کی اسلامی یادگاروں کی مفصل کیفیت قابل دید ہے۔ کئی
اخبارات نے ان مضامین کا اکثر حصہ اس زمانہ میں شائع کر

بار اول بصورت کتاب ۱۹۲۱ء میں

خادم التعلیم سٹیم پریس میں باہتمام میاں عبدالمجید پرنٹر و پبلشر

عنوان

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

جنگ عراق عرب اور ہندوستان کے اخبار نویس

بصرہ اور عمارہ کے درمیان دریائے دجلہ پر ۲ اپریل ۱۷ء

پنجاب سے اخبار نویس کا انتخاب

۲۵ فروری ۱۹۱۷ء کو گورنمنٹ پنجاب کے پولٹیکل سکرٹری صاحب کے دستخط سے ایک چٹھی لاہور اور امرتسر کے اخبارات کے ایڈیٹروں کے پاس اس درخواست کے ساتھ بھیجی گئی تھی کہ وہ دفتر پنجاب سکرٹریٹ میں جمع ہو کر اپنے میں سے ایک اخبار نویس کو منتخب کریں۔ کہ جسکی لفٹنٹ گورنر بہادر پنجاب گورنمنٹ آف انڈیا میں سفارش کرینگے۔ کیونکہ گورنمنٹ ہند کا منشاء ہے کہ ہر صوبہ میں سے ایک ایک ہندوستانیوں کے اخبار کے قایم مقام کو لوکل گورنمنٹ نامزد کرے۔ جو میسوپوٹیمیا (عراق عرب) کو معائنہ حالات کے لئے بھیجے جائینگے۔ چنانچہ ۲۶ فروری کو لاہور اور امرتسر کے بعض اخبار نویس سول سکرٹریٹ کے دفتر میں جمع ہوئے اور انہوں نے بالاتفاق نیازمند راقم الحروف کا نام لوکل گورنمنٹ کی خدمت میں بھیجنے کے لئے منتخب کیا۔ اور سر مائیکل اوڈوائر بہادر لفٹنٹ گورنر پنجاب نے میرا نام گورنمنٹ ہند کی خدمت میں بھیجدیا۔ ۷ مارچ کو میجر پٹی صاحب (متعلقہ جنرل سٹاف) نے وائسریگل لاج دہلی سے اطلاع دی کہ گورنمنٹ پنجاب نے صوبہ پنجاب کی طرف سے بطور قایم مقام پیسہ اخبار کے تمہیں پنجاب سے منتخب کیا ہے۔ اسلئے تم میسوپوٹیمیا کو روانہ ہونے کیلئے بالکل تیار رہو۔ دیگر صوبجات سے اخبار نویس منتخب ہو رہے ہیں۔ سب کے سب منتخب ہو چکنے پر تمہیں فوراً بمبئی کو بلایا جائیگا۔ چونکہ عراق عرب میں گرمی بڑھ رہی ہے اسلئے مناسب ہے کہ اخبار نویسوں کا قافلہ بہت جلد روانہ ہو جائے۔ بذریعہ ارجنٹ

اور آئندہ اس بارہ میں مجھسے خط وکتابت کرو۔ ساتھ ہی ایک فلسکیپ کے دو صفحوں سے

سامان سفر

بھی لمبی فہرست سامان سفر کی بھیجدی کہ اسکے مطابق جلدی سامان تیار کرو۔ اس فہرست میں (۱) کپڑے وبستر وغیرہ جو اس سفر میں درکار تھے درج تھے۔ (۲) کیمپ کے سفری میز کرسی اور چارپائی اور مچھردانی وغیرہ اور (۳) متفرق سامان مثل ریوالور (طپنچہ) سپاہیانہ ہیورسیک (تھیلا) پانی کی بوتل اور مشکیزہ اور بہت سی دوسری چیزیں مثل کھانا پکانے اور کھانے کے برتنوں اور لالٹین وغیرہ کے تھیں کپڑے تمام خاکی رنگ کے اور فوجی تراش کے مثل بریجز اور فوجی کوٹ اور مارچنگ بوٹ وجودھپوری بریجز و پٹیوں وغیرہ کی طرح تھے کہ جن میں گھر کے پہلے پوشیدنی کپڑوں میں سے ایک بھی ضرورت نہ تھی۔ چنانچہ یہاں پہنچکر معلوم ہوا کہ یہاں کی تمام دنیا خاکی کپڑے پہنتی ہے۔ ہر ایک فوجی افسر و سپاہی حتے کہ لیبر کور کا ہر ایک مزدور اور ہر ایک کلرک خاکی کپڑے ہی پہنتا ہے۔ یہاں تک کہ رومال بھی خاکی ہوتے ہیں۔ اور مجھے بعض اوقات تعجب ہوتا ہے کہ اگر میں خاکی کپڑے نہ لاتا تو گذارہ ممکن نہ تھا۔ سفید کپڑے دو روز میں میلے ہو جاتے ہیں۔ مگر یہ عیب پوش خاکی کپڑے ہیں کہ افسر بھی ایک ایک کوٹ اور بریجز ہفتوں پہنتے ہیں۔ قطع نظر فوجی مصلحت کے کہ شوخ رنگوں کے کپڑے سپاہیوں کو نشانہ بندوق بناتے ہیں۔ یہ بھی بڑا فائدہ ہے کہ اُجلے اور میلے کپڑے میں تمیز مشکل ہے۔ اور چونکہ سبھی لوگ اسی رنگ کے کپڑے پہنتے ہیں اسلئے سبھی جگہ عالم خاکساری نظر آتا ہے

ع۔ خاک شو پیش از انکہ خاک شوی +

گرم ملک کے کپڑے

اس سامان سفر کی فہرست میں بعض چیزیں ایسی تھیں جن کے مینے پہلے کبھی نام بھی نہیں سُنے تھے۔ جیسے کہ سپائن پیڈ اور شارٹ۔ اور بعض کو کبھی پہنا نہیں تھا جیسے کہ جودھپور بریجز۔ پٹیاں۔ یا سپاہیوں کا تھیلا وغیرہ۔ لاہور کے کئی درزی بھی نہیں جانتے تھے کہ سپائن پیڈ کیا ہے۔ چونکہ عراق عرب میں گرمی بہت پڑتی ہے۔ اسلئے ریڑھ کی ہڈی (مُہرہ پشت) کو شدید دھوپ کے صدمہ سے محفوظ رکھنے کے لئے یورپین سپاہیوں اور افسروں کی پشت پر باندھنے [illegible] ار گدی باندہی جاتی ہے۔ ایسے ہی گورہ سپاہیوں کی گردن کو دھو[illegible] کے لئے اُن کی ٹوپیوں کی پچھلی طرف ایک پردہ ایسی ہی گدی

لٹکایا جاتا ہے۔ اور چونکہ اس طرف مچھر، مکھیاں اور پسو وغیرہ بہت ہیں اسلئے صرف مچھر دانی پر ہی اکتفا نہیں کیا جاتا بلکہ سر پر ڈالنے کے لئے ایک الگ جالی کا ٹکڑا لیا جاتا ہے کہ جس کے استعمال کی ابھی تو ضرورت نہیں پڑی۔ نہ ہی اس تھیلے کے استعمال کی ضرورت پڑی ہے جس کا نام سلیپنگ بیگ (سونے کا تھیلا) ہے۔ اور شارٹ وہ پتلون ہے جو یورپین لوگ گرمی کے موسم میں پہنتے ہیں اور بہت سے گورے اور دیسی سپاہی اور افسر یہاں پہنے ہوئے دیکھے جاتے ہیں۔ جو گھٹنوں سے اونچی ہوتی ہے۔ اور پنڈلیوں پر لمبی جرابیں یا پٹیاں یا چمڑے کے گیٹس پہنے جاتے ہیں۔

پاسپورٹ

میجر رٹی صاحب نے مجھے اطلاع دی کہ ۱۹ مارچ کو مجھے لاہور سے بمبئی کو روانہ ہو جانا چاہیئے۔ مگر ایک دوسرے تار میں ہدایت کی کہ مجھے لاہور سے اپنے لئے پاسپورٹ بھی لے لینا چاہیئے۔ شاید یہاں اس کی ضرورت پڑے۔ چنانچہ میں خود صاحب ڈپٹی کمشنر کی کچہری میں گیا جہاں ایک روپیہ فیس ادا کرنے پر فوراً پاسپورٹ کی خانہ پری کر کے مجھے دیا گیا۔ اس پاسپورٹ پر پاسپورٹ لینے والے کا فوٹوگراف بھی چسپاں کیا جاتا ہے اور اسکے دستخط کا نمونہ بھی اوپر لگایا جاتا ہے۔ ایک فوٹو پاسپورٹ پر لگایا جاتا ہے اور دوسرا دفتر میں رکھا جاتا ہے۔ اسلئے فوٹو کی دو کاپیاں ہونی چاہیئے۔ اور اگر میرے پاس فوٹو تیار نہ ہوتے تو ایک آدھ دن کی اور دیر لگ جاتی۔ بہرحال معلوم ہوتا ہے کہ صاحب ڈپٹی کمشنر نے میرے پاسپورٹ پر ضروری کا سلپ لگا دیا تھا۔ اور ایسا ہی پولیٹیکل سکرٹری صاحب کے دفتر میں بھی لگایا گیا۔ اور مجھے دو گھنٹہ کے اندر پاسپورٹ مل گیا۔ مگر یہاں پہنچکر معلوم ہوا کہ چونکہ پریس پارٹی جنرل سٹاف کے ایک افسر کی نگرانی میں سفر کر رہی ہے اسلئے پاسپورٹ کی ضرورت نہیں۔ البتہ بمبئی میں میجر صاحب نے ہماری پارٹی کے سب ممبروں کو

نامہ نگاروں کا سرخ نشان

ایک ایک لائسنس لکھکر دیدیا تھا۔ اور چار چار انچ چوڑے سرخ کپڑے کے دو دو بازوبند پریس پارٹی کے ہر ممبر کو دیئے گئے۔ جن پر اُن کے نمبر موٹے حرفوں میں لکھے ہوئے ہیں۔ چنانچہ جب سے ہم لوگ جہاز سے بصرہ میں آکر اُترے ہیں ہم ہر وقت یہ سرخ بلّے بازوؤں پر ٹانک کر رکھتے ہیں۔ اور ہمارے نوکروں کو وہی نمبر سیاہ رنگ کے بلوں پر لکھوا کر دیئے گئے ہیں۔ جو میدان جنگ کے ریگولیشن کے مطابق سب نامہ نگاروں کو ہر وقت پہنے رہنا چاہیئے۔

ایک مسلمان اخبار نویس کا مشکل کام

اخبار نویسان پنجاب کی ۲۹ فروری کی میٹنگ کے بعد یکم مارچ کو حسب قرارداد سابقہ جناب نواب سر مائیکل اوڈوائر صاحب لفٹننٹ گورنر پنجاب سے ملا تھا۔ جبکہ میرے انتخاب کا ذکر ہوتا رہا۔ مگر ۱۳ مارچ کو گورنمنٹ ہوس کی پارٹی کے موقعہ پر میں پھر ہز آنر سے ملا تو آپنے فرمایا کہ ابھی تک تم میسوپوٹیمیا کو روانہ نہیں ہوئے؟ امید ہے کہ تمہاری چٹھیاں جو تم وہاں سے لکھوگے دلچسپ ہوں گی۔ اس مجمع میں بہت سے معزز صاحبان نے میرے سفر کا ذکر کیا۔ بلکہ ایک صاحب نے جو گورنمنٹ کے ایک عالیشان افسر ہیں مجھے کہا کہ تمہارا کام بہت ذمہ داری کا اور مشکل کام ہے۔ اور واقعی میں اس ذمہ داری اور مشکل کو محسوس کرتا ہوں۔ گورنمنٹ انگریزی نے عراق عرب کو ایک مسلمان سلطنت سے فتح کیا ہے۔ اور جس قدر میرے ہمراہ ہندوستان کے دوسرے انگریزی یا دیسی اخبارات کے قایم مقام موجود ہیں وہ یا تو انگریز ہیں یا ہندو ہیں۔ (۲) انگریزوں نے تھوڑے عرصے میں ہی یہاں انتظام میں بہت ترقی کرلی ہے۔ اور یہاں کی مسلمان اور دیگر رعایا کا بالکل حق ہے کہ انہیں بہتر سے بہتر حکومت ہاتھ آئے۔ اس بارہ میں مَیں کسی بعد کے خط میں کسیقدر تفصیلی کیفیت لکھوں گا +

بسلامت روی وباز آئی

بہر حال میں ۱۷ مارچ کی شام کو ۹ بجے کی گاڑی میں روانہ ہوا جس شخص کے بال بچے اور بہن بھائی میری طرح ہوں۔ اور والدہ بھی زندہ ہو اور وہ یوں ہی گھر کی زندگی ہمیشہ بسر کرتا ہو میدان جنگ والے ملک کے سفر کے لئے گھر سے رخصت ہونے میں اُسے ضرور کسیقدر رقت محسوس ہوتی ہوگی۔ بہر حال باوجودیکہ گاڑی بعد شام دیر سے چلتی ہے تاہم میرے عزیزوں کے سوائے بہت سے میرے معزز اخبار نویس دوست اور دیگر محترم احباب مجھے وداع کرنے کے لئے سٹیشن پر جمع ہوگئے تھے۔ اور ع "بسلامت روی وباز آئی" کے دعاؤں اور نعروں کے درمیان گاڑی روانہ ہوئی۔ راستہ میں مَیں کہیں نہیں ٹھیرا اور سیدھا بمبئی برودہ سنٹرل انڈیا لائن سے ۲۹ مارچ کو ۱۱½ بجے صبح کے بائی کلا سٹیشن بمبئی پر پہنچ گیا۔

میجر بٹی صاحب اور دیگر اخبار نویس

اسباب سٹیشن پر ہی چھوڑا اور گاڑی لیکر

پہلے سید ھا کرزن ہوس میں پہونچا جو تاج محل ہوٹل کے قریب دریا کے کنارہ پر واقعہ ہے اور جہاں میجر صاحب مقیم تھے۔ مگر افسوس کہ وہ نہ ملے۔ اسپر میں سٹیشن سے اسباب لیکر شاہ جہان پیلس ہوٹل بمبئی میں پہنچا۔ جو مسلمانان ہند کے لئے خصوصًا بمبئی میں بہترین ہوٹل ہے۔ اور جہاں علاوہ عمدہ اور ہوادار مکان کے بہت عمدہ کھانا ملتا ہے۔ اور ہوٹل کے مالک سید یوسف شاہ صاحب کو ہمیشہ اپنے مہمانوں کو خوش رکھنے کا بڑا شوق ہے۔ یہاں اسباب رکھکر اور کھانا کھاکر پھر میں میجر صاحب سے جاکر ملا۔ میجر صاحب نے بتلایا کہ گو جہاز کہ جسپر ہمنے روانہ ہونا ہے کل شام کو کنارہ سے رخصت ہو جائیگا۔ لیکن ہم لوگ پرسوں صبح ۷ بجے فلاں گودی سے ایک لانچ پر سوار ہوکر وہاں تک جا پہنچینگے۔ میجر صاحب نے یہ بھی بتلایا کہ اس وقت تک تمہارے سوائے تین اور ہندوستانی اور چار انگریز نامہ نگار جانے کو تیار ہیں۔ لیکن ایک اخبار نویس کی مدراس اور ایک کی کلکتہ سے اور آنے کی امید ہے۔ اسی شام کو مسرز جوشی۔ بیاج ینگ۔ اور گھوش سے ملاقات ہوئی۔ جو کلکتہ اور بمبئی کے ہندوستانی قایم مقام تھے۔ اور اس شام کو ہم سب نے تھوڑا بہت سامان سفر جو ابتک نہیں ملا تھا خرید لیا۔ کیونکہ میرے ہوٹل کے نواح میں بہت سی اس قسم کی دوکانیں ہیں کہ جہاں سے یورپ کو جانے والے سب مسافر سامان سفر خریدا کرتے ہیں۔ میںنے ایک برساتی کوٹ اور ایک ڈک چیر (جہاز کی کرسی) معہ دیگر احتیاطی ضروریات کے خریدیں ٭

سیٹھ عبد اللہ بھائی لالجی

۲۰۔ مارچ کو میں اپنے بمبئی کے قدیم دوست سیٹھ عبد اللہ بھائی لالجی سے اُن کے دوکان پر جاکر ملا۔ سیٹھ عبد اللہ بھائی لالجی بڑے خوش نصیب بزرگ ہیں۔ کہ جن کے تینوں بیٹوں اسمٰعیل بھائی۔ ناصر بھائی اور حسین بھائی اور بھتیجے فاضل بھائی۔ جمعہ بھائی کے علاوہ اُن کے کئی پوتے اُن کے کاروبار تجارت میں منہمک ہیں۔ جو علاوہ ایک بڑی کپڑے کی مل۔ اور عدن میں نمک کے بڑے کارخانہ کے سواحل عرب و افریقہ کی لاکھوں روپیہ کی تجارت پر مشتمل ہے بلکہ کہا جاتا ہے کہ حال کی جنگ میں گورنمنٹ کو لاکھوں روپیہ کا سامان رسد انہوں نے بہم پہنچایا ہے۔ خدا انہیں اَور بھی برکت دے۔ سیٹھ صاحب نے شکایت کی کہ میں اُن کے یہاں کیوں نہیں ٹھہرا۔ میںنے وجہ سفر بیان کی۔ آخر انہوں نے وعدہ لیا کہ واپسی پر

یہیں ٹھیرنا۔ وہاں سے اُن کا موٹر کار لیکر دو تین دوسری جگہوں میں ملنے گیا۔ اِن میں

حاجی یوسف حاجی اسمٰعیل سوبانی کے رفاہ عام کے کام

سے حاجی یوسف حاجی اسمٰعیل سوبانی کی ملاقات کا ضرور ذکر کرونگا۔ کیونکہ آپنے مجھے انجمن اسلام کا ہائی سکول دکھلایا کہ جسکے آپ پانچ سال سے پریزیڈنٹ ہیں۔ اس میں آپنے سوبانی ریڈنگ روم عطا کیا ہے۔ اور سکول کی عمارت کی ہال میں حاجی عبد الکریم مرحوم مالک مطبع کی عطیہ لائبریری ہے کہ جس میں علاوہ انگریزی کے عربی۔ فارسی وارد و کتب کا بہت عمدہ مجموعہ ہے کہ جس کی مطبوعہ فہرست موجود ہے۔ انجمن اسلام کے سکول کی عمارت ہر طرح سے بمبئی کی شاندار عمارات کی ہم پلّہ ہے۔ جو معلوم ہوا کہ مسٹر احمدی صاحب اگز کٹو انجینیر نے نہایت جانفشانی اور ذاتی توجہ سے انجمن کے لئے تعمیر کرائی تہی ۔اس عمارت کے پیچھے حاجی یوسف سوبانی صاحب کا عطیہ ایک بورڈنگ ہوس ہے جو کہ بیس پچیس ہزار روپیہ سے انہوں نے اپنے والد کی یادگار میں تعمیر کرایا تھا۔ مگر اس میں سب طالب علموں کے لئے گنجائش نہیں۔ یہاں سے شہر کے اندر لیجاکر حاجی صاحب نے صوبانی گرلس سکول دکھلایا۔ جس میں مسلمان لڑکیاں عمدہ تعلیم پاتی ہیں۔ اور رات کو اسی عمارت میں بطور نائٹ سکول کے مردوں کو تعلیم دیجاتی ہے اور پولیس کے جوان انگریزی وغیرہ پڑھتے ہیں۔ ان کے علاوہ ایک دوسری جگہ شہر میں سوبانی لائبریری قائم ہے۔ مگر افسوس ہے کہ وہ ہمارے پہنچنے کے وقت بند ہو چکی تھی۔ اس سے ظاہر ہے کہ حاجی یوسف سوبانی صاحب کی کوشش اور علم دوستی سے کس قدر مفید کام ہو رہا ہے ۔

حاجی یوسف سوبانی صاحب شام کو مجھے اسلام کلب کو ساتھ لیگئے۔ اسلام کلب ساحل دریا پر چوپاٹی میں ایسی پر فضا جگہ پر واقعہ ہے۔ اور سیٹھ عبد اللہ بھائی لالجی کو ساتھ لیکر جیسا کہ صبح کو ٹیلیفون پر طے کر لیا تھا ان کے دولتخانہ پر کھانا کھانے گئے۔ آپنے ڈیڑھ لاکھ روپیہ کی لاگت سے بمبئی کے امپرومنٹ ٹرسٹ کی اراضی پر یہ عالیشان مکان تعمیر کرایا ہے۔ جیسا کہ اور بمبئی کے بہت سے امرا نے تعمیر کرائے ہیں۔ حاجی صاحب ایک کپڑے کی بڑی مل کے واحد مالک ہیں اور اُن کے دو جوان اور لائق صاحبزادے اُن کے کام میں معاون ہیں۔ اسی شام کو جناب مولوی عبد اللہ احمد صاحب محافظ حجاج سے بھی ملاقات ہوئی

مولوی صاحب کا دم حاجیوں کے لئے ازبس غنیمت ہے۔ اور دوسری صبح کو ۷ بجے گاڑی میں اسباب لاد کر بلیسٹر پیئر (گودی) میں جا پہنچے۔ یہاں میجر ٹلی صاحب نے ہماری پارٹی کے ہر ایک شخص کو ایک ایک افسری خیمہ سپرد کیا کہ جس کے ساتھ ایک ایک نوکر کی چھولداری بھی تھی اور سب سے خیموں کی رسید لی۔ اتنے میں ہمارا اسباب لانچ میں رکھا گیا۔ اور تھوڑی دیر میں ہم لوگ جہاز تور بلا پر سوار ہو گئے۔ مگر لانچ میں سے سب کا اسباب نکالکر جہاز کی سیڑھیوں پر چڑھاکر جہاز میں رکھنا بہت سہل کام نہ تھا۔ تاہم جہاز کے خلاصیوں کی مدد سے یہہ مشکل حل ہوئی۔ اور ہم مندرجہ ذیل آٹھ اخبار نویس کہ جن میں سے چار انگریز اور چار ہندوستانی ہیں پانچ نوکروں سمیت خلیج فارس کے سفر پر روانہ ہو گئے:۔

(۱) ٹی ای ولبی صاحب۔ ایڈیٹر مدراس میل مدراس۔

(۲) ای۔ ڈگبی صاحب۔ منیجر ایسوشی ایٹڈ پریس۔ کلکتہ۔

(۳) جے این سینڈ بروک صاحب۔ ایڈیٹر انگلشمین۔ کلکتہ۔

(۴) جے۔ ایچ تھارنیلی صاحب۔ نامہ نگار پاؤنیر۔ الہ آباد۔

(۵) راقم الحروف محبوب عالم۔ ایڈیٹر پیسہ اخبار لاہور۔

(۶) این ایم جوشی صاحب قائم مقام گیان پرکاش بمبئی و پونہ

(۷) آئی۔ کے یاج نِک صاحب۔ ممبر سرونٹس آف انڈیا سوسائٹی پونہ۔

(۸) ایچ پی۔ گھوشس صاحب۔ ایڈیٹر باسومتی۔ کلکتہ۔

اور میجر ٹلی صاحب متعلقہ جنرل سٹاف جو اس پریس پارٹی کے رہنما ہیں + ۔

خلیج فارس کا سفر

(۹- اپریل ۱۹۱۸ء)

گو ہم لوگ ۱۱ بجے جہاز پر پہنچ گئے تھے۔ مگر ہمارا جہاز ۴ بجے سہ پہر کو بمبئی سے روانہ ہوا ہمارے ہمراہ ایک ہاسپٹل شپ اور دو دوسرے جہاز تھے۔ ہمارے جہاز میں کچھ فوج اور گھوڑے بھی بصرہ کو جارہے تھے۔ جہاز پر سوار ہوتے ہی سب سے پہلا کام یہہ تھا کہ سپاہیوں

لایف بلٹ پریڈ

شاگرد پیشہ لوگوں اور مسافروں کو لائف بلٹ پہنانے کی پریڈ کیجانے لگی۔ یہ کارک کی بنی ہوئی پیٹیاں ہوتی ہیں۔ جو سمندر میں خطرہ کے وقت سینہ اور پشت کے گرد لپیٹ لیجاتی ہے۔ اور دونوں کندہوں کے اوپر تسمے کس لئے جاتے ہیں۔ تاکہ اگر مسافر سمندر میں گر پڑے تو ڈوب نہ جائے۔ بلکہ یہ ہلکا کارک اُسے ڈوبنے سے بچائے رکھے۔ سب لوگوں کو بلٹ پہنا کر ان کا استعمال بخوبی سمجھا دیا گیا۔ اور جہاز کے میوزک روم میں ایک نقل اُن ہدایات کی چسپاں کردی گئی کہ کس طرح بلٹ اچھی طرح باندہی جانی چاہیئے۔ تاکہ باوجود بلٹ بندہی ہونے کے آدمی سر کی طرف پانی میں غرق نہو جائے۔ ساتھ ہی ہر شخص کو تبلا دیا گیا کہ جہاز کی غرقابی کی صورت میں تم کو فلاں نمبر کے لائف بوٹ میں بیٹھنا ہوگا جو فلاں افسر جہاز کے ماتحت ہوگی۔ اور یہہ سب لائف بوٹ (کشتیاں) جہاز کے پہلوؤں پر معلق ہوتی ہیں۔ یہ سب احتیاطیں اسلیئے کی جاتی ہیں کہ لوگ خطرہ کے وقت گھبرا نہ جائیں۔ بنگال کے ایک انجنیر نے مجھے تبلایا کہ اگر لائف بلٹ ملجائے تو تب تو سمندر سے بچ نکلنے کے امید ہوتی ہے۔ لیکن صرف لائف بوٹ باندھکر پانی میں کود پڑنے سے پہلے تو شارک مچھلیاں جلدی ہی نگل جاتی ہیں۔ اور اگر کوئی شارک نہ ملے تو چار پانچ گھنٹہ کے اندر ٹھنڈے پانی سے انسان کے جسم میں تشنج پیدا ہونے لگتا ہے اور وہ مرجاتا ہے۔ اسلیئے اُسنے کہا اگر لائف بوٹ نہ ملے تو انسان کو فوراً اپنے خدا سے صلح کرکے اپنے آپ کو تقدیر کے حوالہ کردینا چاہیئے۔

جہاز کی زندگی

۲۰ کو بمبئی سے روانہ ہوکر ۲۴ کی دوپہر کو ہمارے جہاز کراچی بندر میں پہنچے

اور پھر خلیج فارس کو روانہ ہو گئے۔ ہمارے دائیں ہاتھ پر دن بھر کراچی اور مکران کی نیچی اور خشک پہاڑیاں نظر آتی رہیں۔ ۲۵ کو دس پندرہ منٹ بارش ہوئی۔ اور کچھ سردی چمک گئی۔ سمندر کی سطح بھی کچھ متلاطم ہو گئی۔ ہمارے جہاز کا ایک افسر عارضہ اپنڈیسائٹس (انتڑیوں کی ایک نازک بیماری) سے بیمار ہو گیا تھا آج ہمارے جہاز نے بذریعہ وائرلیس (بے سلک تار برقی یا جھنڈی کے اشارات کے) اور ایک جہاز سے ایک ڈاکٹر طلب کیا۔۔۔۔ اور ایک جہاز سے ایک ایک ڈاکٹر اور بعض دیگر افسر ایک کشتی میں بیٹھکر ہمارے جہاز میں چڑھ آئے اور بیمار افسر پر عمل جرّاحی کیا گیا۔ اور اس عمل سے ۳۔۴ گھنٹہ میں فارغ ہو کر یہ سب افسر چلے گئے۔۔۔ دن بھر ٹھنڈی ہوا چلتی ہے۔ جہاز پر سوائے کھانے سونے گپیں ہانکنے اور کتابیں پڑھنے کے اور کچھ کام نہیں ہوتا۔ جس طرح انگریز لوگ دن میں تین کھانے بریکفاسٹ۔ لنچ اور ڈنر کھاتے ہیں اور دو دفعہ چائے پیتے ہیں۔ اسی طرح دن میں پانچ مرتبہ اول اور دوم درجہ کے مسافروں کو جہاز پر پوری پابندی کے ساتھ کھانا دیا جاتا ہے میں نے عراق عرب کے متعلق پانچ سات کتابیں جن میں سے بعض چھ سات سو صفحوں کی تھیں پڑھ ڈالیں۔ کیونکہ ہم میں سے ہر شخص اس مضمون کی دو چار کتابیں ساتھ لایا تھا۔ اور ہر شخص دوسروں سے مستعار لیکر کتابیں پڑھتا تھا۔۔۔ سہ پہر کو عرب کی طرف کا کنارہ نمودار رہا۔ اور شام کو سورج پانی کے پرے ان چھوٹی چھوٹی پہاڑیوں کے پیچھے غروب ہوتا ہوا کیسا عجیب معلوم ہوتا تھا۔ آج ۲۶ کو اور کل جیلی فش سمندر میں بہت نظر آئیں۔ یہ ایک جیلی کی قسم کا لعابدار چھوٹا سا تو دہ معلوم ہوتا ہے مگر کہتے ہیں کہ اس کے چھوٹے سے برقی رو محسوس ہوتی ہے۔ کسی طرح بھی

خدا کی یہ مخلوق مچھلی کا نام پانے کے مستحق نہیں معلوم ہوتی۔ ایک مرتبہ پہلے ہی پرسوں جہاز پر تار خبریں چسپاں کی گئی تہیں۔ جو بذریعہ وائرلیس جہاز پر وصول ہوئی تہیں۔ اور آج پہر جنگ کے متعلق بے سلک تار برقی سے خبریں لے کر ایک ورق جہاز کے کمرہ میں چسپاں کیا گیا۔ وائرلیس واقعی نہایت عجیب اور سودمند ایجاد ہے۔ اور سمندر میں خصوصاً بڑی مفید ثابت ہوئی ہے۔ رات کو جہاز کی رفتار سے پانی میں جو لہریں پیدا ہوتی ہیں۔ ان پر فاسفورس کیسی چمکدار معلوم ہوتی ہے صبح کے غسل کے ٹب میں سمندر کا نمکین پانی ڈالا جاتا ہے۔ تو اسمیں بھی فاسفورس کے ذرّے چمکتے ہوئے نظر آتے ہیں اسطرح سمندر کے پانی میں بے اندازہ فاسفورس ہوگی۔ دن بہر ایران کی طرف کا کنارہ نظر آتا رہا۔ اور وہ بادبانی کشتیاں بھی نظر آئیں۔ جو ہمیشہ سمندر کے آباد کناروں کے قریب نظر آیا کرتی ہیں۔ آج رات چیف انجنیئر نے ہماری درخواست

جہاز کی مشنری

پر ہمیں جہاز کی مشینری دکھلائی۔ اس جہاز کا انجن دو ہزار نوسو ہارس پاور کا ہے۔ اسی سے اندازہ ہوسکتا ہے۔ کہ انجن کتنا بڑا ہے اور اس کے کرینک وغیرہ پرزے کتنے بڑے ہیں۔ اور شافٹ کتنا موٹا اور چالیس گز لمبا ہے۔ عین جہاز کے وسط میں ایک دو منزلہ سے بہی بلند مکان کے برابر ایک بلند ہال ہے یہ مشینری اور انجن نصب ہیں۔ جو جہاز کی تہ سے لیکر اوپر کے ڈیک تک چلے گئے ہیں۔ تین بڑی بھٹیوں میں آٹھ دس ہندوستانی فائرمین پسینہ میں تربتر کوئلہ جہونک رہے تہے۔ اس وقت مجھے خیال آیا کہ میں نے جہازوں میں کئی سفر کئے ہیں۔ جبکہ جہاز رات دن برابر ہفتوں پانی کو چیرتا ہوا چلا جاتا ہے۔ ہم لوگ جہاز میں کہاتے اور سوتے ہیں۔ کبھی برقی پنکہوں کے نیچے پسینہ پسینہ ہوئے جاتے ہیں۔ مگر کبھی ان بیچارے آگ جہونکنے والے

مزدوروں کا خیال نہیں کیا۔ جو سمندر کے اندر اس گرم کمرہ میں ہر وقت اپنا فرض ادا کرتے رہتے ہیں۔ اور رات دن کے چوبیس گھنٹوں میں دو مرتبہ انہیں آٹھ آٹھ گھنٹہ کی ڈیوٹی دینی پڑتی ہے۔ یہاں جہاز کے اندر صرف جہاز کو چلانے کی ہی مشینری نہ تھی۔ جو کو سب سے بڑی اور اہم تھی۔ مگر اس کے سوائے اور کئی کاموں کے لئے الگ الگ انجن لگے ہوئے تھے۔ ایک برف بنانے کی مشین اور اس کا انجن ہے جو جہاز پر ہر وقت ٹھنڈا پانی اور قلفیاں تک دیتا ہے۔ ایک اور مشین مع انجن ہے۔ جو سمندر کے نمکین پانی سے میٹھا پانی بناتی ہے۔ ایک انجن اور مشین بجلی بنانے کے لئے چل رہے ہیں۔ کہ جس سے جہاز پر برقی روشنی اور پنکھے اور بعض مشینوں کے پرزے چلتے ہیں۔ ایک اور پمپنگ مشین ہے کہ جس سے سمندر کا پانی جہاز کی صفائی اور غسل وغیرہ کے لئے لایا جاتا ہے غرضکہ جہاز ایک چھوٹا سا شہر ہے۔ کہ جسمیں بجلی کی روشنی واٹر ورکس۔ برف کی مشین کانسروینسی کا انتظام بالکل مکمل ہے۔ اور پھر آجکل عموماً جہازوں پر وائرلیس ٹیلیگرافی کا سامان اور بلند بلّے ہوتے ہیں۔ جیسے ہمارے اس جہاز میں بھی تھے۔ اس سے اندازہ ہوسکتا ہے کہ ایک مسافری یا تجارتی جہاز بھی کس قیمت کا ہوتا ہوگا۔

جہاز پر جو یورپین سولجر تھے۔ کپتان جہاز کی اجازت سے وہ جہاز کے میوزک روم میں آج شام کو آکر باجا بجانے اور گانے میں مصروف ہو گئے اور آدھی رات تک دل خوش کرتے رہے۔ ۲۹۔ مارچ کو کچھ سردی ہو گئی اور خاکی سوٹ میں لوگوں کو جاڑا محسوس ہونے لگا۔ اکثر لوگ تختۂ جہاز سے اٹھکر اندر جا بیٹھے

مڈبار اور پائیلٹ آج پانچ بجے شام کو ہمارا جہاز مشہور "مڈبار" کے قریب پہنچا۔ یہ خلیج فارس کے اس سرے پر کہ جہاں دریائے شط العرب اسمیں گرتا ہے۔ کیچڑ کا ایک عظیم الشان بند کئی میلوں میں پھیلا ہوا ہے۔ جو دجلہ فرات

کارون اوران کے معاون دریا صدیوں سے عراق عرب کی چکنی مٹی اپنے پانیوں کے ساتھ بہا کر لاتے ہیں۔ وہاں کے اس دہانہ کے قریب تہ نشین ہو کر کیچڑ نے میلوں چوڑا ایک بند سا بنا دیا ہے۔ کہ جس پر سے بڑے جہاز باسانی نہیں گذر سکتے۔ اور کبھی جہاز اس کیچڑ میں پھنس جاتے ہیں۔ اور جبتک مد و جذر کا پانی بہت سا آکر ان جہازوں کو کیچڑ سے نہیں نکالتا وہیں دھنسے رہتے ہیں۔ البتہ اس "مڈبار" میں ایک رستہ ایسا ہے کہ جسمیں سے مختلف اوقات میں جہاز آسانی سے نکل جاتے ہیں۔ اور جو لوگ اس رستہ کے واقف ہیں انہیں "پائلٹ" کہتے ہیں۔ یہ پائلٹ جانتے ہیں۔ کہ کس جگہ میں کتنا پانی گہرا ہے اور کتنا پانی جوار بھاٹے کا آئیگا تو جہاز اُس میں سے باآسانی گذر جائیگا۔ چنانچہ اس مڈبار کے داخلہ پر ایک سرخ رنگ کی بڑی کشتی کھڑی ہے۔ جس پر ایک بہت بڑی لالٹین نصب ہے۔ اس لئے دن ہو تو سرخ کشتی اور رات ہو تو سرخ روشنی کی اس لالٹین کے پاس ہر جہاز آتا ہے اور اپنی کشتی اُتار کر اس کشتی تک لیجاتا ہے۔ وہاں سے ایک پائلٹ اس کشتی میں سوار ہو کر جہاز پر آتا ہے۔ چنانچہ اسی ترکیب سے ہمارے جہاز پر بھی پائلٹ آگیا۔ یہ ایک عرب معلوم ہوتا تھا۔ اس نے آتے ہی حکم دیا۔ کہ یہاں کا پانی ناپا جائے۔ چنانچہ جہاز کے خلاصیوں نے پانی ناپا۔ تو سات بام (۴۲ فیٹ) پانی کی گہرائی معلوم ہوئی۔ پائلٹ نے حکم دیا۔ کہ جہاز یہیں کھڑا کر دیا جائے بعض اوقات بڑے جہاز چند گھنٹے ہی نہیں بلکہ چند دن بھی یہاں کھڑے رہتے ہیں۔ کیونکہ مہینہ کے بعض دنوں میں مد و جذر خفیف ہوتا ہے۔ کہ جسے انگریزی میں نیپ ٹائیڈ (Neap Tide) کہتے ہیں اور وہ چاند کی ۲۸ تاریخ سے لیکر ۱۱ تاریخ تک ہوتا ہے۔ اور چاند کی ۱۲ تاریخ سے ۲۸ تاریخ تک بوجہ

چاند کی طاقتور کشش کے جوار بھاٹا زیادہ آتا ہے کہ جسے سپرنگ ٹائیڈ (Spring Tide) کہتے ہیں۔ میں نے پائلٹ سے عربی میں بات کرنا چاہی تو فوراً معلوم ہو گیا کہ وہ عرب نہیں بلکہ ایرانی ہے۔ اور بوشہر کا رہنے والا ہے۔ اس نے کہا مجھ سے پہلے میرا باپ اور دادا بھی یہی کام کرتے رہے ہیں ... سرکار انگریزی کسی شخص کو اس وقت میں بیکار نہیں رہنے دیتی۔ اپنی اجرت کے متعلق اس نے کہا کہ یہ جہاز کے قد او رحجم پر منحصر ہے۔ چھوٹے جہازوں کی رہنمائی کیلئے ہمیں چالیس روپے فی جہاز ملتے ہیں اور بڑے جہازوں کے لئے پچاس پچپن روپیہ اس نے کہا کہ انگریزوں نے اس قدر روپیہ اس ملک میں خرچ کیا ہے۔ کہ پہلے تو بصرہ کے سوداگر بھی غریب تھے۔ مگر اب وہاں کے فقیر بھی امیر ہو گئے ہیں۔

یہاں سے ۳۰ مارچ کی صبح کو ۴ بجے جبکہ بوجہ مد کے پانی بلند ہوا۔ تو پائلٹ نے جہاز کو چلنے کا حکم دیا۔ مگر ساتھ ساتھ خلاصی پانی ناپ کر بتلاتا جاتا تھا۔ کہ یہاں پانی اتنے بام گہرا ہے۔ اور پائلٹ جہاز آگے بڑھنے دیتا تھا۔ غرضکہ صبح کو کیچڑ کے میدان سے نکلکر جہاز شط العرب میں داخل ہوا اور ترکوں کا منہدمہ قلعہ فاؤ نظر آیا۔ کہ جس پر سب سے پہلے انگریزی فوج نے ۷ نومبر کو چھوٹے سے گنبوٹ اسپیگل کے ذریعہ گولہ باری کر کے اسے گرا دیا تھا۔

خلیج فارس میں انگریزی سیادت

خلیج فارس میں تین سو سال کا برٹش کام

خلیج فارس کا جغرافیہ تفصیل سے بیان کرنے کی ضرورت نہیں۔ برن اسے بصرہ گورتیزی د خلیج بصرہ، کہتے ہیں۔ اور انگریزی پرشن گلف ہندوستان سے عراق کو جاتے ہوئے ایران کی طرف ساحل مکران پر پسنی۔ جزیرہ جسک۔ بندر عباس۔ جزیرہ ہنجام اور بوشہر بڑے

بڑے بڑے ٹھہرنے کے مقام ہیں۔ اور عرب کی طرف مسقط، بحرین و کویت وغیرہ۔ مگر اس امر کے سمجھنے کے لئے کہ انگریز کیوں اس سمندر اور اس کے ساحلوں پر بہت کچھ حقوق رکھتے ہیں۔ اور وہ کب سے خلیج فارس میں پاسبانی کی خدمت ادا کر رہے ہیں۔ تھوڑی سی تفصیل کی ضرورت ہے۔۔۔ ۱۹ جنوری ۱۶۲۲ء کو انگریزوں نے پہلے پہل خلیج فارس میں پرتگالیوں پر ایک اہم فتح حاصل کی۔ اور ہرمز کے متصل جزیرہ کشم پر پرتگالیوں کے قلعہ کا محاصرہ کر کے اسے گرا دیا۔ اور پھر ایرانی فوج کے ساتھ ملکر جزیرہ ہرمز کو ان سے چھین لیا۔ اس کے بعد شاہ ایران کے ساتھ انگریزی معاہدہ ہوگیا جس کے مطابق انگریزوں کو خلیج فارس میں کچھ جہاز رکھنے لازمی ہو گئے۔ اس کے بعد انگریزی بیڑے اور ڈچ اور پرتگالی اور عربوں کے درمیان کئی لڑائیاں خلیج فارس میں سیادت قائم رکھنے کے متعلق ہوتی رہیں۔ اور برٹش امداد کے ساتھ ہی عربوں نے مسقط سے پرتگالیوں کو خارج کیا۔ اس کے بعد ڈیڑھ صدی تک انگریزی جھنڈے کی عزت خلیج فارس میں بہت بڑھ گئی۔ ایرانیوں کو اگر انگریز خلیج میں مدد نہ دیتے۔ تو آج ایران کے خلیج کے ساحل دوسری اقوام کے قبضہ میں ہوتے۔ ہندوستانی جنگی بیڑے نے ۱۷۸۵ء سے خلیج کی پیمائش شروع کی اور اس طرح خلیج فارس کے نقشے اور روشنیاں سب انگریزوں کی توجہ کا نتیجہ ہیں۔ سب سے بڑا کام جو انگلستان نے خلیج فارس میں کیا ہے۔ وہ یہاں کی بحری قزاقی کا خاتمہ کرنا ہے۔ عرب اقوام ہمیشہ آپس میں خشکی اور تری پر لڑتی تھیں اور غیر پر حملہ کرنے کے لئے متفق ہو جاتی تھیں۔ یہانتک کہ انگریزی نقشوں میں عرب کے ایک ساحل کا نام ہی "پائریٹ کوسٹ" یعنی "قزاقوں کا ساحل" ہے۔ اور قبیلہ جواسمی کے لوگ سب سے بڑے قزاق تھے۔ کہ جن کا صدر مقام راس الخیمہ ہے۔ ۱۸۰۶ء میں انگریزوں نے جواسمی قزاقوں کے ایک بیڑے کو گھیر لیا۔ اور بندر عباس میں ان سے ایک معاہدہ پر

دستخط کرائے گئے۔ مگر انہوں نے عہد نامہ کی کچھ پروا نہ کی اور سر ہارفورڈ جونس کا مشن جو ایران کو جا رہا تھا۔ اس کے بیڑہ کے جنگی جہاز سلف کو چھین لیا۔ تو پھر ایک انگریزی مہم نے ان سے جنگ کر کے ان کا بیڑا اور ان کا شہر جلا دیا۔ ایران کے بندر لنگہ کو بھی برباد کیا گیا۔ اور جزیرہ کشم پر قلعہ لفط کو بھی غارت کر دیا۔ اس کے بعد شرگہ اور پائریٹ کوسٹ کے کئی دوسرے مقامات برباد کر کے عمان میں ایک ہزار وہابیوں کو کہ جنہوں نے اس زمانہ میں بھاری اقتدار حاصل کر لیا تھا قتل کیا۔ ۱۸۱۲ء میں جو جواسمی پھر سمندر پر لوٹ مار مچا رہے تھے۔ اور ۱۸۱۵ء میں انہوں نے ساحل کاٹھیاواڑ تک سے ایک جہاز جا پکڑا۔ ۱۸۱۶ء میں ہندوستان کے مغربی ساحل کو لوٹنے لگے۔ اور ۱۸۱۹ء میں ان کے ۶۵ جہازوں کا بیڑہ کہ جس میں سات ہزار آدمی تھے۔ کچھ اور کاٹھیاواڑ کے ساحلوں تک جا پہنچا۔ اس سے کچھ اندازہ ہو سکتا ہے کہ اس زمانہ میں نہ صرف خلیج فارس بلکہ بحر ہند اور بحر عرب میں بھی قزاقی کا زور تھا۔ اور قزاق جہازوں کا مال اسباب لوٹ کر آدمیوں کو غلام بنا لیتے تھے یا افریقیہ سے غلام پکڑ کر لاتے اور بیچتے تھے۔ اس لئے انگریزوں نے سر ولیم گرانٹ کیر کی سرکردگی سے جواسمیوں پر ایک مہم بھیجی اور راس الخیمہ پر گولہ باری کر کے ان کے قلعے اور کمین گاہیں اوڑا دیں۔ اور مقام سوحار ساحل عمان میں خوب لڑائی ہوئی۔ آخر ۱۸۲۰ء میں ایک عام عہد نامہ امن لکھا گیا۔ گو بحری قزاقی کا خلیج فارس میں خاتمہ ہو چکا تھا۔ مگر بنی یاس نے ابو دھبی میں ۱۸۳۴ء میں پھر علم قزاقی بلند کیا۔ ان قزاق سرداروں کے عہد ناموں کی ۱۸۵۳ء میں تجدید کی گئی اور ۱۸۹۲ء میں ان تمام عرب سرداروں اور اقوام سے انگریزوں نے معاہدہ کر لیا کہ ان کے تمام ممالک غیر کے تعلقات انگریزوں کے ہاتھ میں رہیں گے اور وہ اپنے علاقوں کا کوئی حصہ کسی اور قوم کو منتقل نہ کر سکیں گے تجارت غلامان کے

انسداد کے ساتھ ہی تجارت اسلحہ کے انسداد کے لئے بھی گورنمنٹ انگریزی نے بڑی کوشش کی ہے ۱۹۱۱ء میں امیر البحر سر ایڈ فیلڈ سلیڈ کی سرکردگی سے ایک متحدہ بحری اور فوجی مہم ایرانی مکران کے بندوقیں چھپانے والوں کی سرکوبی کے لئے بھیجی گئی۔ انگریزی ریذیڈنٹ مقیم بوشہر تمام سرداروں اور اقوام سواحل خلیج فارس کے جھگڑوں اور قضیوں کا فیصلہ کراتا ہے۔ اور خلیج فارس کے سب امرا اور حکام انگریزی سیادت کے قائل ہیں...

ترکی افسر ترک اپنی سلطنت کے دوسرے حصوں میں جیسے کہ بے پرواہ رہے ہیں۔ اس سے زیادہ وہ خلیج فارس اور عراق عرب کی طرف تھے۔ کیونکہ یہ قسطنطنیہ سے بہت دور اُفتادہ تھے اور قسطنطنیہ سے بغداد یا بصرہ کی ولایت پر کسی اعلےٰ عہدہ پر بھیجے جانے کو بھی ترک پسند نہیں کرتے تھے۔ بلکہ جس پاشا پر سلطان وقت ناراض ہو جاتا تو اسے بغداد یا بصرہ کی والی گری (گورنری) پر بھیجدیا جاتا جس سپرٹ کے ساتھ کہ ایک انگریز انگلستان سے دنیا کے کسی حصے کو سلطنت کی کوئی خدمت بجالانے کے لئے چلا جاتا ہے۔ یہ سپرٹ ترکوں سے مفقود تھی۔ یہی وجہ ہے کہ عراق عرب یا عرب کے دور اُفتادہ ترکی صوبجات میں ترک افسر بہت کم ملازم تھے۔ بلکہ عرب وغیرہ مقامی افسر ہی عموماً ذمہ واری کے کاموں پر بھی متعین تھے۔

فارس میں ترکی سوخ مگر مدحت پاشا جو ترکی کا ایک مشہور محب اور ریفارمر گذرا ہے۔ وہ بڑا قابل دوربین شخص تھا۔ اسی نے قسطنطنیہ میں پہلی کانسٹی ٹیوشن مرتب کی اور پارلیمنٹ بنائی ۔ ۱۸۶۹ء میں جب مدحت پاشا بغداد کا گورنر ہو کر آیا۔ تو اسے ترکی اقتدار کو خلیج فارس میں پھیلانے کی ضرورت محسوس ہوئی۔ پہلے اسنے کوئت کے ساتھ تعلقات "قریبہ" قائم کئے۔ اور پھر خلیج

فارس میں جہازوں پر سوار ہوکر ایک معقول فوج ساحل الحصا پر جا اتاری اور ان اقوام عرب کو فتح کر کے اسے ایک ترکی سنجاق (کمشنری) بنا لیا۔ اس کے بعد ترکی بیڑہ لیکر اس نے جزائر بحرین کو بھی فتح کر کے سلطنت ترکی میں ملا لیا۔ مگر انگریزوں نے جلدی ہی یہ بات بدل دی۔ اسیطرح اس نے القطار پر بھی ترکی دعوے قائم کیا۔ مگر گریٹ برٹن نے تسلیم نہ کیا اور الحصا کے دعوے کو تسلیم کر لیا۔ مگر مدحت پاشا کو ۱۸۷۳ء میں قسطنطنیہ میں بلا کر صدر اعظم بنایا گیا۔ اور جو سرگرمی عراق اور خلیج فارس کے ترکی مقبوضات میں اس نے پیدا کی تھی۔ وہ اس کے چلے جانے پر فوراً ٹھنڈی ہوگئی۔ گویا اب بھی وقت تھا۔ کہ ترک خلیج فارس میں بہت اقتدار حاصل کر سکتے تھے مگر ترکوں نے خلیج فارس کی طرف اس وقت سے لیکر کبھی توجہ نہ کی۔ جبتک کہ بابعالی میں جرمنوں کو قسطنطنیہ میں غیر معمولی رسوخ حاصل نہ ہوگیا۔ اور قیصر ولیم نے سلطان عبدالحمید خاں سے قسطنطنیہ سے بغداد تک ریلوے بنانے کا اجارہ حاصل نہ کر لیا۔ اور بقول جرمنوں کے B.B.B - B (بی بی بی بی) یعنے برس۔ بائی زنطین (قسطنطنیہ) اور بغداد و بصرہ ریلوے کے ذریعہ سے انہیں مشرق وسطی میں غیر معمولی رسوخ حاصل کرنیکا موقعہ نہ ملا۔

بغداد ریلوے اور کویت

بغداد ریلوے کی کیفیت لکھنے کی یہاں گنجائش نہیں ہے انگریزی اور جرمنی وغیرہ یورپین زبانوں میں سینکڑوں کتابیں جرمن بغداد ریلوے پر لکھی جا چکی ہیں جبکہ قیصر ولیم نے قسطنطنیہ جاکر سلطان عبدالحمید خان ثانی کو اپنی دوستی کا یقین دلایا۔ تو سلطان سے بغداد تک ریلوے بنانیکا اجارہ حاصل کر لیا۔ تو خلیج فارس پر بصرہ ریلوے کا ٹرمنیس بنانے کے لئے کسی عمدہ بندرگاہ کی ضرورت محسوس ہوئی۔ مگر کویت سے بہتر کوئی مقام نظر نہ آیا۔ اب کویت ترکی کی ولایت (صوبہ) بصرہ کی ایک قضا

(ضلع) سمجھا جاتا تھا۔ اور یہاں کا امیر ٹرکی کا ڈپٹی کمشنر تھا۔ مگر جیسا کہ شتل شیخ محمرہ و والئی پشت کوہ وغیرہ کے ٹرکی اور ایران کے ان اضلاع کے تمام گورنر و ل اور حکام کا حال ہے۔ کہ وہ ان اقوام کے سردار ہوتے ہیں۔ کہ جو ان علاقوں میں آباد ہوتی ہیں شیخ مبارک امیر کویت اپنے ملک کا ایک موروثی حاکم ہے۔ ترکوں نے امیر کویت سے خواہش ظاہر کی۔ کہ اس مقام کو جرمن ریلوے کا ٹرمنیس بنانے دے مگر اس نے اپنی مرضی یا انگریزی حکام کی تحریک سے اس درخواست کو رد کر دیا۔ کیونکہ انگریز بغداد ریلوے کو اپنی سیادت خلیج فارس اور حکومت ہند کے حق میں مضر سمجھتے ہیں۔ اور واقعی انگریزی اقتدار کے لئے بغداد ریلوے مضر چیز ہے۔ جرمنوں نے ٹرکی کے ذریعے سے اور براہ راست خلیج فارس کے کئی سرداروں اور والیان ملک کی معرفت بہت کوشش کی۔ کہ انہیں خلیج فارس میں کچھ پاؤں رکھنے کی جگہ ملے۔ مگر چونکہ انگلستان خلیج کے تمام سربرآوردہ والیان ملک سے معاہدات کر چکا تھا کسی نے جرمنی کو کوئی علاقہ بندر یا قلعہ بنانے کو نہ دیا۔ جرمنوں نے خلیج فارس میں ایک تجارتی کوٹھی بھی کھولی۔ ایک جہازوں کی لائن بھی قائم کی۔ مگر انگریزی ریزیڈنٹ کی مستعدی کی وجہ سے انہیں کچھ سرسبزی حاصل نہ ہوئی۔

ٹرکی سے مراعات کی امید	انگریز اڑھائی یا تین سو سال سے خلیج فارس میں انتظام کر رہے ہیں۔ مگر انہوں نے ایران یا عرب کے ساحل پر

کہیں قبضہ نہیں کیا۔ اسی لئے وہ نہیں چاہتے۔ کہ یورپ کی کوئی اور قوم بھی خلیج کے کسی ساحل پر قبضہ کرے۔ انگریز خلیج فارس کے متصلہ ملکوں ایران، عرب اور عراق عرب میں اپنی تجارت پھیلانا چاہتے ہیں اور تجارت کے لئے انہوں نے یہ جملہ تمام دول کے لئے کھولی ہوئی ہے... جرمنوں کے ٹرکی میں رسوخ حاصل کرنے سے پہلے ایک انگریزی سفیر بغداد نے اپنی گورنمنٹ کو توجہ دلائی تھی۔ کہ

وہ ترکوں سے کوئی حق اس بارہ میں فوراً حاصل کرلیں چنانچہ سر ویلنٹائن چرول نے اپنی کتاب "سرحدات ہندوستان" میں لکھا ہے:۔

"سنہ ۱۸۱۰ء میں بغداد کے برٹش ریذیڈنٹ نے لکھا تھا میں محسوس کرتا ہوں کہ مجھے نہایت زور سے اس مضمون پر اپنی گورنمنٹ کو توجہ دلانی چاہیئے۔ کیونکہ مجھے یقین ہے۔ کہ بعض ایسے اثرات کام کر رہے ہیں۔ کہ جن سے ہمیں کسی روز وہ مراعات کھو دینی پڑینگی۔ کہ جن کا ہم دیانتداری اور انصاف سے گورنمنٹ عثمانی سے مطالبہ کر سکتے ہیں۔ کیونکہ پچھلے اٹھاون سال میں خلیج فارس کے امن کے محافظ رہکر ہمنے اس کی تجارت کی پوری حفاظت کی ہے۔ ہم نے اس کے ساحلوں کی پیمائش کی ہے جو کام ہندوستان سابقہ نیوی کے افسروں نے بڑی تکلیف، خرچ اور زندگی کی قربانی سے انجام دیا ہے۔ اور نیز ان عام تعلقات کی وجہ سے جو ہمیں خلیج فارس کے ساحل کی تمام عرب اقوام سے حاصل ہیں"۔

خلیج فارس کی نسبت انگریزی پالیسی کا لب لباب

مگر جو اندیشہ برٹش ریزیڈنٹ بغداد کو سنہ ۱۸۷۸ء میں پیدا ہوا تھا۔ وہ جرمن مستعدی سے قریب نظر آنے لگا معلوم ہوتا ہے کہ سنہ ۱۹۰۳ء میں انگریزوں کو خلیج فارس میں کسی اجنبی دولت کی مداخلت کا سخت اندیشہ پیدا ہوا تھا چنانچہ لارڈ لینسڈاؤن نے ۵ مئی سنہ ۱۹۰۳ء کو خلیج فارس کے مسئلہ کے متعلق برطانیہ کی رائے کو صفائی سے ظاہر کر دیا۔ لارڈ لیمنگٹن کے سوالات کے ایک سلسلہ کے جواب میں صاحب سیکرٹری آف سٹیٹ نے بیان کیا کہ ہمیں خلیج فارس میں کسی دوسری سلطنت کی طرف سے ایک نیول بیس (Naval base) یا قلعہ بند بندرگاہ کے قیام کو انگریزی اغراض کیلئے ایک سخت دھمکی سمجھنا چاہیئے۔ کہ جس کو ہم اپنی تمام وسائل سے پوری طاقت کے ساتھ روکیں گے"... کیونکہ برٹش انٹرپرائز دانگریزی مستعدی اور برٹش

روپیہ اور وقت کے خرچ کی بدولت ہی آج خلیج فارس تمام دنیا کی تجارت کے لئے کھلی ہے ہمارے ہی جہازوں نے اس کے پانیوں کو قزاقوں سے پاک وصاف کیا ہمیں نے تجارت غلامان کا خاتمہ کیا۔ اور ہمیں نے ان پیچ در پیچ سمندروں میں بوٹے (تیرنے والے نشان) اور روشنی کے مینار لگائے" اس لئے بقول سر ویلنٹائن چرول کے "ان معنوں میں انگلستان نے خلیج فارس کو ایک کھلا سمندر بنایا ہوا ہے اور انہیں معنوں میں یہ برطانیہ کی حفاظت اور حمایت میں ایسا رہیگا لیکن اس کے امپیریل اغراض اسے منع کرتے ہیں۔ کہ دوسری دولتوں کے انٹرنیشنل خواہشوں کیلئے اسے مفتوح رکھا جائے۔۔۔

خلیج فارس کے ذریعہ اپنی تجارت کو عراق عرب اور ایران میں پھیلانے کے لئے انگلستان نے بڑی بڑی کوششیں اور دوربینیاں کی ہیں۔ ایک طرف انگلستان نے مسرز لنچ کمپنی کو شط العرب سے بصرہ اور وہاں سے بغداد تک اور مسرز لنچ اینڈ کمپنی اور ایک دوسری انگریز کمپنی کو دریائے کارون پر اہواز تک جہازرانی کی اجازت حاصل کر دی ہے۔ دوسری طرف ایران میں لنچ کمپنی کو بختیاریوں کے علاقہ میں سے سڑک بنانے کا بھی اختیار لے دیا ہے۔

خلیج فارس سے بصرہ تک

شط العرب کا منظر

شط العرب اس عظیم الشان دریا کا نام ہے۔ جو دجلہ اور فرات کے قورنہ پر مل جانے سے بنتا ہے۔ اور محمرہ کے پاس ایران کی طرف سے دریائے کارون بھی اسمیں آ ملتا ہے۔ اور یہ تینوں دریاؤں کا مجموعہ فاؤ کے پاس خلیج فارس میں جا گرتا ہے۔ شط العرب کے اس دہانہ

سے لیکر خلیج فارس سے ۶۴ میل کے فاصلہ پر اسی دریا پر بصرہ کا قدیم بندرگاہ اور شہر واقعہ ہے۔ خلیج فارس سے بڑے بڑے جہاز لدے ہوئے شط العرب میں شہر بصرہ تک برابر چلے جاتے ہیں اس لئے بصرہ قدیم زمانہ سے بہت بڑی تجارت کی منڈی چلا آتا ہے۔ خلیج میں سے نکلکر جب ہمارا جہاز شط العرب میں آیا تو چاروں طرف منظر بدل گیا تھا۔ بصرہ کو جاتے ہوئے محمرہ تک دائیں جانب ایران کا علاقہ ہے اور بائیں جانب ٹرکی کا اور محمرہ سے آگے دونوں طرف ٹرکی علاقہ شروع ہو جاتا ہے کہ جسے برٹش افواج نے حال میں فتح کیا ہے۔ دریا کے دونوں طرف جہاں تک نظر جاتی تھی۔ کھجور کے درختوں کے سرسبز باغ کھڑے تھے اور کہیں کہیں کوئی کچا مکان یا چند جھونپڑے آجاتے تھے۔ مگر معلوم ہوتا ہے کہ نصف میل سے لیکر دو تین میل دریا سے دور بجائے نخلستان کے ریگستان ہی ریگستان ہے۔ دریا کے کنارہ پر کہیں کہیں چھوٹی چھوٹی کھاڑیاں۔ نہریں۔ کھجوروں کے باغوں میں جاتی ہیں کہ جنہیں دریا کے جوار بھاٹا کی وجہ سے خود بخود پانی جاتا اور ان باغات خرما کو سیراب کرتا ہے۔ اس لئے عرب مالک باغ کو اپنے خرما کے باغ کو سیراب کرنے کے لئے کوئی محنت آبپاشی کی نہیں کرنا پڑتی۔ جا بجا دریا کے کناروں پر دونوں طرف سرکنڈوں کی سرکیاں دریا کے کنارے پر پانی میں نصب تھیں۔ جو مچھلیاں پکڑنے کے لئے لگائی گئی تھیں۔ جوار کے وقت پانی اونچا ہونے کے ساتھ مچھلیاں ان سرکنڈوں کی جالیوں میں چلی جاتی ہیں۔ اور پانی کم ہونے کی وجہ سے انہیں میں گھری رہتی ہیں جبکہ لوگ نکال لیجاتے ہیں مسٹر گھوش نے بتلایا کہ یہاں کا علاقہ بالکل مشرقی بنگالہ کے دریاؤں کے مشابہ نظر آتا ہے۔ لوگ چھوٹی چھوٹی کشتیوں میں بانس یا چپو دونوں طرح سے چلتی ہیں یا بڑی بادبانی کشتیوں میں اکثر دریا کے کناروں کے قریب جاتے ہوئے نظر آتے ہیں کہیں

کہیں کنارہ پر عرب اپنی لمبی اور شوخ رنگ عباؤں میں پھرتے نظر آتے ہیں اور کہیں کہیں گائیاں اور بکریاں بھی چرتی دیکھی جاتی ہیں۔ اور مرغابیوں کے جھنڈ اور کہیں جہاز کے پاس سے گذر جاتے تھے۔

آبادان لنتے ہیں (ایرانی) جانب جزیرہ آبادان نظر آنے لگتا ہے۔ بڑے بڑے تیل کے گول ایزروائیڈ قطار قطار دریا کے کنارہ کے قریب سے ریگستان کی طرف پھیلے ہوئے نظر آتے ہیں اور ان کے سامنے بنگلے اور پاور ہوس کھڑے ہیں۔ یہ اینگلو پرشن آئیل کمپنی کے تیل صاف کرنے کی جگہ ہے۔ اور سویز کنال کی طرح برٹش گورنمنٹ کا اسمیں بھی بڑا حصہ ہے۔ پہلے پہل ایک انگریز نے گورنمنٹ ایران سے اس کے تمام مٹی کے تیل کی کانیں کھودنے کا اجارہ لیا تھا۔ اور کئی جگہ سے تیل نکلا۔ پہلے قصر شیریں سے تیل نکالا گیا۔ مگر وہاں سے کسی بندرگاہ تک تیل پہنچنا مشکل تھا۔ اس لئے اسے چھوڑ کر اہواز کے قریب جو آبادان سے ڈیڑھ سو میل سے بھی زیادہ دور دریائے کارون پر واقع ہے تیل کے کنوئیں پاٹے گئے۔ اور ان میں سے بکثرت تیل نکلا مگر بعد میں زیادہ سہولیت کے خیال سے نل لگا کر آبادان تک تیل پہنچایا گیا۔ آٹھ سال کے بعد اجارہ دار شخص نے اپنے حقوق اینگلو پرشن آئیل کمپنی کے ہاتھ بیچدیئے تھے سنہ ۱۹۱۳ء میں انگلستان کے صیغہ امیر البحری نے بائیس لاکھ پونڈ کے حصے اس کمپنی کے خرید لئے اور سنہ ۱۹۱۴ء میں تیل لانے کے پائپوں کی لاین دوہری کی جانے والی تھی۔ کہ موجودہ جنگ شروع ہوگئی جزیرہ آبادان پر تیل صاف ہو کر کشتیوں میں بھرا جاتا ہے۔ اور وہ خلیج فارس میں جاکر بڑے بڑے تالابوں والے جہازوں میں تیل بذریعہ پمپ ڈال دیتی ہیں اس سے کچھ دور آگے بڑھے کہ دریا میں تین ترکی جہاز غرق ہوتے ہوئے دیکھے کہ جن کے فنل اور مستول نظر آتے تھے۔ مگر مشکل دریا کی آدھی چوڑائی انہوں نے بند کی تھی

ترکوں نے انگریزی جہاز کا راستہ بند کرنے کے لئے انہیں غرق کیا تھا ۔ بجا لیکہ عام خیال تھا ۔ کہ اگر یہی عین وسط دریا میں ڈبوئے جاتے ۔ تو انگریزی جہازوں کا بصرہ کی طرف جانا مشکل ہو جاتا ۔

محمرہ کچھ آگے بڑھکر دریا کے اسی طرف محمرہ کا شہر نظر آیا ۔ جو دریائے کارون کے شط العرب سے مقام اتصال پر واقع ہے ۔ گو گذرتے ہوئے جہاز میں شہر محمرہ کے بیچوں بیچ میں سے گذر کر دریائے کارون کا شط العرب میں گرنا بہت اچھا معلوم ہوتا تھا مگر جن لوگوں نے ٹھہر کر شہر کو دیکھا ہے ۔ وہ اس کے موقعہ اور منظر کی بڑی تعریف کرتے ہیں ۔ دریا کارون کے شمالی کنارہ پر شہر کے خوبصورت مکانات واقعہ ہیں اور دریا زاویہ قائمہ بناتا ہوا شط العرب میں گرتا ہے ۔ اور وہاں پانی ہر وقت اس قدر مواج رہتا ہے کہ بڑے بڑے جہازوں کو ہچکولے آنے لگتے ہیں شیخ محمرہ شیخ خزعل کے سی ۔ ایس ۔ آئی ۔ کے سی ۔ آئی ۔ ای ہے جو اس نواح کی دو بڑی عرب قوموں شعب اور معب کا سردار ہے ۔ اور اسی لئے سلطنت ایران نے اسے اپنے صوبہ محمرہ کا والی مقرر کیا ہوا ہے شیخ خزعل ادھیڑ عمر کا عرب ہے ۔ اور بہت ہوشیار اور زمانہ شناس شخص ہے ۔ سرکار انگریزی کا مدت سے دوست چلا آتا ہے اور حال کے پر آشوب زمانہ جنگ میں باوجود مشکلات کے وہ اپنی دوستی کے مسلک پر ثابت قدم رہا ہے ۔ . . . اس کا علاقہ بلجیم کے برابر وسیع ہے وہ خود ٹیکس لگاتا ہے ۔ اور اپنے ملک کے لئے قانون بناتا ہے ۔ اور گورنمنٹ ایران کا صرف ایک کارگذار یا فارن آفس ایجنٹ محمرہ میں رہتا ہے ۔ اور ایک بلجین محصول بحر کا افسر اس کے علاوہ اور کوئی علامت سلطنت ایران کی وہاں موجود نہیں ۔ چونکہ اینگلو پرشن آئیل کمپنی کے تیل کے نل بھی اس علاقہ سے گذرتے ہیں ۔ ان کی حفاظت کے کچھ حصہ کا بھی شیخ محمرہ ذمہ دار ہے ۔ شہر محمرہ سے آگے کچھ دور تک دریا کے کنارہ پر

ایک عالیشان محل معہ اپنے ملحقہ مکانات خدم وحشم کے گانوں اور اپنے تھیئٹر وغیرہ کے چلا گیا ہے۔ یہ شیخ محمرہ کا پیلیس ہے۔ جو برقی روشنی سے روشن کیا جاتا ہے اور جب کبھی شیخ صاحب تھیئٹر کا تماشہ دیکھنا چاہتے ہیں۔ تو کسی کمپنی کو بلا کر اپنے پرائیویٹ تھیئٹر میں تماشہ دیکھ لیتے ہیں۔ یہ محل ایک نہایت شاداب نخلستان میں واقعہ ہے اور دریا کے کنارہ پر دور تک ایک عمدہ سڑک چلی گئی ہے محل کے دروازہ پر ایک عربی خط میں شیخ خزعل لکھا ہوا ہے۔ محمرہ میں تھوڑا سا اور نشان بھی شاہ ایران کی حکومت کا موجود ہے یعنی ایران کی بحری طاقت۔ اس کی نسبت کتاب "فرام دی گلف ٹو ارارات" میں دلچسپ کیفیت یوں درج ہے

"ایران کی بحری طاقت علی الدوام محمرہ میں لنگر انداز ہے۔ اس میں دو پرانی ڈریڈ ناٹ جہاز شامل ہیں جو پہلے مرچنٹ میں تھے۔ اور بلجیم کی تجارتی بحری کا ایک سابق افسران کا کمانڈر ہے۔ افواہ ہے کہ یہ بحری طاقت اس وجہ سے ایک جگہ سے حرکت نہیں کر سکتی۔ کہ اس کے فلیگ شپ میں انجن ہی باقی نہیں رہا۔ کیونکہ ایک سابق کمانڈر نے چپکے سے یہ انجن کسی قرضخواہ کے ہاتھ بیچ ڈالا تھا۔ بہر حال خواہ کیا بات ہو۔ یہ جہاز اوپر سے خوب صاف ستھرے اور اچھی حالت میں رکھے جاتے ہیں۔ اور جبکہ شاہ ایران کی سالگرہ کے موقعہ پر یہ شلک سے سلامی اتارتے ہیں اور جھنڈیوں سے سجائے جاتے ہیں۔ تو بہت خوبصورت معلوم ہوتے ہیں"

شیخ محمرہ کے صاحبزادہ کی نسبت یہی مصنف لکھتا ہے کہ یہ خوبصورت نوجوان شخص ایک موٹر کار چلا سکنے کے لئے کافی مہذب ہے ...

محمرہ سے آگے بڑھکر دریا کے بائیں طرف کو ایک دو اچھے گاؤں کنارہ دریا پر نظر آئے یہاں لب دریا عمدہ گھاٹ بنے ہوئے تھے۔ اور اسی طرح بیت النعمہ نامی ایک عالیشان مکان میں انگریز افسروں کا ہسپتال بنا ہوا ہے

کہ جس کا ذکر آگے کیا جائیگا۔ یہاں سے بندر بصرہ تین چار میل ہے۔ چنانچہ بندر بصرہ سے تین چار میل آگے ہمارا جہاز ماگل میں جا ٹھہرا۔ جہاں کہ گھوڑے اور فوجیں اتارنے کی بہت وسیع جیٹیاں بنائی گئی ہیں۔ جہاز کے بصرہ کے مقابل پہنچتے ہی زرد جھنڈا دیکھکر ایک ڈاکٹر جہاز پر آگیا۔ اور اسی کشتی میں پائلٹ چلا گیا۔ ڈاکٹر نے جہاز کو صاف قرار دیا۔ ورنہ سب مسافروں اور سپاہیوں کو قرنطینہ کرنا پڑتا۔ آج صبح سے ہی جیسے جہاز شط العرب میں داخل ہوا تھا۔ سب لوگ تختہ جہاز پر کھڑے سرسبز کناروں اور آبادیوں کو دیکھتے آرہے تھے۔

بندر بصرہ میں سٹیمروں کی کثرت

اکثر سٹیمروں کا ان کے فنلوں کے رنگ سے پتہ لگ جاتا ہے۔ کہ کس لاین کے ہیں۔ زیادہ تر سٹیمر تو برٹش انڈیا سٹیم نیوی گیشن کمپنی کے ہیں۔ کہ جو خلیج فارس میں ہمیشہ سے جہاز چلاتی ہے۔ دو تین جاپانی جہاز بھی نظر آئے۔ دو تین جہازوں کے فنلوں پر P.S.S. ایک ستارہ کے نیچے لکھا ہوا تھا اور نام ان جہازوں کے مثل "براون فیلڈ" وغیرہ کے جرمن تھے۔ دریافت کرنے پر ایک انجنیر نے بتلایا کہ یہ دشمن سے پکڑے ہوئے جہاز ہیں۔ اور پی ایس ایس کا مطلب "پرائز سٹیم شپ" کا ہے یعنی دشمن سے چھینے ہوئے دخانی جہاز۔ ان کے علاوہ ہر شکل و صورت کے سٹیم ٹگ اور سٹیم لانچ چھوٹے اور بڑے اور سینکڑوں بڑی لمبی بادبانی کشتیاں کہ جنہیں یہاں "قبیلہ" کہتے ہیں۔ اور ہزاروں چھوٹی کشتیاں کہ جنہیں یہاں بلم کہتے ہیں۔ اور ترکی میں "فائق" کہتے ہیں۔ ہر وقت دریا میں پھرتی رہتی ہیں۔ بلکہ جس طرح کشمیر کے ڈل میں عورتیں چھوٹی چھوٹی کشتیوں میں بیٹھکر اور چپو چلاکر دیہات کو جاتی آتی ہیں۔ یہاں بھی بعض عرب عورتیں کشتیاں چلاتی نظر آتی ہیں۔

جہاز سے اتارنا جہاز کے ٹھہرنے کے بعد فوراً ایمبارکیشن آفیسر جہاز پر چڑھ آیا۔ اور اس نے اپنی فہرست دیکھ دیکھکر سب افسروں اور سپاہیوں کو بتانا شروع کیا کہ تم کدھر جاؤ اور کہاں جاؤ۔ اور پرلیس پارٹی کو کہا کہ تم ٹھہرو ایک سٹیم لانچ آئیگا۔ تم نے اسمیں جانا۔ اور بھی کئی لوگ اس سٹیم لانچ کے منتظر تھے۔ اتنے میں گھوڑے جہاز سے اُتر رہے۔ جہاز کے ٹھہرتے ہی بہت سے سپاہی یا سائیس گھوڑوں کے رسے لیکر ایک دو دیسی فوجی افسروں کی سرکردگی میں موجود ہو گئے۔ اور ہر ایک ایک ایک دو دو گھوڑے لیجانے لگے۔ ایک گھوڑا جو راستہ میں بیمار ہو گیا تھا۔ جہاز سے اترتے ہوئے گر پڑا۔ اور اس کی کوئی ہڈی ٹوٹ گئی جس پر اسے وہیں گولی سے مار ڈالا گیا۔ ایک دو سلوتری آئے اور اس کے کھُر پر جو نمبر لکھا ہوا تھا نوٹ کر کے لے گئے۔ پھر ایک گاڑی لیکر پانچ چھ خاکروب آئے۔ اور اسکی لاش کو گاڑی پر لاد کرا در اوپر سے ترپال سے ڈھانک کر کہیں دور پھینکنے کو لیگئے ہیں۔ گھوڑوں کے لیجانے کا سب کام ایسی عمدگی سے ہو رہا تھا کہ گویا مشین کا ہر پرزہ اپنے کام کے لئے تیار تھا۔ قریب شام ہم لوگ بھی لانچ میں بیٹھکر عشار میں پہنچے جو بصرہ کا بندرگاہ ہے۔ وہاں بیل گاڑیاں ہمارا اسباب لیجانے کو تیار تھیں۔ مگر مزدور نہ تھے۔ ہم سب نے اپنے نوکروں سمیت ملکر گاڑیوں پر اسباب لادا اور عشار بارکوں کو گئے جو ہمارے ٹھہرنے کا مقام تھا۔ اور کھانا کھا کر سو گئے

بصرہ

جن صاحبان نے الف لیلہ کو پڑھا ہے انہیں یاد آجائیگا۔ کہ یہ فقرہ سندباد جہازی کے ایک سفر کو یاد دلاتا ہے:۔

"پس ہم نے جہاز لیا۔ اور خدا تعالیٰ کے فضل و کرم سے بادبان کھولدیئے۔ قسمت نے ہماری مدد کی اور باد موافق ہماری یاور رہوئی۔ اور ہم برابر شب و روز سفر کرتے چلے گئے۔ یہانتک کہ ہم شہر بصرہ میں جا پہنچے۔"

بصرہ کے مقدس مقابر — مسلمانوں نے ہمیشہ حضرت حسن بصری اور بی بی رابعہ بصری ایسے بزرگوں کے ناموں کو پڑھا اور سُنا ہے جو اسی شہر بصرہ سے منسوب ہیں۔ اس کے علاوہ بصرہ میں کئی مقدس بزرگان اسلام مثل حضرت طلحہ اور حضرت زبیر۔ اور حضرت انس غلام رسول اللہ صلعم کی قبریں بصرہ کے گرد و پیش میں واقعہ ہیں۔ حضرت علی کی ایک مسجد کا ایک مینار باقی ہے۔ اور ایک دوسری مسجد مقام علی میں کہا جاتا ہے۔ کتبہ .... اور حضرت عباس کی قبر بھی ایک جگہ بتلائی جاتی ہے جو عشار اور بصرہ کے مابین ایک چھوٹے سے موضع میں ہے۔ جو اسی نام سے مشہور ہے۔ ان مقابر مقدسہ کا ذکر ہیں آگے چلکر بیان کرونگا۔

قدیم شہر بصرہ جس کے کھنڈرات زبیر کے قریب دریا سے آٹھ سات میل دور واقعہ ہیں۔ حضرت عمرؓ کے زمانہ خلافت میں ۱۴ھ میں عتبہ بن غزوان نے اس کی بنیاد رکھی تھی۔ اور ایران کی جانب فتوحات کرنے والے لشکر اسلام کی یہ گویا موسم زمستان کی چھاؤنی تھی۔

شہر بصرہ دریائے شط العرب سے دو تین میل کے فاصلہ پر بجانب عرب واقعہ ہے۔ اور عین ساحل دریا پر ہے۔ جو بندرگاہ اور اس کے ساتھ شہر آباد ہوگیا ہے۔

اسے عشار کہتے ہیں۔ دریا میں سے کئی کھاڑیاں (   ) یا نہریں عشار میں سے اور اس کے آگے اور پیچھے گذرتی ہیں۔ جن میں دریا کے مد و جزر سے پانی گھٹتا اور بڑھتا رہتا ہے۔ ان سے شہر کے قریب کے نخلستان سیراب ہوتے ہیں اور ان میں ہر وقت بلمین یعنے چھوٹی کشتیاں مسافروں کو لیجاتی اور لاتی رہتی ہیں۔ ان میں سے بڑی نہر کا نام عشار کریک ہے جو عشار سے بصرہ شہر کو جاتی ہے۔ عموماً لوگ یہاں بلموں میں سوار ہوکر یا اس کے ساتھ ساتھ جو سڑک جاتی ہے۔ اس پر پیدل یا گاڑیوں میں سوار ہوکر جاتے ہیں۔ ایک ٹوٹی پھوٹی وکٹوریہ گاڑیوں کی سروس ہے۔ اور ایک موٹر بس بھی ۴ر فی مسافر لے کر عشار سے بصرہ تک لیجاتی ہے۔ وکٹوریہ کا کرایہ عصہ پہلے گھنٹہ کا اور ۲ر ہر بعد کے گھنٹہ کے ہیں۔ مگر بصرہ تک جانے کے لئے آنے جانے کے عار مانگتے ہیں۔ اور گاڑی ٹھہرانے کا ۲ر فی گھنٹہ علیحدہ لیتے ہیں کشتی والے بھی ۲ر یا ۸ر میں لیجاتے ہیں۔ یہ عشار کریک اور اس کے ساتھ کی سڑک یہاں کا بڑا بارونق مقام ہے۔ گو نہایت گرد آلود ہے۔ گرد کی اس شہر میں کہیں بھی کمی نہیں ۔۔۔ عشار کی اس سڑک پر ایسٹرن بنک اور کئی سرکاری دفاتر مثل ریونیو آفس وغیرہ کے واقعہ ہیں۔ اسی طرف دوسرے پل سے ذرا دور جاکر پولٹیکل آفس واقعہ ہے اور اسی سڑک پر بصرہ ٹائمز (اخبار) کا دفتر واقعہ ہے۔ بصرہ ٹائمز کو ایک لیڈی مسز لارمر ایڈیٹ کرتی ہیں۔ انگریزی پرچہ کہ جسمیں روئٹر کے تاریں چار یوم تاریخ اشاعت کے بعد چھپتے ہیں۔ صرف ایک ورق پر آجکل چھاپا جاتا ہے۔ میں نے اس دفتر میں جاکر ایڈیٹر صاحب سے ملاقات کی۔ مگر اسی اخبار کا عربی اور فارسی ایڈیشن دو ورق پر چھپتا ہے جو یا تو صرف انگریزی کا ترجمہ ہوتا ہے۔ یا اسمیں

انگریزی اخبار کی ایسی پولٹیکل خبریں پارلیمنٹ وغیرہ کے متعلق ہوتی ہیں نہیں چھپتیں۔ کیونکہ عربی فارسی پڑھنے والوں کو ان سے دلچسپی نہیں ہوتی۔ ایک عربی اور فارسی مترجم یہ کام کرتا ہے۔ خود ایڈیٹر صاحبہ کبھی کبھی لیڈر لکھ دیتی ہیں۔ چنانچہ آجکا لیڈر ہلکوئٹ کے بحری سفرناموں کے متعلق تھا۔ ایڈیٹر صاحبہ نے کہا کہ ہم تینوں ایڈیشن چھ ہزار کاپیاں چھاپتے ہیں جو سب بک جاتی ہیں۔ بلکہ اگر زیادہ چھاپتے تو وہ بھی بک جاتیں۔ کہا کہ ہمارا ارادہ ایک اردو ایڈیشن چھاپنے کا بھی تھا۔ کیونکہ فوجوں کے لئے اس کی بھی مانگ تھی۔ مگر ابھی یہ امر معرض التوا میں ہے۔ مجھے بعد میں معلوم ہوا۔ کہ یہ اخبار سرکاری ہے یا سرکار کی امداد سے نکلتا ہے۔ اس کے علاوہ شہر میں "الحقیقۃ" باتصویر بھی بکتا ہے۔ جو کہ لاہور کے بازاروں میں بھی بکتا ہے۔ بلکہ یہاں میں نے ایک جگہ الحقیقۃ کا ایک ایسا پرچہ دیکھا جس پر عربی فارسی ترکی کے علاوہ اردو کی بجائے گورکھی میں تعماویر کا نام لکھا ہوا تھا۔

میں نے مسٹر گارڈن واکر صاحب سے جو ریونیو بورڈ کے ممبر ہیں اور پنجاب کے ایک سویلین اور میرے قدیم مہربان ہیں۔ ان کے دفتر میں ملاقات کی۔ گارڈن واکر صاحب جو فارسی پنجاب میں سیکھا کرتے تھے۔ اب فارسی عربی بے تکلف بولتے ہیں۔ ان کے ہیڈ کلرک مسٹر نصیر الدین ایک پنجابی نوجوان ہیں۔ جو یہاں کے مال کے کام میں خوب ماہر ہیں۔ اسیطرح لسان ویسن صاحب سے دفتر سیاسی میں ملاقات کی جو اس صوبہ کے سیاسیات کے ماہر ہیں۔۔۔ بلکہ خلیج فارس اور عراق عرب اور عربستان کے معاملات کے ماہر اولین ہیں۔۔۔

ایک مشن سکول	اسی سڑک پر ایک امریکین مشن سکول بھی ہے جو پانچ

سال سے جاری ہے۔ مگر ہیڈ ماسٹر پادری صاحب نے کہا کہ ہمیں اس مدرسہ کے لئے ترکوں سے اجازت لینے میں سات سال لگے۔ پہلے اس مدرسہ میں ترکی فرانسیسی عربی اور انگریزی پڑھائی جاتی تھی۔ اب صرف عربی اور انگریزی پڑھائی جاتی ہے۔ اس مدرسہ میں کل ۴۰، لڑکے ہیں۔ ان میں سے مڈل کلاس میں ۲۷ ہیں جنمیں سے ۴ عیسائی ۲ یہودی اور باقی سب مسلمان ہیں۔ پرائمری کلاس میں ۲۸ ہیں جنمیں سے عیسائی، یہودی اور باقی سب مسلمان ہیں۔ ہائی کلاس میں ۹ ہیں جو سب کے سب مسلمان ہیں جس سے پتہ ملتا ہے کہ مسلمانوں نے اس مدرسہ کو غنیمت سمجھا ہے۔ مگر ساتھ ہی یہودی اور عیسائی لڑکے ایک دوسرے مشن سکول میں بھی پڑھتے ہیں۔ اس سکول میں عربی کی ریڈریں مصر کے رسالہ الہلال کے مطبع اور بیروت کے خلیل سرکس مطبع کی بنی ہوئی ہیں۔ اور انگریزی ریڈریں امریکہ کی۔ اس مشن کی شاخیں نصیریہ اور عمارہ میں ہیں اور مشن کا ہسپتال پچیس سال سے عشار میں جاری ہے۔ ایک لڑکیوں کا مدرسہ ہے جو بوجہ پردہ دار لڑکیوں کے ہم نہ دیکھ سکے۔ نو دس سال کی لڑکیوں کو یہاں پردہ کراتے ہیں۔ مشن ہیڈ ماسٹر صاحب نے بتلایا کہ سوائے شہر بصرہ کے مدرسہ کے کہ جسمیں ۹۴ طلبا ہیں۔ نصیریہ کے مدرسہ میں ۷۰ زبیر میں ۳۵ اور ابوقصیب میں ۹۵ ہیں اور دو مدرسے گورما اور سوق الشیوخ کے تیار ہوئے ہیں۔ ہمارے مدرسہ کے سابق طلبا ہی بطور مدرسین ان مدرسوں میں بھیجے گئے ہیں۔ اس سے پیشتر ترکی زمانہ میں ایک مدرسہ رشدیہ تھا اور کئی مدارس قرآن مساجد میں تھے۔

گروپ سسٹم | اس مشن سکول کی تعلیم کے متعلق ایک دلچسپ بات معلوم ہوئی۔ یعنی یہاں کی تعلیم بذریعہ کلاسوں (جماعتوں) کے نہیں جیسا کہ ہندوستان کے سکولوں میں رواج ہے۔ بلکہ بذریعہ گروپوں (فرقوں) کے ہے۔ جو

امریکہ کا ایک نیا طریقہ تعلیم ہے۔ مثلاً ایک لڑکا انگریزی یا ریاضی یا عربی میں بہت ہوشیار ہے۔ لیکن تاریخ جغرافیہ یا نقشہ کشی میں کمزور ہے۔ تو اگر اسے اس جماعت کے ساتھ جوتا جائے کہ جس کے ساتھ وہ اپنے کمزور سے کمزور مضمون میں چل سکتا ہے۔ تو جس مضمون میں وہ اس جماعت سے اوپر کی جماعت کے ساتھ چلنے کے لائق ہے۔ اسمیں اس لڑکے کی بڑی حق تلفی ہوگی۔ اس لئے گروپ سسٹم کا فایدہ یہ ہے کہ جس جس مضمون میں جیسی لیاقت یا شوق یا میلان طبع کسی طالب علم کا ہو اسمیں وہ اسی گروپ کے ساتھ پڑھے۔ جو اس کے برابر لیاقت رکھتے ہیں اور اس طرح اس لڑکے کی ادنےٰ جماعت میں پڑے رہنے سے عمر ضائع نہ ہو اور بعض مضامین میں وہ اعلےٰ لیاقت حاصل کرکے دنیا کے کاروبار میں مصروف ہو جائے۔ مثلاً ایک نوجوان چار سال تک مڈل کی جماعت سے حساب کے مضمون میں فیل ہو کر پھر اسی جماعت میں پڑھتا رہا۔ حالانکہ باقی مضامین میں وہ بڑا ہوشیار تھا۔ تو اس پر کس قدر سختی گذری کہ جن مضامین میں وہ ہوشیار تھا ان میں بھی آگے ترقی نہ کرسکا۔

بارکوں میں پہلی رات میں پہلے لکھ چکا ہوں کہ ہم ۳۰ مارچ کو جہاز سے اتر کر عشار کی بارکوں میں ٹھہرائے گئے۔ یہ ترکوں کی چھاؤنی تھی کہ جسے وہ "قشلہ" کہتے تھے۔ اس مکان میں اب انگریزی فوجیں کچھ تو پہلے مکانوں میں رہتی ہیں — اور بہت سی ہٹس (جھونپڑوں) میں رہتی ہیں جو اب تعمیر کئے گئے ہیں اور کچھ خیموں میں ہیں۔ بڑے دروازہ کے اوپر جو مکان ہے اسمیں اس وقت فوجی افسروں کا مسّ ہے۔ کہ جہاں وہ کھانا کھاتے ہیں ہم لوگ بھی یہیں کھانا کھاتے تھے اور اسی احاطہ کی ایک ہٹ میں رہتے تھے۔ پہلی رات کو جو ہم وہاں پہنچے تو ہم نے دو تین موم بتیاں جلا کر دیوار

کی لکڑیوں پر رکھدیں۔ اتنے میں پہرے والا سولجر آیا۔ تو اس نے ہمیں کہا کہ یہ لکڑی اور سرکنڈوں کا مکان ہے۔ اسمیں لالٹین کے سوا کوئی روشنی نہیں رکھنی چاہیئے۔ اور کہ ۹۔۰۰ بجے کے بعد لالٹین بھی بجھا دینے کا قانون ہے ایک مٹی کی دیوار کے ساتھ بتی کا دودھ لگ گیا تھا۔ اس نے کہا یہ بھی کھرچ دو۔ اس وقت پہلے پہل ہمیں معلوم ہوا۔ کہ ہم فوجی حالات کے اندر رہنے لگے ہیں ہم لوگ ابھی سوئے ہی تھے کہ ایک الارم ہوا اور سب طرف سے لوگوں کے بھاگ کر جانے کا شور سُنا گیا۔ اتنے میں ایک سولجر جس کے ہاتھ میں بتی ٹارچ (مشعل) تھی۔ اس نے ہمیں آجگایا۔ کہا تم کون ہو اور کیوں اٹھکر "فالم" نہیں ہوتے جبکہ الارم ہو گیا ہے۔ ہم نے عذر کیا۔ اس نے کہا خواہ تم کیا ہو۔ یہاں ان قواعد کی پابندی کرنی پڑے گی۔ اس مہینہ میں تین چار جگہ آگ لگ چکی ہے۔ اور یہ الارم آگ کو بجھانے کے لئے سپاہیوں کے جمع کرنیکا ہے۔ مگر غنیمت ہوا کہ آگ جلدی ہی بجھ گئی۔

چھونپڑے اور بارکیں

میں نے اوپر بٹس (جھونپڑوں) کا ذکر کیا ہے ..... نوکروں چاکروں اور افسروں کے لئے سینکڑوں نہیں ہزاروں اسی قسم کے جھونپڑے ہیں اور ان کے بنانے کے لئے پہلے لکڑیوں کا ڈھانچ کھڑا کرنا پڑتا ہے۔ اور اس ڈھانچ کے اوپر یا تو سرکنڈوں کی دیواریں لگائی جاتی ہیں یا سرکنڈوں کی چٹائیوں یا کھجور کی چٹائیوں کی دیواریں بنائی جاتی ہیں اور بعض اوقات ان دیواروں اور چھت کو مٹی سے لیپ دیا جاتا ہے اور یہ بالکل اچھے مکانوں کا کام دیتی ہیں۔ لکڑی کے ڈھانچ میں شیشہ دار کھڑکیوں اور دروازوں کیلئے جگہ بنائی جاتی ہے اس لئے ان دیواروں کو چھپروں کی دیوار نہ سمجھنا چاہیئے۔ سرکنڈے یہاں

دریا کے کناروں پر اور دلدلوں میں ایسے ہوتے ہیں جو اندر سے کھوکھلے ہوتے ہیں۔ کہ جنہیں پنجاب میں "نڑ" کہتے ہیں۔ ان سرکنڈوں کو تراش کر ان کے چھلکوں سے یہاں کی وادیوں کے قریب رہنے والے عرب ہزاروں من چٹائیاں بناتے ہیں معلوم ہوا کہ پچھلے دنوں گورنمنٹ نے دس لاکھ ایسی چٹائیاں فراہم کی تھیں تو معلوم ہوا کہ سردست ان کا ذخیرہ ختم ہو گیا ہے۔ اور پھر ہندوستان سے بہت سی پٹھے کی چٹائیاں منگوائی گئیں۔ ان بارکوں میں لکڑی کے ہلکے چوکھٹے بنا کر بیچ میں یہ سرکنڈے کی چٹائی کے ٹکڑے جڑے جاتے ہیں۔ غرضیکہ یہ بڑی مضبوط اور عجیب چیز یہاں کی ہے +

لکڑی لیکن جیسی یہاں کی یہ چٹائیاں کار آمد ہیں۔ لکڑی اس ملک میں مطلق نہیں ملتی بسینکڑوں جہاز لکڑی کے بھر کر ہندوستان یوروپ اور ہانگ کانگ وغیرہ سے آتے ہیں۔ اور کسی قسم کی عمارتی لکڑی کثرت سے بصرہ اور عمارہ وغیرہ تمام شہروں کے نواح میں مکانات ضرورت بنانے کے لئے منگوائی جارہی ہے اس ملک میں صرف کھجور کی لکڑی ہوتی ہے کہ جس سے بعض غریب لوگ کڑیاں بنا کر چھت ڈال لیتے ہیں مگر اور یہ کسی کام کی لکڑی نہیں ہے)۔

مزدوری یہاں بہت بڑھئی دیکھے جاتے ہیں جو دو روپیہ یا اس سے بھی زیادہ روزانہ پاتے ہیں۔ پرسوں سے عمارہ میں جس مکان میں ہم ٹھہرے ہوئے ہیں۔ بجلی کی روشنی لگانے کے لئے دو تین آدمی آئے تھے۔ ان میں سے ایک تو ستر ہ سال کا بمبئی کا لڑکا تھا۔ جو بجلی کا کام سمجھتا تھا۔ وہ تو ساٹھ روپیہ پاتا تھا۔ لیکن ایک پنجابی مسلمان بڑھئی ستر روپیہ اور دوسرا سکھ بڑھئی جو نوے روپے ماہوار پر نوکر ہو کر آیا تھا۔ معاہدہ کا ایک سال گذارنے کے بعد

اب وہ ایک سو پانچ روپے ماہوار پا رہا ہے۔ ایک معمولی بڑھئی ہے! اسی سے یہاں مزدوری کا اندازہ لگ سکتا ہے۔ بھنگی جو ہمارے مکان پر صفائی کو آتا ہے۔ تیس روپے ماہوار پاتا ہے۔

ہندوستانی راشن

واضح رہے کہ نہ صرف سب سپاہیوں کو بلکہ تمام ملازمان ڈاک خانہ و دیگر محکمات اور تمام کلرکوں اور تمام شاگرد پیشہ لوگوں اور لیبر کور کے ممبروں بڑھئیوں وغیرہ غرضیکہ ہر شخص کو کہ جسے سرکار نے یہاں بلایا ہے۔ سرکار کی طرف سے راشن ملتا ہے۔ اور سچ تو یہ ہے کہ یہ بہت فیاضانہ راشن ہے۔

یہ راشن دو قسم کے ہیں۔ ایک یوروپین افسروں اور سپاہیوں کا اور ایک ہندوستانی لوگوں کے لئے۔ یہ بتلانے کی ضرورت نہیں کہ اس راشن کا معیار فیاضانہ مقرر کیا گیا ہے۔ کیونکہ ناظرین خود ہی دیکھ کر فیصلہ کر سکتے ہیں۔ کہ ہندوستانیوں کے لئے عراق عرب میں کھانے پینے کی ذرا کمی نہیں۔ بلکہ بہت افراط ہے۔ بلکہ ہر شخص کے لئے مندرجہ ذیل اشیاء بحساب روزانہ ملتی ہیں۔

چاول (۱۲ اونس) آٹا گیہوں کا (۱۲ اونس) دال ہر قسم (۴ اونس) سبزیاں معہ پیاز (۶۔ اونس) خشک پھل مثل کشمش۔ زرد آلو۔ (۱۔ اونس) اور نارنگی۔ اناناس وغیرہ تر پھل (اگر موجود ہوں) ٹینوں کے بند فروٹ ملتے ہیں۔ گھی (۲۔ اونس) جو ڈبوں میں جما ہوا ملتا ہے۔ اگر مجری مار کر کے ایک آدمی کو ہفتہ میں تین ڈبے ملتے ہیں۔ اور دوسرے ملا کر کے چار ڈبے۔ گوشت (۴ اونس) چائے (۳/۱۔ اونس) نمک (۱/۲۔ اونس) مرچ۔ ادرک۔ دھنیا۔ گرم مصالحہ (۳/۴ اونس)

تمر ہندی یعنے املی - (۲ - اونس) ایندھن ایک سیر - جو لوگ گوشت نہیں کھاتے
اس کے عوض دو اونس گڑ زاید ملتا ہے - اور ۶ - اونس گھی ہفتہ میں ہر شخص
کو علاوہ ملتا ہے - اس کے علاوہ سگرٹ چالیس (۴۰) عدد ہفتہ وار - دیا سلائی
۲ عدد ہفتہ وار - ولایتی مٹھائی ۴ - اونس ہفتہ میں دو بار ہر شخص کو ملتے ہیں
غرض یہ ہے - کہ راشن اس کثرت سے ہر شخص کو ملتا ہے - کہ کسی کو کھانے کی
کمی کی شکایت نہیں رہی - میرے پوچھنے پر بعض لوگوں نے بتلایا ہے - کہ جو کچھ
کھانے سے بچ جاتا ہے - اُسے بیچنے کی اجازت نہیں - وہ ہم پھر حکام کو
واپس دے دیتے ہیں - (ایک اونس = نصف چھٹانک) انگریزی سپاہی
اور افسر کو گوشت - ڈبل روٹی - مکھن جام یا مارملیڈ ٹین کے ڈبوں میں
بند چیزیں اور چائے ملتی ہے -

مسقف بازار

۳۱ مارچ کو صبح اُٹھکر ہم لوگ شہر بصرہ کو دیکھنے گئے - عشار
کی طرح بصرہ کی گلیاں بھی تنگ ہیں - اور ایسے ہی کئی
بازار دونوں جگہوں کے مسقف ہیں - چونکہ ان شہروں میں دن کو گرمی بہت
پڑتی ہے - اس لئے مسقف بازاروں کا رواج ہو گیا ہے - گو قسطنطنیہ میں
گرمی نہیں ہوتی - مگر رواج کی وجہ سے وہاں بھی ایک مسقف بازار ہے -
اس لئے باقی دمشق اور حلب و بغداد و بصرہ وغیرہ وغیرہ ہیں اور ادھر
کے تمام شہروں میں کئی بازار مسقف ہوتے ہیں - تاکہ دھوپ کے وقت ایسے
بازاروں میں آمدورفت جاری رہے اور چونکہ بہت چوڑے نہیں ہوتے -
اس لئے اُن کی چھت ڈالنے میں دقت نہیں ہوتی - عموماً کڑیوں کے چھت
یا چھپروں اور ٹاٹ کے ہوتے ہیں - مگر عشارہ کے بڑے بازار کا چھت لداؤ کا ہے
جو دو منزل کی بلندی پر بہت خوبصورت معلوم ہوتا ہے - اور عشار کے

بازاروں میں تو بہت سی ہندوستانیوں کی دوکانیں بھی نظر آتی ہیں۔ کئی مٹھائی کی دوکانیں پنجابیوں کی موجود ہیں۔ اور کئی پرچون وسوداگری کی دوکانیں کراچی سے آئی ہیں۔ ایک ہندوستانی سوداگر نے بتلایا۔ کہ یہاں شروع شروع میں ہندوستان سے پھیری والے آئے تھے۔ جو آج دوکاندار وسوداگر بنے ہوئے کامیاب ہو گئے ہیں۔

بصرہ میں گرانی اشیاء

گرانی اشیاء

ایک پن جو لاہور میں پیسہ دو پیسہ کو ملتی ہوگی ۔ یہاں دو آنہ کو خریدی اور ایک کاغذ کے لکھنے کا پچاس ورق کا بنڈل جو لاہور یا بمبئی میں چار پانچ آنہ کو ملجاتا یہاں سے ۔ ار کو ملا ۔ یہاں پان دو پیسہ کو بکتا ہے ۔ غرضیکہ بمبئی سے ہر چیز پچاس سے اسی یا سو فیصدی یہاں گراں ہے ۔ ایک معمولی روٹی بازار میں ایک آنے کو ملتی ہے ۔ اور ساگ یا سالن کی پلیٹ ۳ر سے کم کو نہیں دیتے ۔ اس گرانی کی وجہ بہت کچھ اس واقعہ سے معلوم ہو جائے گی ایک روز عشار کے ایک قہوہ میں بیٹھے ایک لڑکے سے پوچھا کہ یہ جو تمہارے سر پر رومال بندھا ہے ۔ اس کی کیا قیمت ہے اس نے کہا کہ ترکوں کے زمانہ میں تو ۴ار کو ملتا تھا ۔ مگر اب دو روپیہ کو بکتا ہے ۔ پھر میں نے اس سے پوچھا ۔ کہ تم کیا کام کرتے ہو ۔ اور کیا کماتے ہو ۔ اس نے کہا میں نئٹر ہوں ۔ اور چار پانچ روپے ہر روز کماتا ہوں ۔ اچھے نئٹر چھ سات روپے بھی کما سکتے ہیں ۔ غرض یہ ہے کہ جنگ کی وجہ سے سرکار انگریزی لوگوں کو بڑی بڑی تنخواہیں دیتی ہے ۔ اور شرح مزدوری بہت بڑھی ہوئی ہے ۔ اور کچھ ممالک غیر سے جہازوں کی وجہ سے سامان تجارت نہیں آتا ۔ اس لئے گرانی زیادہ ہے ۔

عربوں کا لباس

یہاں کے لوگ عموماً خوش پوش ہیں ۔ یہودی اور نصرانی جو انگریزی لباس کے ساتھ ابھی انگریزی ٹوپی نہیں پہننے لگے ۔ وہ ابھی تک ترکی ٹوپی پہنتے ہیں ۔ دوسرے لوگ یعنی عام مسلمان عرب سر پر کفیہ

اور اسپر اونٹ کے بالوں کا یا عموماً اون کا بنا ہوا گول عقال پہنتے ہیں - عرب قمیص کے اوپر ایک لمبا چوغہ یعنے قبا اور اس کے اوپر ایک لمبی عبا پہنتا ہے - جو پاؤں تک جاتی ہے - ساتھ ہی عرب کا مذاق کپڑوں کے مقابلہ میں ہم ہندوستانیوں سے بہت ستھرا اور اعلیٰ ہے - عرب کی قبا اور عبا کے کپڑے بہت قیمتی اور اعلیٰ قسم کے ہوتے ہیں - بجائیکہ اس کی بدقسمتی یہ ہے کہ سر کے کفیہ سے لے کر جو عموماً مانچسٹر کا بنا ہوا سفید زمین پر سرخ یا نیلے رنگ کے سوت کا ہوتا ہے - اور جسے وہ بصرہ میں چفیہ اور عمارہ میں سففہ کہتا ہے اس کی عبا یا اگر وہ اپنے لمبے لبادہ کے اوپر کہ جسے وہ سلئح کہتا ہے کبھی چھوٹا یوروپین کوٹ پہنتا ہے - جیسے کہ بعض مسلمان اور یہودی یا عیسائی ان شہروں میں یکساں پہنتے ہیں اور جسے بطور کہتے ہیں - اس سے لیکر پاؤں کے بوٹ تک سب یورپ کا بنا ہوا لباس پہنتا کر سوائے بعض کے اون کی باریک عباؤں کے جو یہاں بنی جاتی ہیں - پاجامہ کی جگہ چمڑے اسیوں تک سوتی انڈرویر پہنتے ہیں جسے لباس کہتے ہیں -

عورتوں کا سیاہ لباس

ان کی عورتیں مسلمان ہوں یا یہودی یا نصرانی سیاہ رنگ کا چوغہ بلا آستینوں کے ہوتا ہے - جسے عورتیں سر پر ڈال لیتی ہیں اور منہ بھی اس میں چھپا لیتی ہیں - ہندوستان کے برقعہ کیطرح آنکھوں کی جگہ پر باریک جالی یا ترکوں کے یشماق کی طرح باریک کپڑا نہیں ہوتا - بلکہ سیاہ اونی یا ریشمی کپڑا ہی ایسا باریک ہوتا ہے کہ اس سے اندر کی کچھ چیز نظر نہیں آتی - میرے خیال میں شاید دنیا میں سب سے گہرا پردہ یہاں مسلمانوں کا ہے - مسلمانوں کے دیکھا دیکھی یہودی و عیسائی عورتیں بھی بہت پردہ کرتی ہیں - اور یہودی عورتوں کی اوپر کی چادر کبھی نیلی کبھی کالی اور کبھی سیاہ رنگ کی ہوتی ہے جسمیں بہت سی طلائی دھاریاں ہوتی ہیں - اور بعض اوقات دو دو چار سو کی ایک ایک یہودن عورت کی یہ چادر ہوتی ہے - مگر وہ بھی اس چادر میں سے

سوراخ راستہ دیکھنے کیلئے کرتی ہیں جیسے کہ پنجاب میں کئی دیہات کی پردہ دار عورتیں جو برقعہ نہیں پہنتیں۔ ذرا سا سوراخ اپنی چادر کے گھونگٹ میں کر لیتی ہیں۔ دیہات کی خانہ بدوش بدوی عورتیں جو شہر میں محنت مزدوری کو آتی ہیں۔ یا کچھ ساگ پات اور دودھ دہی یا روٹیاں بیچنے کو لاتی ہیں (کیونکہ یہاں عمارہ میں روٹیاں بھی بہت سی عورتیں اور مرد ٹوکروں میں رکھ کر بازار میں بیٹھے رہتے ہیں اور عمارہ کے بازار میں بہت میٹھی ہوئی دیکھی جاتی ہیں) یہ بالکل پردہ نہیں کرتیں۔ مگر لباس انکا بھی وہی سیاہ لمبا لبادہ ہے۔ اس لئے سیاہ لباس یہاں عورتوں کے لئے لازمی معلوم ہوتا ہے جسے دیکھکر مجھے دو عربی شعر بار بار زبان پر آتے ہیں

قُل للملیحۃِ فی الخمارِ الاسودِ　ماذا فعلتِ بعابدٍ متزھدِ

قد کانَ شمر للعبادۃ ذیلہٗ　حتیٰ وقفتَ لہ بباب المسجدِ

رُدّی علیہِ صلوٰتہٗ وسلامہٗ　لاتقتلیہ بحقِّ آلِ محمدِ

عراق کی عربی زبان | گو نام کو یہاں کی عربی زبان ہے لیکن کوئی ہندوستان کا عربی خوان پہلے پہل تو انہیں سنکر ہچکچا کر رہ جائیگا۔ مصر اور شام میں عربی میں میں نے بعض الفاظ اور کلمات ایسے سنے ہیں۔ جو تحریری عربی کی شان سے بعید معلوم ہوتے ہیں، اور محاورہ کلام میں آگئے ہیں جیسے کہ ای شئے کا خلاصہ ایش کرتے ہیں یا این کو فاین کہتے ہیں۔ اور ق کو گ فارسی کا تلفظ دیتے ہیں۔ جیسے رفیق کو رفیگ لیکن عراق کی عربی سب سے عجیب ہے۔ مصری لوگ کاف کو گ تو یہ بھی استعمال کرتے ہیں اور قال کو گال کہتے ہیں لیکن یہ کاف کو چ کی طرح بلاتے ہیں۔ جیسے کم کو چم کو کیف کو چیف۔ گفتگو کو یہاں حکی کہتے ہیں یعنی حکی حکی سے چاچی بنا دیا گیا ہے۔ مصری ایش کا یہاں ''ش'' یا ''شنو'' ہو گیا جسکے معنے ''کیا'' ہیں جبکہ کا مطلب۔ بلحاظ لہجہ کے بہت سے الفاظ ایسے مسخ ہو گئے ہیں کہ سمجھے نہیں جا سکتے۔ صغیر کو زغیر۔ نصف کا حرف نص رہ گیا ہے۔ شلون کنگ تمہارا مزاج کیسا ہے شبیبی اک یا شکو عندک (تمہارا حال کیا ہے)۔ بہت سے فارسی اور ترکی لفظ بھی شامل ہیں۔ مثلاً ہاں کو نعم اور بلے و فارسی بلے کی طرح۔ دونوں کہتے ہیں بھی سکے

معنے ہیں ہم وہمان عربی میں استعمال کرتے ہیں۔ ترکی لفظ یواتیں آہستہ کے معنے میں بولتے ہیں ورنہ ۵ اردو کی توجہ سے البتہ عربی دان پھر سب باتیں سمجھنے لگتا ہے۔ کہ جنہیں سیکھنے کیلئے اوروں کو کئی مہینے لگتے ہیں۔ جہاز پر کلکتہ کے ایک اخبار نویس صاحب عراق عرب کی بول چال کی ایک نو طبع کتاب ہمراہ لائے تھے جسے دیکھکر مجھے سخت ہنسی آئی تھی کہ کہیں عربی بھی یوں ہو سکتی ہے۔ صرف نحو کا تو ذرا خیال نہیں ہوتا۔

شہر بصرہ | بصرہ کا عثمانی بینک۔ اور وہاں کا تھیٹر اور سینو میٹو گراف ایک فوجی افسر کے ہمراہ چند منٹ میں دیکھکر چلے آئے۔ شہر خاصہ بڑا معلوم ہوتا ہے۔ بازار یورپ کے بنے ہوئے بیوپاری کے سامان اور کچھ مقامی اشیائے خورد و نوش سے پر ہیں۔ کئی جگہ قہوہ خانوں میں لوگ بیٹھے ہیں خصوصاً بینک عثمانی کے پاس کے قہوہ خانہ کا چوک بہت بڑا ہے۔ گلیوں اور بازاروں کے نام جہاں پہلے عربی میں لکھے تھے۔ اب انکے ساتھ انگریزی کے بورڈ بھی لگا دیئے گئے ہیں۔ شہر ایسا آباد ہے۔ کہ گویا معلوم ہوتا ہے کبھی یہاں سلطنت گردی نہیں ہوئی۔ شہر میں جا بجا گورے سپاہی بھی پہرہ پر متعین ہیں۔ اور شہر کے اندر کئی مکانوں میں سکونت بھی رکھتے ہیں۔ اور عربی پولیس بھی موجود ہے جس کے سر کے عربی لباس کے سوائے باقی خاکی چھوٹا کوٹ اور بریچز ہندوستان کی وردی کی طرح ہے۔ تنخواہ پولیس کے جوانوں کی شاید بیس روپیہ ماہوار ہے۔ ایک اور ملٹری پولیس بھی یہاں مقرر ہے۔ یہ گورے سپاہی ہیں۔ انکی آستینوں پر P - M یعنی ملٹری پولیس کیلئے سرخ حرف چسپاں ہیں۔ پہلے لکھا ان دو نو حرفوں کو آج تک صرف ممبر پارلیمنٹ کے نام کے خلاصہ کے طور پر استعمال کیا جاتا تھا۔ اور کبھی پنجاب میں خوش مذاق لڑکے۔ ایم پی کی نارمل مڈل پاس بھی کر لیا کرتے ہیں۔ بصرہ کی آبادی کی نسبت مختلف بیانات سنے گئے۔ کوئی تیس ہزار اور کوئی پچیس ہزار بتلاتا ہے۔ جس میں ۸ ہزار یہودی اور ان سے بہت کم عیسائی ہیں۔ باقی سب مسلمان ہیں۔

بصرہ کا تاریخی حال

میں پہلے اتنا لکھ چکا ہوں کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عہد میں ۱۴ھ میں شہر بصرہ کی بنیاد عتبہ بن غزوان نے رکھی تھی۔ مگر وہ شہر بصرہ موجودہ شہر سے آٹھ دس میل مغرب کی جانب کے قصبہ زبیر کے قریب آباد ہوا اس کی بنیاد کی وجہ یہ بتلائی جاتی ہے کہ یہ مقام ایران کی طرف فتوحات کرنے والے لشکر اسلام کی موسم سرما کی چھاؤنی تھی۔ اس مقام کے پاس سے ایک نہر دریائے فرات سے نکلکر بہتی تھی۔ جو آگے جاکر شط العرب میں جا گرتی تھی۔ اب تک اس شہر کے کھنڈرات دور تک پھیلے ہوئے ہیں جو میں نے زبیر کو جاتے ہوئے رستہ میں دیکھے انہیں کھنڈرات کے گرد و پیش حضرت طلحہ زبیر انس و حسن بصری وغیرہ رحمۃ اللہ علیہم اجمعین بزرگان دین کی قبریں اب تک موجود ہیں آج سے پانچسو سال پہلے بصرہ اپنی اصلی جگہ پر تھا۔ دریا کے رخ بدلنے سے یہ نہر خشک ہو گئی۔ اور قدیم بصرہ ویران ہونے لگا اہالی نے یہاں سے اٹھکر شط العرب سے دو میل کے فاصلہ پر نیا بصرہ جا آباد کیا (کیونکہ دریا کی طغیانی سے شہر کو نقصان پہنچنے کا اندیشہ تھا) تاریخ کی کتابوں سے معلوم ہوتا ہے کہ عتبہ کی بنیاد رکھنے کے بعد بصرہ نے بہت جلد ترقی اور وسعت عمران حاصل کی دولت اموی کے زمانہ میں عبید اللہ بن زیاد کے ماتحت شہر کا دو لاکھ کی آبادی تک پہنچ جانا متحقق ہے۔ مدنیت اسلام کے زمانہ میں بصرہ تجارت ہندوستان کا ایک عظیم مرکز تھا۔ ثروت و تجارت کی زیادتی کے ساتھ بصرہ کو علوم و معارف میں بھی شاندار درجہ حاصل ہو گیا تھا۔ یہاں کے علما اور ادبا کو کوفہ کے علما و ادبا سے رقابت کا دعوےٰ ہو گیا تھا چنانچہ اس زمانہ میں یہاں بہت سے نامور علما پیدا ہو گئے افریقہ کے اوپر سے راس امید کا رستہ کھلنے پر ہی بصرہ کی تجارتی اہمیت کم ہو گئی بصرہ محل تبدیل کرنے کے بعد بھی بڑا اہم مرکز تجارت رہا۔ اب

سو سال پہلے بھی یہاں ایک لاکھ آدمی کی آبادی تھی۔ اس کے بعد دولت عثمانی اور دولت ایرانی کے مابین بہت سے محاربات کے باعث اور نیز آب و ہوا کی خرابی کے سبب جو طغیانی دریا سے دلدل پیدا ہو جانے سے اس حصہ ملک میں پیدا ہو جاتی ہے۔۔۔ بصرہ کی رہی سہی تجارت کو بھی زوال آگیا۔ سلطان مراد خان چہارم کے زمانہ میں ۱۶۶۸ء میں بصرہ ممالک عثمانیہ میں شامل ہو گیا۔ اور ۱۶۹۰ء میں عربوں نے اسے ضبط کر لیا۔ اور ایران کے قبضہ میں آگیا۔ مگر پھر مسترد ہو گیا۔ لیکن ۱۷۷۷ء میں پھر ایران کے ہاتھ میں چلا گیا۔ اور چھ سال بعد پھر ترکوں کے ہاتھ آگیا۔ ۱۸۳۱ء میں وسط عرب کے وہابیوں نے اس پر قبضہ کر لیا۔ مگر مصر کے ابراہیم پاشا نے ان سے چھڑا لیا۔ آٹھ سال تک مصر کے قبضہ میں رہا۔ اور پھر دولت عثمانیہ کے ہاتھ میں آگیا۔ اور پہلے صوبہ بغداد میں شامل رہا تھا۔ مگر اب اسے ایک علیحدہ ولایت یعنی صوبہ بنا دیا گیا۔

سلطنت ترکی کی صوبہ بصرہ کی انتظامی تقسیم

چونکہ ان دنوں میں علاوہ شہر بصرہ کے قورنہ عمارہ زبیر ناصریہ سوق الشیوخ وغیرہ مقامات کا بوجہ وہاں میدان جنگ منعقد ہونے یا اہالی انتظام سے تعلق ہونے کر ہو رہا ہے اس لئے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس موقعہ پر لکھ دیا جائے کہ حکومت ترکی کے ماتحت ولایت بصرہ میں کتنی سنجاق (کمشنریاں) اور کتنی قضائیں (ڈپٹی کمشنریاں یعنی اضلاع) اور کتنے ناحیے (تحصیلیں) تھا تحصیلیں اور وہ کیا کیا تھیں۔ ولایت بصرہ میں ترکی انتظام کے مطابق ۳ سنجاق ۱۵۔ قضا ۴۰۔ ناحیے ہیں عشایر و قبایل از شہروں اور قصبوں کے علاوہ کل (۲۱۷) قریئے ہیں جو حسب ذیل ہیں۔

ولایت بصره

سنجاق	قضا	ناحیه
(۱) بصره	بصره	ابو الخصیب کاوی شط العرب عماره زبیر
	قرنه دبته	جبایش سبیلیا بنی سعید
(۲) منتفک	ناصریه سوق الشیوخ شطره حی حمار	
(۳) عماره	عماره شطر زبیر دویریج	
(۴) نجد	هفوف قطیف قطر	

عراق عرب میں انگریزی تجارت اور رسوخ کی ترقی کی تاریخ

بصرہ سے انگریزی تعلقات

معلوم ہوتا ہے کہ پہلے پہل انگریزوں نے ۱۶۲۳ء میں گومرون (بندر عباس) میں اپنی فیکٹری قائم کی۔ ۱۶۳۹ء میں ریزیڈنسی سورت نے اپنے دو ایجنٹ بصرہ کو بھیجے۔ تاکہ سرزمین ٹرکی پر تجارت قائم کریں۔ اور اپنے ڈچ حریفوں سے محفوظ رہ سکیں۔ جو اس وقت خلیج فارس میں بڑا زبردست اثر رکھتے تھے۔ ۱۶۶۱ء میں انگریزی کمپنی نے ورجنٹل مین جہاز امریکہ پر صدا کی اجازت سے سوالی ہول سے بصرہ کو بھیجے۔ جو دریائے فرات پر واقع ہے اور انہیں ہدایت کی گئی کہ وہاں باشا (Basha) کو سلام کریں۔ اور اس سے درخواست کریں کہ کپڑا مرچ اور چانول وغیرہ ذخیرہ کرنے کے لئے انہیں اس سے بہتر مکان دے کہ جو اس سے پیشتر رہا ہے۔ کیونکہ ان اشیا کو وہ بغرض تجارت لیجا رہے تھے جنوری ۱۶۷۵ء میں سلطان محمد خان اور چارلس ثانی شاہ انگلستان کے مابین ایک تحریر پر دستخط کئے گئے۔ کہ جس سے ٹرکی کے ساتھ سلطنت ہائے یورپ کی کیپی چولیشن (امتیازات) کی بنیاد پڑی۔ بقول مصنف فرام آف ٹو اراراٹ "اس وقت کے ترک سلطان عیسائی بادشاہوں کے ساتھ معاہدات کرکے اپنے آپ کو ذلیل نہیں کرنا چاہتے تھے۔ اسلئے ایسی امتیازات کو کیپی چولیشن کا نام دیتے تھے۔ اس وقت ترک سلاطین کی خواہش ہوئی۔ کہ یورپ کے عیسائی اقوام کو بلاکر اپنے ملک میں بغرض تجارت و دستکاری وغیرہ آباد کریں۔ اس لئے ان عیسائیوں کو چند ٹیکس ہر قسم کے محصول

معاف کیے گئے۔ چنانچہ جنگ سے پیشتر تک کوئی یورپین باشندہ قسطنطنیہ یا قلمروئے ٹرکی و مصر میں کسی قسم کا مقامی ٹیکس نہیں دیتا تھا۔ بہر حال سلطان محمد خان کے امتیاز سے انگریزی تجارت کو بہت فوائد حاصل ہوئے جنمیں سے بعض یہ تھے کہ سفر میں آزادی حاصل ہو جہازوں کو تجارت کی آزادی ملے صرف ۳ فیصدی کا مقررہ محصول درآمد دیں۔ قانونی مقدمات میں حفاظت ہو اس بات کا اقرار کہ انگریزوں کو غلام نہ بنایا جائے بحری ڈاکوؤں کے خلاف قرارداد۔ اور موسٹ فیورڈ نیشن کا وعدہ۔

انگریزی تجارت کی ترقی

ڈیوڈ ڈویز صاحب اپنی کتاب "ٹارسکٹ ٹو انڈیا" میں لکھتے ہیں کہ ایک ترکی فرمان کے ذریعے سنہ ۱۶۴۳ء میں گریٹ برٹن بصرہ میں داخل ہوا۔ اور اسے اجازت مل گئی کہ وہاں ایک قنصل مقرر کرے۔ کہ جسے ملٹری گارڈ رکھنے کا حق حاصل ہو۔ نقارہ بجا سکے بادشاہ کی سالگرہ نہایت پبلک طور پر منا سکے اور عورتیں اور مرد غلام خرید سکے کہ جن پر کوئی محصول نہ دینا پڑے۔

سنہ ۱۷۶۳ء میں بندر عباس کی کوٹھی کو بھی انگریز بصرہ میں لے گئے تھے۔ سنہ ۱۷۷۳ء میں ٹرکش اور پیبادترکی عرب) میں خوفناک طاعون پھیل گئی۔ اور تخمینہ کیا گیا تھا کہ اس سے دو ملین باشندے ضائع ہوئے۔ ابھی انگریزی تجارت کو اس مصیبت کے بعد پنپنا نہ ملا تھا۔ کہ ترکی اور ایران کے مابین جنگ چھڑ گئی۔ اور ایرانیوں نے بصرہ پر قبضہ کر کے سنہ ۱۷۷۶ء تک قبضہ میں رکھا۔ ابھی انتشار ہی تھا کہ وسطی عرب میں وہابی تحریک نے زور پکڑا اور عراق عرب میں بھی گھس آئی۔ سنہ ۱۸۰۱ء میں مکہ اور مدینہ کو لوٹ کر وہابیوں نے کربلا کو بھی لوٹ لیا۔ اور جبتک وزیر مصر محمد علی پاشا نے بیٹے ابراہیم پاشا

نے اپنی مصری فوج کے ساتھ ان وہابیوں کو نہ کچل ڈالا اس فتنہ کا خاتمہ نہ ہو سکا۔

انگریزی پولیٹیکل رسوخ

تجارت کے ساتھ ساتھ انگریزی پولیٹیکل رسوخ بھی عراق میں بڑھتا گیا۔ اور ۱۸۱۲ء میں گورنمنٹ ہند کی درخواست پر آنریبل ڈائرکٹران ایسٹ انڈیا کمپنی نے ٹرکش عریبیا کے لئے پولیٹیکل ریزیڈنٹ کا عہدہ قائم کر دیا جو بغداد میں مقیم رہا مگر بعد میں ایک مرتبہ کفایت شعاری کے ارادہ سے بغداد ریزیڈنسی کی تخفیف کا معاملہ بھی پیش ہوا کیونکہ صرف بوشہر ایجنسی خلیج فارس کی ریاستوں کے لئے کافی ہے۔ مگر ایک ڈکلسیر گورنر بمبئی نے اعتراض کیا کہ وسعت اور فوائد ہند کا حوالہ دیکر ترکی عرب کی پوزیشن کو قائم رکھنے پر ایک پرزور نوٹ لکھا اور اس کی رائے منظور کی گئی۔ چنانچہ چند سال گذرے ہیں۔ اب تو بغداد ریزیڈنسی کی عمارت کو بیس ہزار پونڈ کی لاگت سے بہت عمدہ تعمیر کیا گیا ہے۔

بغداد کا انگریزی قنصل ریزیڈنٹ کہلاتا تھا کیونکہ وہ فارن آفس کے ماتحت نہ تھا بلکہ انڈیا آفس کے ماتحت تھا۔ اور ہندوستان کی دیسی ریاستوں کی طرح تو نہیں مگر بغداد میں برٹش رسوخ بہت کچھ مسلم تھا اس کے پاس ہندی سکھ جوانوں کا ایک باڈی گارڈ رہتا تھا کیونکہ ۱۸۳۴ء میں ایک ڈویژن فوجی مہم دریا کے راستہ بغداد بھیجی گئی تھی جس نے برٹش ریزیڈنٹ کیلئے یہ حق اور انگریزی تجارت کے لئے یہ حق تقدم اور تفوق حاصل کیا اور انگلستان کی تجارتی کمپنی مسٹر لنچ نامی کو دریائے دجلہ کی تجارت کا حق لیکر دیا کہ جس کے جہازات اس وقت سے لیکر آج تک برابر دجلہ میں آتے رہتے ہیں۔

انگریزی رسوخ اور ناظم پاشا کی ناکامی

مندرجہ بالا اقتباسات سے کافی طور پر ثابت ہو گیا ہے کہ ترکی دور میں کس طرح انگریزی

رسوخ بذریعہ تجارت کے اس ملک میں شروع ہوا اور بتدریج کہاں تک بڑھتا گیا کہ بطور حق کے انگریزی ریزیڈنٹ بغداد میں اپنی حفاظت کے لیے کچھ فوج رکھ سکتا تھا بلکہ اسے اس سے بھی زیادہ حق حاصل تھا جیسا کہ ذیل کے واقعہ سے ثابت ہوگا۔

ناظم پاشا کو جو ۱۹۱۳ء میں قسطنطنیہ میں بحالت وزارت جنگ باب العالی میں مارا گیا تھا۔ بغداد کی بہت نیکنام گورنروں میں گذرا ہے۔ اب تک اہل بغداد اس کی تعریف کرتے ہیں جب ناظم پاشا کو بغداد کا گورنر بنا کر بھیجا گیا تو اس نے شہر میں کئی اصلاحیں کیں۔ ان میں سے ایک اصلاح یہ تھی کہ شہر سے بعض بازار کھینچے جائیں ایک بازار کو کاٹتے ہوئے جب کشش ریزیڈنسی تک پہنچے تو برٹش ریزیڈنٹ نے مخالفت کی کہ ریزیڈنسی کی دیوار نہ گرائی جائے اور وہاں ایک فوجی سپاہی کھڑا کر دیا۔ چنانچہ وہ اصلاح وہیں رہ گئی۔

ترکی اور ایران میں کھینچاؤ

یہ تاریخی معلومات اور انگلستان اور روس کے ترکی اور ایران کے ان قطعات میں تدریجی نفوذ کی کیفیت مکمل نہ ہوگی جب تک ان دونوں ملکوں کے مابین حدبندی کمیشن کی کارروائی کا ذکر نہ کیا جائے۔ ترکی اور ایران ہرچند کہ دونوں اسلامی سلطنتیں ہیں... وہ تین سو سال تک خفیف سرحدی جھگڑوں کے باعث اور شیعیت اور سنیت کے اثروں سے متاثر ہو کر خوب لڑتی رہی ہیں... کم و بیش ایک ربع صدی کا عرصہ ہوتا ہے کہ ان دونوں سلطنتوں کے درمیانی حدبندی کے لئے انگلستان و روس نے انہیں [illegible] کا ارادہ کیا اور وہ حدبندی بمشکل عالمگیر جنگ سے چند ہفتہ ہی پہلے ختم ہوئی۔ کمیشن کے انگریزی کمشنر [illegible] مسٹر [illegible] نے حال ہی میں اس کمیشن

کی کیفیت اپنی کتاب "فرام گائٹ ٹو اراراٹ" میں لکھی ہے چنانچہ اس میں سے چند واقعات کو ایجاز و اختصار سے یہاں درج کرنا بے موقع نہ ہوگا۔

ترکی و ایران کی حد بندی

۱۹۱۴ء کے موسم خزاں میں حال کی خوفناک جنگ سے چند ہی ہفتہ پیشتر چند انگریز روسی ترک اور ایرانی کوہ جودی یا اراراٹ کی ۷ ہزار فیٹ کی ایک بلند چوٹی کے نیچے جمع ہوئے اور ایک حد بندی کا برج قائم کرکے اپنے اپنے ملکوں کو رخصت ہو گئے اس برج سے ترکی اور ایران کے درمیانی (۱۱۰۰) میل کی اس سرحد کی حد بندی کا خاتمہ ہو جاتا ہے۔ جو ستر سال کے مباحثوں خط و کتابت اور کانفرنسوں کا نتیجہ تھی۔

دونوں مسلمان ہمسائے

سولہویں صدی مسیحی میں جبکہ ترکوں نے مصر اور ٹیونس کو فتح کر لیا۔ اور ممالک یوروپ فتح کرتے ہوئے وائنا کے دروازوں کے سامنے جا کھڑے ہوئے۔ تو سلطان سلیم اعظم نے تھوڑی سی توجہ ممالک مشرق کی طرف بھی کی اور شمالی کردستان اور آذربائیجان کو فتح کر لیا اور ترکی افواج نے بغداد پر حملہ کرکے ۱۵۳۴ء میں اس پر قبضہ کر لیا۔ مگر شاہ عباس نے جو ایرانیوں کا شارلمین تھا ترکوں کو ان کے شمالی صوبجات اور بغداد سے نکالدیا اور دجلہ کو سرحد ایران قرار دیا۔ مگر ۱۶۳۸ء میں سلطان مراد چہارم نے بغداد کو ایرانیوں سے پھر چھین لیا اور وہ سرحد مقرر کر دی۔ جو آجتک ترکی اور ایران کے مابین فاصل ہے۔ ترکوں اور ایرانیوں کو اسیطرح لڑتے جھگڑتے دو سو سال گذر گئے۔ اور اس عرصہ میں یہ دونوں عظیم الشان دولتیں بہت کچھ ضعیف ہو گئیں اب انگلستان اور روس کو خیال آیا۔ کہ ترکی اور ایران کی حد بندی کیلئے

بیچ بچاؤ کریں۔ چنانچہ ۱۸۴۲ء میں یہ سرحدی جھگڑے اس حد تک پہنچ گئے۔ کہ ایرانیوں کو شکایت پیدا ہوئی۔ کہ سلیمانیہ (کردستان) کے ترکی حاکم نے والی اردلان پر بلاوجہ حملہ کر دیا ہے۔ جو ایرانی صوبہ دار ہے۔ دوسری طرف ترک شاکی تھے۔ کہ عہدنامہ ۱۶۳۹ء کے مطابق ذاب کا سرسبز ضلع جو ہمیں دیا گیا تھا اب تک ایران اس پر قابض ہے۔ اس کے بعد علی رضا پاشا نے بغداد نے ایران کے صوبہ محمرہ پر حملہ کر دیا۔ اور اسے فوراً فتح کر لیا۔ روس کی خواہش تھی۔ کہ اس نے آرمینیا اور جارجیا کے دو نئے صوبے جو ایران سے حاصل کئے تھے محفوظ رہیں اور انگلستان اپنی کروڑہا ہندوستانی رعایا کی خاطر امن چاہتا۔ کہ ان دونوں مسلمان ملکوں کے مابین ایک روز جنگ چھڑ کر اس میں خلل نہ آئے۔ اس لئے یہ دونوں عیسائی ہمسائے صلح کرانے کو درپڑے۔ اور اس طرح ایک حدبندی کی کمیشن مقرر ہوئی ہے۔ کہ جس نے چار سال تک ارض روم میں کام کیا اور ۱۸۴۷ء میں ان کے کام کا نتیجہ عہدنامہ ارض روم مترتب ہوا۔ اب صحیح سرحدبندی کرنے کے لئے ۱۸۴۹ء میں ایک نیا کمیشن بغداد میں جمع ہوا۔ اور ۱۸۴۹ء سے ۱۸۵۳ء تک اس کمیشن نے زمین بر سر زمین طے کرنے کے لئے سفر کیا۔ اور بہت سی دیر اور فریقین کے سودا کرنے کے بعد ۱۸۷۶ء میں اس کا کام ختم ہونے والا تھا کہ سرویا کی جنگ چھڑ گئی۔ اور پھر روم روس کی جنگ شروع ہوگئی آخری جنگ کا نتیجہ عہدنامہ برلن تھا۔ اس کے خاتمہ پر روم و ایران کی حدبندی کا سوال پیش ہوا۔ آج تک جس قدر قریبی فریقین اور ہمسائیوں کا اس حدبندی پر خرچ ہوا تھا۔ اس کا اندازہ اس سے ہوسکیگا کہ ۱۹۱۴ء تک حکومت انگلستان کا ایک لاکھ پونڈ اس سودے پر خرچ ہوگیا۔ مگر ۱۹۱۱ء سے ۱۴-۱۹۱۳ء تک آخر کار کمیشن نے اپنا کام ختم کیا۔

تمام سرحد کے نقشے بنائے اور برج قایم کیئے اگرچہ کمیشن کے کام کے خاتمہ پر حالت اس کی حالت بالکل بدل گئی تھی ۱۸۷۸ء میں انگلستان اور روس جو محض دو ہمسائیوں میں بیچ بچاؤ کرانے کے لئے کھڑے ہوئے تھے۔ اب تک خود حصہ دار اور شریک بن گئے تھے۔ اور جہاں پہلے ان دونوں قوموں کے کمشنر ترک اور ایرانی کمشنروں کو صرف تصفیہ کا مشورہ اور ترغیب دیتے تھے۔ اب یہ ان مقامات کا کہ جن میں جھگڑا ہوتا تھا اپنے اختیار سے فیصلہ کر دیتے تھے ؎

خدا کے دین کا موسیٰ سے پوچھیئے احوال
کہ آگ لینے کو آئے پیمبری مل جائے

بوشہر کا برٹش ریزیڈنٹ اس نواح میں تمام خلیج فارس کے اقوام اور شیوخ کے معاملات اور قضایا طے کرتا ہے۔ ابتدائے ۱۸۵۶ء میں جبکہ ایرانیوں نے ہرات پر حملہ کیا تھا۔ تو اس کے جواب میں سر ہنری ہیولاک نے چار ہزار فوج کے ساتھ حملہ کر کے اسے فتح کر لیا تھا اور دریائے کارون کے راستہ سے ایک بحری مہم اہواز سے بھی آگے تک بھیجدی تھی۔ مگر چونکہ فوراً اس کے بعد ہندوستان میں ۱۸۵۷ء کی شورش برپا ہو گئی۔ تو ایران کی اس انگریزی مہم کا ذکر تاریخ میں نہایت مختصر رہگیا۔ ۱۸۸۸ء میں گورنمنٹ ایران نے دریائے کارون انگریزی تجارت کے لئے اہواز تک کھول دیا اور لینچ اور گرے میکنزی کمپنیوں کے تجارتی جہاز اس میں آنے جانے لگے اور بختیاری بر کوہستان میں سے لینچ کی سڑک گذرتی ہے۔ لارڈ کرزن نے اپنی کتاب ایران میں ایران کے اس علاقہ میں انگریزی تجارت پھیلانے کے متعلق مندرجہ ذیل رائے دی ہے:۔

جبار یہ رستہ انگریزوں کے تخت خیال سے کھولا اور منتظم کیا جائے گا

تو یہ ہوگا - کہ مغربی اور جنوب مغربی ایران کے شہر اور دیہات وزفول خورم آباد بروجرد مع ستر ہزار آبادی اور نہایت سرسبز متصلہ میدان کے سلطان آباد جو کہ ایرانی قالین کی دستکاری کا مرکز ہے مع اپنے متصلہ اضلاع کے جو ایران کے نہایت شاداب اور غلہ پیدا کرنے والے اقطاع ہیں۔ خلیج فارس سے بآسانی ملحق ہو جائیں گے - اور ان مقامات کے باشندے لبہولیت لنکا شائر کے روئی کا کپڑا بنانے والوں اور ہندو دستکاروں کے دام میں پھنس جائیں گے - کرمان شاہ مع اپنے ساٹھ ہزار باشندوں اور ہمدان اپنے پندرہ ہزار ساکنین کے اس وقت صرف بغداد کے ترکی راستہ سے پہنچ سکتے ہیں۔ جنوبی حلقہ اثر میں آجائیں گے - اور مانچسٹر اور بمبئی کے منافع میں اضافہ کردیں گے۔

مہم عراق عرب کی وجہ

ایک انگریز مصنف مسٹر جی - ای سٹرڈ اپنی کتاب ”خلیج سے کوہ اراراٹ تک“ میں لکھتا ہے کہ عراق عرب کی مہم دراصل انگلستان نے محض اینگلو پرشن آئیل کمپنی کے تیل کی حفاظت کے لئے تیار کی ہے - وہ لکھتا ہے کہ نئے اسباب بہت بڑے پیمانہ پر گذشتہ چند سال سے تشیبی عراق عرب کی حالت میں داخل ہوگئے - مگر ان کے متعلق ابھی تک اس قدر لکھا جا چکا ہے - کہ میں سوائے انہیں شمار کرلینے کے اور یہاں کچھ نہیں کروں گا“ چنانچہ اس کے بعد وہ ان باتوں کو پیش کرتا ہے - سب سے پہلے بغداد ریلوے کا مسئلہ - دویم اینگلو پرشن آئیل کمپنی اور سر ولیم ولکاکس کا ہندیہ بند تعمیر کرانا - میں ذیل میں اس کے بیان کا خلاصہ درج کردیتا ہوں +

۱- بغداد ریلوے - جبکہ قیصر ولیم نے سلطان عبدالحمید خان ثانی سے قسطنطنیہ میں ملاقات کی تو اس سے دوسرے سال یعنے ۱۸۹۹ء میں بغداد ریلوے کی عظیم الشان سکیم کے اجارہ پر ترکوں کے دستخط ہو گئے - مگر جنگ شروع ہونے کے وقت تک بغداد ریلوے کے انجنیر سلسلہ کوہستان ٹارس پر رُکے ہوئے تھے - گو موسم خزاں ۱۹۱۵ء میں اس لاین کے سب سے بڑے ٹنل کے خاتمہ کا اعلان کر دیا گیا تھا - دوسری طرف بغداد سے لاین شروع کرکے براہ سامرہ شمال کو لیجائی جا رہی تھی - کیونکہ اس سکیشن کے لئے ریلیں وغیرہ سامان خلیج فارس کے راستہ سے لایا گیا تھا -

۲- اینگلو پرشن آئیل لاین - دوسرا اہم مسئلہ مٹی کے تیل کا ہے کہ جس کی خاطر عراق عرب کی اس مہم کی ضرورت معلوم ہوئی ہے - ہرچند کہ یہ بجائے ترکی ہونے کے ایک ایرانی مسئلہ ہے - انگلستان کی رائیل نیوی کے لئے ایران کے اس علاقہ کا تیل کام آتا ہے - ۱۹۱۲ء میں برٹش گورنمنٹ نے حبیشہ امیر البحری کے مشورہ سے دو ملین پونڈ سے زیادہ کے حصے اس کمپنی کے خریدے تھے - اور اس سرمایہ سے تیل کے پایپ دوہرے لگائے جانے والے تھے - کہ جنگ چھڑ گئی - اور ۱۹۱۵ء میں ترکوں نے یہ نل کاٹ ڈالے - مگر جنرل گورنگ نے اہواز سے مہم لیجا کر انہیں شکست دی اور اس علاقہ سے ترکوں کو نکالکر تیل کے کارخانہ کو محفوظ کر لیا -

۳- آبپاشی کی سکیم - اور نمبر ۱ اہم واقعہ کہ جو اخیر میں ہر دو سرے معاملہ کی نسبت اس کے نتائج اہم ہو سکتے ہیں - گورنمنٹ ٹرکی کی وہ کارروائی ہے - جو اسے قریبًا پانچ سال پیشتر سر ولیم ولکاکس مشہور انجنیر آبپاشی کو نشیبی میسوپوٹیمیا کی آبپاشی بورڈ سینج کی سکیم تیار کرانے کے

متعلق طلب کیا۔ اور باوجودیکہ صوبجات کے افسروں نے بہت سی حجتیں پیدا کیں۔ مگر سرولیم نے اپنا کام ختم کر لیا۔ اور تمام سکیم کی تکمیل کے لئے دو کروڑ پونڈ کا تخمینہ پیش کیا۔" اور چونکہ ترکی خزانہ اس تمام سکیم کے اخراجات کا متحمل نہیں ہو سکتا تھا۔ تاہم دریائے فرات پر ہندیہ بند ایک بڑی رقم کے صرف سے تعمیر کرایا گیا۔ جو ۱۹۱۴ء میں کھولدیا گیا۔ چنانچہ اس بند سے فرات کی شاخ حلہ میں پانی منتقل کیا جاتا ہے۔ جس قدر فائدہ اس سکیم سے اس علاقہ کی آبپاشی کو پہنچے گا۔ سرولیم کی رپورٹ میں اس کا حسب ذیل اندازہ موجود ہے۔

"فرات اور دجلہ کا صحیح ڈالٹا بقول سرولیم کے اس تمام علاقہ پر مشتمل ہے کہ جس پر سے دجلہ اور فرات گذرتے ہیں۔ اور ان کی شاخیں جو خط کے جنوب میں فرات پر اور سامرہ تک دجلہ میں پھیلی ہوئی ہیں۔ سیدھا فاصلہ شمال مغرب سے جنوب مشرق تک ۴۰۰ میل ہے اور رقبہ قریب (۱۲۰۰۰۰۰۰) ایک کروڑ بیس لاکھ ایکڑ کے ہے۔ کہ جس میں سے حساب کے مطابق آدھے سے زیادہ قدیم نہروں کے جال کی وجہ سے جو تمام زمین پر پھیلا ہوا ہے۔ سیراب ہوتا تھا۔ سرولیم احتیاط کے ساتھ بیان کرتا ہے۔ کہ میسوپوٹیمیا کی تاریخ میں تمام ملک کی ایک ہی وقت میں کبھی آبپاشی نہیں ہوئی۔ اس لئے تمام علاقہ کی آبپاشی کے لئے پانی کی مقدار خواہ کتنی ہی زیادہ کیوں نہ ہو کافی ہوگی۔ بعض قدیم نہریں اس ملک میں سلطنت بابل کے زمانہ کی ہیں۔ اور بعض دوسری نہریں خلافت اسلامیہ کے شاندار زمانہ کی یادگار ہیں۔ اور آجکل چونکہ ان دریاؤں میں زیادہ گہرے دخانی جہازوں کے چلانے کی ضرورت ہوتی ہے اس لئے دریاؤں میں بھی بہت سا پانی رہنے دینا لازمی ہے۔ تاہم بعض پرانی نہریں حیرت انگیز

نسبت رکھتی ہیں۔ نہروان کی نہر کو دیکھو۔ جو کلدانی زمانہ کی یادگار ہے۔ اور دجلہ کے مشرقی کنارہ پر تین سو میل لمبی چلی گئی ہے۔ بڑے بڑے فاصلوں تک اس کا عرض ایک سے لیکر دو سو گز تک تھا۔ اور گہرائی چالیس سے پچاس فیٹ تک۔ حالانکہ یہ حیرت انگیز وسعت مصر یا ہندوستان کی آبپاشی کی نہروں میں کہیں نہیں پائی جاتی۔ دجلہ کی اس اکیلی نہر میں اس قدر پانی جاتا تھا کہ سر ولیم کی رائے میں اس نے دجلہ کو کنگال کر دیا ہوگا۔ مصنوعی تدابیر سے دجلہ کا رخ بدل دینے سے یہاں تک کہ وہ خود مشرق رخ ہو کر اس نہر میں سے گذرنے لگا نہریں برباد ہو گئیں اور ساتھ ہی وہ علاقہ بھی برباد ہو گیا۔ کہ جہاں سے یہ ہو کر گذرتی تھیں۔ غرضیکہ سر ولیم کی سکیم کے مطابق تین ملین ایکڑ رقبہ کی آبپاشی ہو سکتی ہے ان کا خیال ہے کہ بڑی حد تک اسی قدیم سلسلہ انہار کو کہ جن میں نہروان شامل ہے۔ کام میں لایا جا سکتا ہے اور پانی کے لئے نہریں نکالنے کے ساتھ ہی دلدلوں سے پانی نکالنے کے رستے بھی بنائے جائیں گے۔ اور بڑے بڑے قدرتی نشیبوں میں حوضوں کی طرح طغیانی کا پانی جمع رکھا جائیگا۔ جو سینکڑوں میل زمین کو دلدل میں منتقل کر دیتا ہے۔ فرات پر جو بارلاج شاخ ہندیہ سے حلہ کو پانی منتقل کرتا ہے۔ یہ قدیم شاخ جو بابل کے پاس سے گذرتی تھی اور سلٹ سے بھر گئی تھی۔ اب پھر ایک بڑے قطعہ اراضی کو سیراب کرتی ہے۔ جو مدت سے خشک اور بیابان ہو گیا تھا

میں نے ان اوراق میں ابتک اس قدر باتیں ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ (۱) انگریزوں کے بہت سے تجارتی مقاصد اگر صدیوں سے نہیں تو بیسیوں سالوں سے خلیج فارس اور عراق عرب اور ایرانی عربستان سے وابستہ ہیں (۲) انگریزوں کو بہت کچھ پولیٹکل اقتدار بھی ان ممالک میں حاصل ہے۔ (۳) علاقہ عراق عرب اور خلیج فارس کے اسی فیصدی تجارت کے مالک ہونے کے اب اہواز میں انگلستان

کا ایک عظیم الشان تیل کا کارخانہ ہے جس کی حفاظت ضروری ہے (۴) عراق عرب کی نئی آبپاشی کی سکیم کی اہمیت سے وہ واقف ہیں۔ ان حالات میں ان کی جرمن بغداد ریلوے کی نسبت بدظنی بہت کچھ حق بجانب ہے۔ وہ جانتے ہیں کہ ترک ایک کمزور سلطنت ہے اور اس نے عراق عرب میں استعمار کا بہت کم کام کیا ہے وہ جانتے ہیں کہ جرمنی مدت سے مشرق وسطی میں نفوذ حاصل کر رہا ہے اور ترک اس کے ہاتھ میں موم کی ناک ہیں۔ جدہر وہ چاہتا ہے انہیں پھیر لیتا ہے۔ جرمنی کی غرض برلن سے بغداد اور بصرہ تک اتنی لمبی اور بیش قیمت ریل بنانے کے اور کیا ہو سکتی ہے کہ خلیج فارس کے سرے پر انگریزوں کو دھمکائے۔ برطانیہ بغداد ریلوے کو اپنے حق میں سخت مضر سمجھتا ہے۔ جرمنیوں نے خلیج فارس کے اندر قدم جمانے کی بہت کوشش کی۔ مگر انگریزوں نے انہیں نہ جمانے دیا۔ مگر ترکی علاقہ میں اب جرمنی نے سخت قدم جما لیا تھا جبکہ جرمنی اور انگلستان کی جنگ چھڑ گئی اور ترک بھی اس جنگ میں جرمنی کیطرف شریک ہونے لگے تو انگلستان نے بڑی کوشش کی کہ ترک اس جنگ میں شریک نہ ہوں ہندوستان کے مسلمانوں نے بھی بہت شور مچایا لیکن جبکہ ترک انگریزوں کے خلاف جنگ میں شریک ہو گئے۔ تو مجھے معلوم ہوا۔ کہ انہوں نے خلیج فارس کے متصلہ علاقہ اور بصرہ میں کوئی معقول ڈیفنس کا سامان کیا تھا۔ بجائیکہ برٹش گورنمنٹ اس محاذ میں نہ ڈیفنس کے لئے ہی نہیں بلکہ اوفنس کے لئے بھی تیار تھی۔

۲۹۔ اکتوبر ۱۹۱۴ء کو جرمن جنگی جہازوں نے بلیک سی میں ترکوں کے نام سے روسی شہروں پر گولہ باری شروع کر دی۔ اور ۳۰۔ اکتوبر کو سر لوئیس میلیٹ برٹش سفیر نے قسطنطنیہ میں اپنا پاسپورٹ طلب کیا۔ ادہر گورنمنٹ ہند نے احتیاطاً پہلے ہی خلیج فارس میں فوج کچھ بڑھا رکھی تھی۔ اور کچھ فوج جزیرہ بحرین کو بھیجدی گئی تھی کہ جس کے ساتھ کچھ اور

افواج بھی شامل ہوگئیں اور یہ فوجیں ۶ ہو کر ۶ نومبر کو شط العرب کے دہانہ پر آپہنچیں۔ کنارہ سے ۲ میل پر موضع فاؤ نظر آیا کہ جو صرف چار سو گڈریوں اور کاشتکاروں کی آبادی ہے اور ترکی کا ایک مٹی کا قلعہ اور انڈو یوروپین کیبل کمپنی کا ایک دو منزلہ مکان یہاں واقعہ ہے انگریزی جنگی جہازوں نے ایک گھنٹہ کی گولہ باری سے قلعہ فاؤ کی توپوں کو خاموش کر دیا۔ اور تھوڑی سی بحری فوج نے موضع فاؤ پر قبضہ کر لیا۔ اور اس طرح عراق عرب کی مہم شروع ہوگئی۔ اور بلا زیادہ مزاحمت کے بصرہ ترکی قبضہ سے نکلکر انگریزی قبضہ میں آگیا۔

عراق عرب کا نقشہ دیکھنے سے معلوم ہو سکتا ہے کہ اس سے پہلے کتنا بڑا ملک نکل چکا تھا۔ بلکہ بغداد کے بعد پچاس میل تک بھی بسہولیت ترک پسپا ہو گئے معلوم ہماری فتح بغداد کے بعد جو ترکی قیدی عمارہ کی طرف لائے گئے انکے کپڑے بہت پھٹے پُرانے تھے ترکوں کی بہادری میں کوئی کلام نہیں لیکن جب انکے پاس ایک طویل جنگ کیلئے کافی سامان نہ تھا۔ تو انہیں اس جنگ میں کود پڑنے کی کیا ضرورت تھی پہلا جنگ بلقان کیلئے تو وہ مجبور ہو گئے تھے کہ لڑیں کیونکہ دشمنوں نے ان پر حملہ کر دیا تھا لیکن اس جنگ کیلئے وہ مجبور نہیں کئے گئے اور انگلستان کی خواہش تھی کہ ترک شامل جنگ نہوں ایک معزز ہندو شخص نے اگر وہ مجھ سے بطریق تعجب ذکر کیا۔ کہ ابھی ترکوں کو اس ملک کو خالی کئے دو سال گذرے ہیں مگر جہاں کہ چار پانچ سو سال تک حکومت کر گئے ہیں ان کا کوئی نشان نظر نہیں آتا نہ کوئی پختہ سڑک۔ اور کوئی اور مفید پارک از قسم امور رفاہ عام موجود ہے۔ یہ مانا کہ یہودی اور عیسائی رعایا کو ان کی ہمدردی نہ تھی۔ مگر ان کی مسلمان عرب رعایا نے بھی ان سے کوئی اظہار ہمدردی نہیں کیا۔ شیعہ بدوی جو عراق عرب میں بہت ہیں۔ ترکوں سے اتنے سو سال کی حکومت میں خوش نہ ہو سکے بغداد سے بصرہ تک پانچ سو میل کے فاصلہ میں ایک ہزار خالص ترک باشندے آباد نہ ہوں گے جو سرکاری ملازم نہ ہوں۔ آج بصرہ ہمارا دور

اور دوسرے شہروں کے بازار ویسے ہی آباد ہیں۔ کہ گویا کوئی انقلاب سلطنت ہوا ہی نہیں۔ وغیرہ وغیرہ

بصرہ کا حشر خلیج سے ارارات تک کا مصنف لکھتا ہے۔ کہ علاوہ نفس جنگ کے ایک خاص درجہ دلچسپی کا شہر بصرہ کے ساتھ بھی وابستہ ہے۔ جو میسوپوٹیمیا کا بندرگاہ ہے۔ اور جس پر کہ ہم اس وقت قائز ہیں۔ زمانہ مستقبل کی نسبت کوئی جلد بازانہ اندازہ ظاہر کرنے کی بجائے لارڈ ہارڈنگ وائسرائے ہند کے الفاظ جو انہوں نے جنوری ۱۹۱۵ء میں اہل بصرہ کو مخاطب کرتے ہوئے کہے تھے اس بارہ میں پیش کئے جا سکتے ہیں آپ نے بیان کیا تھا:۔

"قبضہ انگریزی نے ایسے مسایل پیش کر دیئے ہیں کہ جن پر فوراً غور اور فیصلہ کرنے کی ضرورت ہے۔ میں یہاں بچشم خود مقامی حالات کو دیکھنے آیا ہوں تاکہ اچھی طرح غور کر سکوں۔ کہ کن تدابیر کے عمل میں لائے جانے کی ضرورت ہے تم کو معلوم ہے۔ کہ ہم اس عظیم جنگ میں اکیلے ہی شامل نہیں۔ اور ہم آئندہ کے طریقہ انتظام کے متعلق بغیر دیگر دول عظام سے تبادلہ خیالات کرنے کے کچھ کارروائی نہیں کر سکتے۔ لیکن میں اتنا یقین دلا سکتا ہوں کہ زمانہ مستقبل تمہارے لئے زیادہ فیاض حکومت لائیگا"

جنرل سر سٹینلی ماڈ جنرل آفیسر کمانڈنگ میسوپوٹیمین ایکسپڈیشنری فورس نے جو اعلان فتح بغداد کے بعد وہاں کے باشندوں میں شائع کیا ہے اسمیں مندرجہ ذیل فقرہ قابل توجہ ہے:۔

"دوسری طرف جرمنوں اور ترکوں سے جنہوں نے تمہیں برباد کیا ہے بیس سال سے بغداد کو ایک ایسی طاقت کا مرکز بنایا ہے۔ کہ جہاں سے انگریزوں کی طاقت اور انگریزوں کے دوستوں کی طاقت پر ایران و عرب میں حملہ آور ہوں۔ اس لئے برٹش گورنمنٹ جو کچھ تمہارے ملک میں اب یا آئندہ

واقع ہو اُس سے بے پروا نہیں رہ سکتی۔ کیونکہ برٹش گورنمنٹ کا فرض ہے کہ برٹش قوم اور اس کے اتحادیوں کی خاطر برٹش گورنمنٹ بغداد میں وہ کچھ دوبارہ نہ ہونے دیگی جو کہ ترک اور جرمن دوران جنگ میں کرتے رہے ہیں"

اس پر اور کچھ اضافہ کرنا غیر ضروری ہے۔ اور کوئی نہیں جان سکتا۔ کہ بعد خاتمہ جنگ کیا فیصلہ ہو۔ تاہم بصرہ و عمارہ اور تمام علاقہ میسوپوٹیمیا میں انگریز جو ترقیاں کر رہے ہیں۔ علاوہ قیام امن ریلوے لائنیں بنا رہے ہیں۔ سینکڑوں ہزاروں عارضی عمارات کھڑی کر رہے ہیں۔ اور سینکڑوں بلکہ ہزاروں دُخانی کشتیاں ایک چھوٹے سے چند ہارس پاور کے موٹر لوٹ سے لیکر ایک بڑے ہزار ہا گھوڑے کی طاقت کے بحری جہاز تک خلیج سے لیکر بغداد سے اوپر تک دریا میں چلا رہے ہیں۔ جو سلطنت آج کے زمانہ میں اپنی تجارت کی طرف سے ایسی بے پروا ہو جیسے کہ ترک ہیں۔ وہ روپیہ کہاں سے لا سکتے ہیں۔ جو انتظام مملکت کے لئے اور خصوصاً انتظام جنگ کے لئے نہایت ضروری ہے۔ باوجودیکہ میسوپوٹیمیا دولت کی کان ہے۔ کیا زراعت اور کیا تجارت کے ذریعہ سے مگر گذشتہ کئی صدیوں میں ترکوں نے سوائے فرات کے ہندیہ سکیم کے یہاں کوئی استعمار کے کام نہیں کئے۔

بصرہ جیل خانہ ہم بصرہ میں پہنچے تو مختلف ایام میں بعض فوجی افسر قافلہ اخبار نویساں کو بصرہ کے مختلف مقامات ساتھ پھر کر دکھلاتے رہے۔ آجکل بھی بصرہ کا جیل خانہ اسی پرانے ترکی جیل کی عمارت کے اندر ہے کہ جہاں پہلے تھا۔ یعنی سرائے کی عمارت کے ساتھ۔ البتہ انتظام میں بہت کچھ فرق ہو گیا ہے پہلے ترکی دستور یہ تھا۔ کہ قیدیوں سے کچھ مشقت نہیں لیجاتی تھی۔ اور نہ جیسا ہمیں افسر جیلخانہ نے بتلایا۔ انہیں روٹی ہی جیلخانہ سے دیجاتی تھی۔ بلکہ ان کے عزیز اور دوست انہیں روٹی بھیج پہنچا تے تھے۔ معلوم نہیں اس انتظام سے زمانہ میں تو قیدیوں سے بڑھکر سزا ان کے رشتہ داروں کو ملتی ہوگی۔ مگر

قیدیوں سے مختلف کام بھی لئے جاتے ہیں۔ اور کھانا بھی دیا جاتا ہے چنانچہ اس روز ہمیں چاولوں کی دیگ اور میٹھے کدو کا شوربہ دار سالن تیار دکھلایا گیا تھا۔ اس وقت کل ۲۹۱ قیدی موجود ہیں بعض مونج کی چٹائی بن رہے تھے ایک ایرانی قیدی ایک قالین کا نمونہ بن رہا تھا۔ مونج کا بان بٹنا۔ اور نجاری وغیرہ دیگر دستکاریاں تھیں۔ ایک جگہ قیدی کاغذ کے لفافے بنا رہے تھے جبکا ایک ترک قیدی فورمین تھا۔ دس ہزار لفافے یہاں ایک دن میں بن سکتے ہیں اور آجتک ۵ لاکھ سرکاری لفافے بن چکے ہیں۔ ایک دو ایرانیوں۔ اور ایک ترک کے علاوہ کوئی ایک ہندوستانی اور باقی سب عرب قیدی تھے۔

تھیٹر اور سینما بصرہ کے لوگ تماشا کے بھی بہت شائق معلوم ہوتے ہیں اور مالدار بھی ہیں۔ اسی افسر نے ہمیں ایک سینما بھی دکھلایا جو شہر بصرہ میں اورنٹیل سینما کے نام سے جاری ہے۔ وہ عیسائی بھائیوں نے ایک ہزار روپیہ کے خرچ سے جاری کیا تھا۔ اب ہزار روپیہ ماہوار کی آمدنی ہے۔ باوجودیکہ (۵۰۰) روپیہ ماہوار فوجی گورنمنٹ کو ٹیکس دیتے ہیں (۶۰۰) ماہوار فلموں کا خرچ ہے ٹکٹ عمر ۸ ر ۱۲ ر ہوتا ہے۔ بینک سکوئر کے قریب ایک تھیٹر دکھلایا جسمیں دن بھر قہوہ خانہ رہتا ہے اور رات کو عربی ڈرامہ کیا جاتا ہے مالک مصری عیسائی ہے۔ ہر شخص ایک روپیہ کا ٹکٹ لیتا ہے

عثمانی بینک شہر بصرہ کے وسط میں بینک کا چوک نہایت وسیع اور پُر فضا چوک ہے۔ ایک طرف امپیریل آٹومان (عثمانی) بینک ہے جسپر ابتک نام کا بورڈ لگا ہوا ہے۔ ہم بینک کے اندر سے گذر کر اس کی چھت پر چڑھے چھت کے اوپر ایک بلند چوبی دیدبان بنا ہوا تھا۔ جو اس کے بعد اور بھی کئی ترکی سرکاری عمارات پر دیکھا ہے۔ یہ لکڑیوں کا ایک ڈھانچہ دو

منزل بلند تھا۔ اس کی دوسری منزل پر چڑھکر تو دل ڈرنے لگا کہ کہیں یہہ نیچے نہ گر جائے یا میں ہی نہ گر پڑوں۔ مگر یہاں سے تمام شہر بصرہ اور نواح کا نہایت عمدہ نظارہ ہوسکتا تھا۔ بینک کے چھت پر ابھی بعض مٹی کی بوریاں پڑی تھیں۔ مگر بصرہ کو ترک بلا لڑے کے خالی کر گئے تھے۔ بینک کے مختلف صیغوں کے دروازوں پر ترکی اور فرانسیسی نام لکھے ہوئے ہیں۔ بینک کی دیوار کے ساتھ چوک میں ۱۵ توپیں رکھی ہوئی ہیں۔ جو ہمیں بتلایا گیا کہ حال ہی بغداد میں جو توپیں ترکوں سے چھینی گئی ہیں۔ یہ ان میں سے ہیں۔ ان میں چار ٹرینچ مارٹر (خندقوں کی توپیں) تھیں۔ جو معلوم ہوا کہ بالکل نئی اور بہت قیمتی ہیں۔

قہوہ خانے بینک کا چوک نہایت وسیع ہے لیکن اسمیں شام کے وقت سینکڑوں آدمی آبیٹھتے ہیں۔ اور قہوہ اور ریخواں حقے یا سگرٹ پیتے اور گپیں ہانکتے ہیں۔ اس ایک چوک پر کیا حصر ہے۔ شہر بصرہ اور عشار اور عمارہ کے ہر بڑے بازار میں قہوہ خانے ہیں لمبی لمبی بنچیں جن کے تین طرف لکڑی ڈھاسنے کے لئے لگی ہے پڑی ہیں۔ معلوم ہوا کہ بینک کے چوک کا قہوہ خانہ بصرہ کا صرافہ بھی ہے اسمیں کئی تجارتی معاملات سوداگروں کے بھی قہوہ کی پیالیوں پر طے ہوجاتے ہیں۔ پہلے چائے ایک شیشہ کی چھوٹی سی کوزہ نما پیالی میں دیجاتی ہے اور اخیر میں قہوہ کی ایک پیالی میں ذرا سا تلخ قہوہ دیتا ہے۔ اور ایک آنہ عام قیمت ہے۔

پانی بھرنا یہاں اکثر دریا کے کنارہ یا کسی کریک پر سیاہ پوش عورتیں پانی کے برتن بھرتی دیکھی جاتی ہیں۔ ان کا گھڑا لیبوٹری شکل کا تانبے کا معلوم ہوتا ہے۔ جو عموماً پردہ دار عورتیں پانی سے بھر کر کندھے پر رکھکر لیجاتی ہیں۔ اس برتن کو مشربہ یا مسخنہ کہتے ہیں۔

ایک دوسرا طریقہ سقوں کے پانی لیجانے کا ہے جو گدھے پر تین مشکیں دو دونوں طرف اور ایک بیچ میں لاد کر لیجاتے ہیں۔ جو لوگوں کے گھروں میں پہنچاتے ہیں بعض عورتیں بھی مشک میں پانی بھرتی ہیں اور الٹی مشک پر لیٹ کر اس کا تسمہ کندھے پر ڈالکر مشکل سے اٹھتی ہیں۔ شاید یہ پردہ دار گھروں میں پانی لیجاتی ہیں۔ پانی عموماً بصرہ اور عمارہ میں دریا کا پیا جاتا ہے۔ عمارہ میں دریا ہمارے مکان کے سامنے بہتا تھا پہلے دن جب ہمیں معلوم ہوا کہ دریا کا پانی پینا پڑیگا۔ تو ہمیں کچھ تعجب معلوم ہوا۔ لیکن اس کے بعد ہر روز یہی پینے لگے۔ تو معمولی بات ہوگئی۔ صرف تھوڑی دیر تک پانی کو پڑا رہنے دیں۔ تو تہ نشین ہو جاتا ہے۔ ہسپتالوں اور چھاؤنیوں میں سرکار نلکے کے ذریعہ سے پانی پہنچاتی ہے۔ جو کلورین ڈالکر صاف کرلیا جاتا ہے۔

سڑکیں یکم اپریل کو ایک فوجی افسر ایک موٹر لاری پر ہماری پارٹی کو سوار کرا کر لیگیا۔ اور عشار سے باہر جو بڑی سڑک نکیسہ کو ہوتی ہوئی پاگل کو جاتی ہے اس پر سے گذرا ہے۔۔۔ اس ملک میں سوائے چکنی مٹی کے پتھر کا کہیں نام و نشان بھی نہیں۔ اس لئے سڑکیں نہایت گرد آلود ہیں۔ ان پر کوٹنے کے لئے کہیں کنکر نہیں ملتا۔ بالفعل سرکار انگریزی نے یہ سڑک کہ جس پر آج ہم گذرے ہیں اور یہاں کی بڑی سڑک ہے۔ بڑے خرچ سے موٹر کاروں کی آمد و رفت کیلئے بنائی ہے۔ دوسری گاڑیاں اس پر سے نہیں گذرتیں۔ خلیج فارس سے پتھر لاکر کنکریٹ بنایا گیا ہے۔ اور سیمنٹ اور کنکر اور ریت جو بذریعہ لائٹ ریلوے فرات سے لائی جاتی ہے سے یہ سڑک بنائی گئی ہے۔ بعض دوسری سڑکوں پر صرف جھاڑوں اور کارخانوں کا کیچڑ کوئیلا اور ریت بچھا کر کوٹے گئے ہیں۔

دو سیلاب یہ ملک بالکل سپاٹ ہے اس لئے طغیانی کے موسم میں شط العرب اور فرات اپنے کناروں سے نکلکر عراق کے کئی حصوں میں میلوں رقبہ کو ڈھانپ

لیتا ہے۔ اس لئے اسکے کناروں پر بعض جگہ تو صدہا میل رقبہ کی مدامی دلدل بنگئی ہیں۔ شہر بصرہ کے گرد دو دو تین تین فیٹ پانی دور دور تک کھڑا ہو جاتا ہے۔۔۔ گورنمنٹ انگریزی نے گذشتہ سال سینکڑوں ٹن ہٹی کے میلے تیل کے ان مچھر پیدا کرنے والے گڈھوں میں ڈلوائے تھے۔ مگر اب کے دو بڑے بند بصرہ کو شط العرب کی طغیانی کے پانی سے محفوظ رکھنے کے لئے بنوائے جارہے ہیں۔ بڑا بند شعیبہ بند کہلاتا ہے۔ جو گیارہ میل لمبا ہے جس سے فرات کا پانی روکا جائیگا اور دوسرا بند ریلوے لاین کا بند ہے۔ ان عظیم الشان بندوں پر بڑی محنت خرچ کیگئی ہے اور امید کی جاتی ہے کہ امسال کی طغیانی کا پانی بصرہ کے نواح میں نہیں پھیل سکیگا یہ بند بکینہ کیمپنگ گراؤنڈ کے پرسے نظر آتے ہیں۔

ریلوے لائنیں بصرہ سے ریلوے کی دو شاخیں نکالی گئی ہیں۔ ایک تو یہاں سے نصیریہ کو جو دریائے فرات پر واقعہ ہے جاتی ہے۔ اور دوسری قرنا کو جاتی ہے۔ قرنا دریا کے راستہ سے یہاں سے ۷۰ میل ہے۔ یہ دجلہ اور فرات کا مقام اتصال ہے۔ قرنا سے ریلوے لاین عمارہ تک تیار ہو چکی ہے جو دریا کے قریب جاتی ہے اور یہ لاین کچھ عرصہ سے کام کر رہی ہے۔ یہ پہلا موقعہ ہے کہ اس ملک میں ریلوے لاین بنی ہے۔ گو ابھی یہ چھوٹی پٹری کی ہے ماگل میں بہت سا ذخیرہ آہنی ریلوے سامان کا دیکھا۔ جو جرمن اپنی بغداد ریلوے کے لئے خلیج فارس کے راستہ سے لائے تھے۔ اور بصرہ میں موجود تھا۔ ماگل میں نصیریہ ریلوے کا سٹیشن ہے اس لئے آئندہ بندر ماگل غلہ اور کھجوروں کی تجارت کا یہ بھاری مقام ہوگا۔

زمین ری کلیم کرنا گورنمنٹ کچھ قطعات اراضی سے باغات کٹوا کر انہیں بلند کر رہی ہے۔ ماگل کی بڑی جیٹی کے قریب کہ جہاں جہازوں سے بھاری اسباب

اتار را اور ان میں لادا جاتا ہے۔ یہیں ۵ - ایکڑ کا ایک قطعہ اراضی دکھلایا گیا کہ جسمیں کھجوریں تھیں۔ گورنمنٹ نے مالکان اراضی کو معاوضہ دیکر کھجور کے درخت کٹوا دیئے۔ اور دریا میں بذریعہ ڈریجر مٹی نکال کر اس اراضی کو بلند کیا۔ جواب بالکل قابل تعمیر ہوگئی ہے۔ اور ساتھ ہی یہاں سے دریا گہرا ہوگیا ہے۔ اور ساتھ کی کریک کھلی ہوکر بڑی کشتیوں کے چلنے کے لائق ہوگئی ہے۔ اسی طرح اور جگہوں میں بھی اراضی ری کلیم کی جارہی ہے کھجور کے درخت جو گورنمنٹ کاٹتی ہے۔ ان کا معاوضہ تین روپیہ سے سولہ روپیہ تک فی درخت حسب حیثیت درخت دیا جاتا ہے۔

کھجور کے درخت

کھجور کے درخت اس تمام ملک کی سب سے بڑی فصل ہے اور یہاں کی بڑی دولت ہے۔ بلکہ سچ تو یہ ہے کہ کھجور یہاں کی نہایت اہم پیداوار ہے۔ پیغمبر صاحب صلعم نے ملک عرب کی نسبت فرمایا کہ کھجور تمہاری پھوپھی ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ تم پر نہایت مہربان ہے۔ کھجور کے درخت کا کوئی حصہ ضائع نہیں ہوتا۔ اس کے تنے کی لکڑی سے یہاں کے لوگ مکان پہ چھتیں ڈالتے ہیں۔ شاخیں اور پتے چھتوں اور نیز ٹوکروں اور چٹائیوں وغیرہ کے کام آتے ہیں۔ کھجور کا پھل بطور روٹی کے بھی کھاتے ہیں۔ کیونکہ اسمیں بڑی غذائیت ہے اور نہایت مزیدار اور شیریں میوہ ہے۔ لاکھوں روپیہ سالانہ کی کھجوریں یورپ امریکہ اور آسٹریلیا کو بندر بصرہ سے ہر سال بھیجی جاتی ہیں۔ صندوقوں کے ذریعہ جس قدر کھجور بھیجی جاتی ہے وہ یورپینوں کے ہاتھ میں ہے اور ٹوکروں کے ذریعہ جو بھیجی جاتی ہے۔ وہ عرب اسپورٹروں کے ہاتھ میں ہے۔ جو دیسی بادبانی کشتیوں پر افریقہ اور خلیج فارس کے بندروں کو بھیجتے ہیں اس ملک میں بعض لوگ کھجور کے درختوں کی ملکیت اور بعض کھجوروں کی تجارت سے بڑے بڑے دولتمند ہوگئے ہیں۔ ہاں میں یہ تو بتلانا بھول ہی گیا کہ کھجور کی گٹھلیاں لوگ مویشی کو ڈالتے جو بڑی

رغبت سے کھاتے ہیں۔

ترک قیدیان جنگ کا کیمپ ماگل میں ترک قیدیان جنگ کا کیمپ بھی ہے۔ اور ایک دوسرے کیمپ تنومہ میں جو دریا کے مقابل کی طرف ہے . . . جب ہم نے اس کیمپ کو دیکھا۔ تو بہت سے قیدی اپنا کھانا پکا رہے تھے بعض ترکی سموسے بنا رہے تھے اور کئی جگہ ترک قیدی اور افسر ایک خیمہ میں افسر شطرنج وغیرہ کھیل کر دل بہلا رہے تھے۔ میں نے بعض سپاہیوں اور افسروں سے ترکی میں بات چیت کی۔ وہ لوگ کو پژمردہ تھے مگر یہاں کے سلوک اور آرام کے معترف تھے۔ ترک قیدی اپنے ترکی سارجنٹ میجروں کے انتظام میں ہیں۔ کیمپ کے افسر نگران نے کہا کہ یہ (They treat well) اچھا برتاؤ کرتے ہیں۔ ان میں بعض بغداد کے بھی ہیں۔ میرے سوال کرنے پر بتلایا کہ صرف ان میں سے صرف ایک کرد نے آج تک بھاگنے کی کوشش کی ہے۔ انگریزی اور ترکی قیدیوں کا کچھ تبادلہ تو ہو چکا اور ۱۴۰۰ اور قیدی بدلے جائیں گے۔ تو کل بارہ بارہ سو قیدی بدلے جائیں گے . . .

فوجی ہسپتال اس کے بعد ہم نے ہندوستانی زخمی اور بیمار سپاہیوں کو دیکھا جو مریض چھت کے نیچے تھے ان پر تو برقی پنکھے بھی تھے۔ مگر جو زیادہ بیمار نہیں ہوتے انہیں ابھی بوجہ قلت مکانات خیموں کے نیچے رکھا جاتا ہے۔ جہاں گرمی کے موسم میں سخت گرمی محسوس ہوتی ہوگی۔ مگر کیا بصرہ اور کیا عمارہ میں ہسپتال کے جھونپڑے لگاتار بڑھائے جا رہے ہیں۔ بیماروں کے کھانا پکانے کی جگہ دیکھی۔ دو بیمار روزانہ پیسہ اخبار پڑھ رہے تھے۔ میجر بل صاحب نے ان سے پوچھا کہ تم جانتے ہو اس اخبار کو کون لکھتا ہے۔ اور مجھے بلا کر دکھایا یہ دونوں ضلع جہلم کے رہنے والے تھے اور کہتے تھے کہ جب آپ کا اخبار مل جاتا ہے تو جی خوش ہو جاتا ہے۔

امید ہے کہ اب جبکہ اس جنگ نے ہندوستانی ہسپتالوں کے لئے بھی نرسوں کی موجودگی نہایت مفید ثابت کر دی ہے ہندوستانی ہسپتالوں کے لئے ان کی تعداد اس قدر منظور کی جائیگی کہ نازک جراحی وغیرہ کے کیسوں کے لئے نرسیں بہم پہنچ سکیں

آبادی اور کیمپ کے مرکز

دوسرے روز ایک افسر نے ہمیں موٹر لانچ میں ساتھ لیجاکر دریا کے کنارہ پر شہر کے حصے یا کریکیں یا کیمپ جو کچھ بھی تھے دکھلائے۔ عشار کی طرف آبادی کے چار حصے سمجھنے چاہئیں۔ اول شہر بصرہ کسیقدر فاصلہ پر۔ دوئم ریور فرنٹ (کنارہ دریا) عشار وغیرہ۔ سوم مکینہ اور چہارم ماگل۔ اسیطرح بڑی کریکیں یعنے پانی کی کھاڑیاں ہیں۔ جو دریا میں سے عشار کے ادھر ادھر بہتی ہیں۔ اول عشار کریک جو عشار سے بصرہ تک بہتی ہے۔ دوسری خندق کریک تیسری رباط کریک چوتھی کورہ کریک ہیں۔ پانچویں جو سیل اور چھٹی رومیلہ۔ شہر بصرہ پولیٹیکل اور ملٹری دونوں انتظاموں کے ماتحت ہے اور باقی بیرون ابھی صرف ملٹری انتظام میں ہے۔

بیت النعمہ برٹش آفیسرز ہاسپٹل

خلیج فارس سے بصرہ کو جانے والے سب مسافر اس مکان کو جو بصرہ سے ۳ میل ادھر واقعہ ہے جہازوں سے دیکھتے ہیں۔ کیونکہ یہ بڑا عالیشان مکان ہے۔ پریس پارٹی نے بھی اسے دیکھا۔۔ مگر اس وقت مریض بہت تھوڑے سے تھے۔ میجر منرو صاحب افسر انچارج ہیں۔ یہ مکان پانچسو ترکی پونڈ کے سالانہ کرایہ پر برٹش افسروں کے اسپتال کے لئے لیا گیا ہے۔ اس مکان کی تعمیر کے لئے بہت سا سامان لکڑی اور لوہے کا بمبئی سے اور بہتیں وغیرہ دیگر مکانوں سے لایا گیا تھا۔ مکان دو بڑے حصوں زنانہ و مردانہ میں تقسیم ہے۔ کہ جن کے صحن ہیں باغ میں۔ ڈاکٹر صاحب کہتے تھے کہ شیخ محمرہ کا پیلس بھی دیکھنے کا ہے۔ یہ اس سے بھی بڑا ہے۔ مادہ

بغداد میں شاید کسی کا محل اس سے بڑا ہو تمہیں اسمیں مریضوں کے صاف ستھرے
بستر ان کے ریڈنگ روم ایکس ریز کا عمل الکٹرک انجن چلا کر دکھلایا۔
اس ہسپتال کے تکلفات اور اخراجات کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ
اسمیں چھ آئیل انجن مختلف کاموں کے لئے لگے ہوئے ہیں۔ دونوں اس اتنے
بڑے مکان کے پنکھوں اور بجلی کی روشنی کے لئے ہیں جنمیں دوسرا احتیاطی ہے
ایک برف بنانے کے لئے جو آٹھ ٹن برف روزانہ بنا سکتا ہے چوتھا ایکس ریز
کے لئے پانچواں سوڈا واٹر مشین کے لئے اور چھٹا واٹر ورکس کے لئے اس سے
کچھ اندازہ اس امر کا بھی ہو سکیگا کہ سرکار کس فیاضی اور فراخ چشمی سے اور کتنے بڑے
پیمانہ پر عراق عرب پر روپیہ خرچ کر رہی ہے اور اس کا انتظام کر رہی ہے
مکان کے نیچے کی منزل میں ہسپتال کا انتظامی عملہ اور اوپر کے حصہ میں مریض
ہیں باورچی خانہ اور تمام ضرورت کی چیزیں یکجا ہیں۔ گھر کے ایک عمدہ کمرے
کی تین کھڑکیوں کے اوپر خدا تعالیٰ کے تین نام یعنی قاضی الحاجات حکیم علیم
لکھے ہوئے تھے ڈاکٹر صاحب نے کہا معلوم ہوتا ہے کہ یہ مالک مکان کی چاہیتی
بی بی کا ملک ہے اور یہ اوپر تین بی بیوں کے نام لکھے ہوئے ہیں۔ سب کو یہ سنکر
ہنسی آگئی۔ راقم نے جب اس کا مطلب سمجھایا تو تمام پارٹی ہنستی رہی
ایک کمرہ میں مالک مکان نے چونہ کی دیوار پر حج بیت اللہ سے واپس آکر اپنے
آنے کی تاریخ لکھی ہوئی تھی۔ پھر مجھے بلایا گیا کہ پڑھکر بتلاؤں کہ کیا لکھا ہے

بصرہ میں پوسٹ آفس

ایک روز ہم لوگ بصرہ کے ڈاکخانہ میں اپنی
چٹھیاں لینے گئے۔ تو کرنل ہنس صاحب ڈائرکٹر
پوسٹل سروس [illegible] نے دونوں اسسٹنٹوں مسٹر شجاعت علی اور مسٹر جے
نور محمد سے جو دونوں اسسٹنٹ ڈائرکٹران پوسٹل سروس ہیں اور شریف ہیں

بگز پوسٹ ماسٹر سے ملاقات ہوئی۔ مسٹر شجاعت علی مدراس کے ایک رئیس زادہ ہیں اور ولایت کے تعلیم یافتہ ہیں۔ پوسٹ ماسٹر صاحب نے اپنا مین پوسٹ آفس دکھلایا کہ جہاں سے عراق عرب کے تمام علاقہ میں ڈاک تقسیم ہوتی ہے۔ اسی روز ولایت سے ڈاک آئی تھی۔ بڑے بڑے ڈاک کے تھیلوں سے کمرے بھرے ہوئے تھے۔ یہ مکان پہلے میکنزی کمپنی کے گودام کے شیڈ تھے۔ یہاں سے بصرہ اور بیرونجات کی تمام فوجوں کے تھیلے بنا کر بھیجے جاتے ہیں۔ اور شہر کے لوگ اپنی ڈاک خود کھڑکی سے لیجاتے ہیں۔ میسوپوٹیمیا میں کل ساٹھ کے قریب ڈاکخانے ہیں۔ اس ڈاکخانہ کے کام کی مقدار کا اس سے اندازہ ہوسکتا ہے کہ ماہ فروری گذشتہ میں اس ڈاکخانہ نے ایک لاکھ چالیس ہزار پارسل تقسیم کئے تھے۔

خاص کارڈ و لفافے — جس قدر سپاہی اور دیگر عملہ متعلقہ بلکہ گورنمنٹ کے اس ملک میں مامور کیا ہوا ہے۔ ان کے ساتھ ڈاک کے متعلق یہ رعایت ہے کہ ان لوگوں کو محصول ڈاک نہیں خریدنا پڑتا۔ یہاں قومی خدمت کے لئے خاص کارڈ اور لفافے چھاپے ہوئے ہیں۔ ان پر سپاہی اور افسر اپنے خط لکھکر پوسٹ کردیتے ہیں۔ اور ہندوستان اور انگلستان و عدن و دیگر ممالک تک کہ جہاں جہاں کے یہ لوگ ہیں۔ یہ خطوط مفت چلے جاتے ہیں۔ خطوط پر پتہ کی جانب (On Active Service) چھپا ہوتا ہے اور یہ بھی لکھا ہے کہ اس لفافہ کے خط کی جنرل سنسر کے جانے کی ضرورت نہیں بلکہ ڈاکخانہ میں سنسر ہو جائیگا۔ البتہ کاتب کو اسی لفافہ پر اس امر کی تصدیق کرنی چاہیے۔ کہ اس خط میں سوائے پرائیویٹ اور کنبہ کے متعلق باتوں کے کچھ نہیں۔ لیکن معمولی گورنمنٹ لفافوں میں بھی اس طرح [illegible] ابھیجے جانے لگا

نوکروں اور سپاہیوں کے لفافوں پر افسر تصدیق کر دیتے ہیں۔

تاریں تار کا معمولی نرخ یہاں سے ہندوستان کو ۹ ر فی لفظ ہے۔ مگر رعایتی نرخ ڈیفرڈ تار کا ۴ آنے ۶ پائی ہے۔ اور ویک انڈ تاریں اس سے بھی ارزاں نرخ یعنی ۲ آنے ۳ پائی فی لفظ پر ہندوستان کو ہفتہ کے روز بھیجی جاتی ہیں۔

ڈاک خانہ کے ہندوستانی ملازم ڈاک خانہ جنگ کے نہایت ضروری کاموں میں سے ہے اور ہندوستانی پوسٹل کلرک وغیرہ بڑی مستعدی سے اپنی خدمات بجا لاتے ہیں۔ یکم فروری سے ان کی تنخواہ کا سکیل یوں منظور ہوا ہے کہ ۱۵-۲۰ اور ۲۵ روپیہ تنخواہ والوں ۴۵ اور الاؤنس ملتا ہے اور ۵۰ روپیہ ۱۰۰ اتنک والوں کو ڈبل تنخواہ ملتی ہے اس کے علاوہ سب ملازمان ڈاکخانہ کو سالانہ گرما و سرما کی خاکی وردی ملتی ہے۔ مگر اب پہلی وردی لیکر نئے سال کی وردی دیتے ہیں۔ تمام ہندوستانی اور انگریز ملازموں کو دھوپ کے لئے سنر عینکیں اور مچھروں سے بچنے کے لئے مچھر دانیاں مفت دیجاتی ہیں۔ لالہ ہرچند کلرک ڈاک خانہ ساکن گوجرانوالہ نے جو پہلے دو سال فرانس و مصر کے میدانوں میں عمدہ خدمت بجا لاچکے ہیں اور سرکار کے بڑے خیر خواہ ہیں۔ نیاز مند ایڈیٹر پیسہ اخبار کو پہچان کر اصرار کیا کہ ان کے یہاں چلے میں۔ چنانچہ چاروں ہندوستانی اخبار نویسوں کو پوسٹل کلرک صاحبان نے اپنے مکان میں لیجا کر چاء پلائی۔

ڈاک میں دیر جو جہاز بمبئی سے بصرہ کو آنے والا ہوتا ہے اس کی حکام ڈاک خانہ کو اطلاع ملتی ہے۔ تو جسقدر ڈاک کے تھیلے تیار ہوتے ہیں۔ وہ اس پر بھیج دیتے ہیں۔

کھجور کا درخت مشابہ انسان ہے میں بیشتر کھجور کے درخت دریا کی

پیداوار کے متعلق کچھ لکھ چکا ہوں۔ مگر مندرجہ ذیل واقفیت اس کے بعد حاصل ہوئی ہے۔ جو خرما کے متعلق نہایت ضروری ہے۔ کھجور کو خدا نے عجیب قسم کا درخت پیدا کیا ہے۔ اس کی عمر بالکل انسان کی طرح ہے۔ پہلے پانچ سات سال تک پھل نہیں لاتا بچپن کے بعد جب سن بلوغت کو پہنچتا ہے۔ معلوم ہوجاتا ہے۔ کہ نر درخت یعنے نخل (Nakhla) کونسے ہیں اور مادہ درخت یعنے نخلہ (Nakhlah) کونسے ہیں۔ کیونکہ کھجور کے درخت دونوں نر اور مادہ ہوتے ہیں۔ نر درخت میں سے چیپ یعنی نطفہ لیکر جس کا نام "عثک" ہے۔ لوگ ہاتھ سے اُسے مادہ درخت کے پھل لانے کی جگہ میں داخل کرتے ہیں۔ اس عمل کا نام لگاہ (شاید لقاح) ہے ۵ا فروری سے ۲۰ مارچ تک اس کام کا موسم ہوتا ہے۔ اور یہاں کی ۲۵ فیصدی مزدور اس کام میں مصروف رہتے ہیں۔ ہر سال کھجور سے پھل لینے کے لئے یہاں یہ عمل کیا جاتا ہے۔ جب کھجور کے درخت ساٹھ سال کے ہوجاتے ہیں۔ تو بوجہ پیری ان درختوں کے تجدید کی ضرورت ہوتی ہے۔ اس لئے ان کے باغ میں ہر درخت سے مناسب فاصلہ پر نئے درخت لگاتے ہیں۔ اور جب یہ نئے درخت پھل لانے کے قابل ہوتے ہیں۔ اور پرانے درخت اسی سال کے ہوجاتے تو انہیں کاٹ ڈالتے ہیں۔ کیونکہ اس وقت بالکل نکمے ہوجاتے ہیں۔ کھجور کا ہر درخت دوسرے سے ۳ میٹر یا ۱۵ فیٹ کے فاصلہ پر لگانا چاہیئے۔ مذکر درخت کھجور کی دو قسمیں ہیں۔ ایک غنامی جو بہترین ہے اس کے پودے تو ۷۵ فیصدی تلف ہوجاتے ہیں۔ اور دوسری فکری ہے جس سے بہت پھل پیدا ہوتا ہے۔

کھجور کے اقسام	کھجوروں کی کئی قسمیں بلحاظ عمدگی کے ہوتی ہیں۔ بصرہ کی کھجوروں میں سب سے عمدہ قسم "حلاوی" (شیریں) سمجھی

جاتی ہے۔ اور دوسری عمدہ قسم خضراوی ہے (یعنی سبز) ہے۔ ایک اور عمدہ قسم زہدی ہے۔ یہاں علاوہ زیادہ تر امریکہ کو جاتی ہے۔ جہاں وہ پسند کی جاتی ہے۔ خضراوی آسٹریلیا کو۔ اور یہ تینوں قسمیں یورپ کو بھی جاتی ہیں۔ یہاں لوگ زیادہ "سائر" قسم کو پسند کرتے ہیں۔ اور "دیری" "چپاب" اور "قنطار" وغیرہ اور قسمیں عام کھجور کی ہیں۔

محاصل اراضی

جیسا کہ میں پہلے لکھ چکا ہوں۔ کھجور اس ملک کی دولت بلکہ زندگی ہے۔ اس لئے سرکار اگر کسی شخص کا کھجور کا پودا کاٹتی ہے۔ تو تین سے پندرہ بیس روپیہ تک حسب حیثیت بطور معاوضہ دیتی ہے۔ اور ہر مالک نخلستان کی دولت کا اندازہ اس سے کیا جا سکتا ہے۔ ترکی زمانہ میں فی جریب (قریباً ایک ایکڑ) نخلستان کا مالیہ سرکاری ایک ترکی لیرا یعنی پونڈ (ٹک ۵) سے لیکر ڈیڑھ اور دو ترکی پونڈ تھا۔ جو مختلف مقامات اور حیثیات باغ کے مطابق لگایا جاتا تھا۔ اور اب تک بھی وہی مالیہ ہے۔ پہلے ترک محصل ہر باغ کے درخت شمار کر کے لیا کرتے تھے۔ مگر اس میں بڑی مشکلات پیدا ہوتی تھیں۔ اس لئے مشہور ترکی ریفارمر مدحت پاشا جب عراق عرب کا گورنر جنرل ہو کر آیا۔ اس نے مختلف باغات کو دیکھ کر اور پیمائش کر کے یہ شرح بطور تشخیص درجات مقرر کر دی۔ یہ کہ ہر سال کمی بیشی ہوتی ہے۔۔۔ مدحت پاشا کے شمار کی بنیاد اڑھائی قرش (۵ یا فی درخت نہر سے کاٹ کر پانی لگانے پر ۱½ قرش (زہور)، لفت یا ڈھینکلی سے سے پانی دینے پر مقرر کی گئی تھی۔ اور بارانی پیداوار پر کچھ مالیہ نہیں لگایا گیا تھا۔ بعد ازاں اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ نہر کاٹ کر پانی لگانے والے قطعات اراضی سے آمدنی کا خمس (پانچواں) اور لفٹ کی آبپاشی سے عشر (دسواں حصہ) لینا تجویز کیا گیا۔ اور اس تجویز کا نتیجہ وہ تشخیص مقرر ہوئی۔ جو اوپر درج کی گئی ہے۔

اقسام جنس اراضی | ترکوں کے یہاں صیغہ اراضی کی کئی اقسام مقرر تھیں۔ اول قسم ملاک یعنی (لینڈ اونرشپ) اصل مالکان اراضی ہیں۔ دوسری "میری" (کراؤن ٹیننٹ) جو پنجاب کے اعلیٰ مالکوں کی طرح ہیں اور موروثی مالکوں سے اونچے ہیں۔ تیسرے "تعب" (اوکوپینسی ٹیننٹ) یعنی مزارع موروثی ہیں یہ لوگ اپنے حقوق یعنی تعب کو فروخت بھی کر سکتے ہیں۔ چوتھے "فلاح" یعنی مزارع غیر موروثی۔ نواح بصرہ میں سلطان عبدالحمید خان ثانی کی ذاتی ملکیت بڑا رقبہ اراضی تھا جو ترکی ینگ منسٹری حکومت کے زمانہ میں ضبط کر کے سرکاری ملکیت بنایا گیا اب فتح انگریزی کے بعد بھی وہ سرکاری ملکیت رہا ہے۔ اس اراضی کو سنیہ کہتے ہیں اور باقی سرکاری اراضی کو میری۔ بڑے قطعات اراضی کہلاتے ہیں اور چھوٹے قطعات مقاطع جن پر خمس یا عشر لگان لیا جاتا ہے

صیغہ اوقاف | ایک سرکاری محکمہ بنام ادارۃ الاوقاف ہے کہ جس میں ان تمام وقفوں کا انتظام کیا جاتا ہے۔ کہ جو جائداد سرکار کی معرفت وقف کے کام آتی ہے۔ لیکن پرائیویٹ وقف علیحدہ ہیں کہ جن کے متولی ان کا انتظام کرتے ہیں۔ چونکہ زمانہ جنگ و انتظام جدید اخراجات زندگی بہت بڑھ گئے ہیں۔ اس لیے بصرہ میں بعض مساجد کے اماموں موذنوں درود خوانوں اور خدام کی تنخواہیں بڑھائی گئی ہیں۔ درود خوان یہاں اور بعض مساجد کی مرمت کیلئے بھی امداد دی گئی ہے۔ عبداللہ آغا کی مسجد شہر بصرہ میں سب سے بڑی ہے۔

طاپو | طاپو یعنے (title deed) رجسٹری اراضی کا ترکوں کے یہاں ایک نیا صیغہ ہے۔ جو یہاں جاری ہے۔ ہندوستان میں رجسٹرار صرف اتنا تصدیق کرتا ہے کہ میرے سامنے اس بات کا فلاں فلاں نے اقرار کیا اور اتنا روپیہ دیا۔ مگر طاپو کا افسر تصدیق کرتا ہے میں نے تحقیقات کر کے فیصلہ کر دیا ہے کہ یہی شخص فلاں جائداد کا صحیح مالک ہے۔

محصول کسٹم | ترکوں کے یہاں محصول درآمد ۱۱ فیصدی ایڈ ویلورم بلحاظ قیمت اشیاء تھا۔ کہ جسے حال میں دس فیصدی محصول کر دیا گیا ہے

کے مخارج پر ایک فیصدی تھا۔ اور ترکی حکومت میں سبزیوں ترکاریوں پر بھی دس فیصدی محصول چنگی تھا۔ اگرچہ کہ سبزی ترکاری یہاں بہت کم پیدا ہوتی ہے اور فوج کے لئے اس کی بہت ضرورت ہے۔ اس لئے بقولات کو ترقی دینے کے لئے انتظام انگریزی نے یہ محصول بالکل معاف کر دیا ہے۔ بصرہ میں ترکی عہد میں بھی میونسپلٹی قائم تھی۔ مگر لوگ اس کے انتظام میں ذرا دلچسپی نہیں لیتے۔

سوق الدجاج کی آمدنی

ترکوں کو مالیہ کم وصول ہونے کی ایک دو مثالیں بے موقعہ نہ ہونگی۔ بصرہ میں ایک سوق الدجاج یعنی پولٹری بازار ہے جہاں مرغیاں اور بطخیں بکتی ہیں۔ میونسپلٹی یا گورنمنٹ کو اس کی آمدنی کی معقول رقم ملنی چاہئے۔ مگر ایسا نہیں ہوتا تھا۔ بصرہ کے رئیس البلدیہ یعنی پریزیڈنٹ میونسپل کمیٹی کے پاس ایک باضابطہ سند حکومت ترکی کی موجود ہے۔ جس کے مطابق سوق الدجاج کی تمام آمدنی دوامی اس کو ملتی ہے۔ جو اس کا ذاتی حق سمجھا جاتا ہے۔ کیا دنیا میں کوئی سلطنت بھی ایسی فیاضی کرتی ہے؟

مالیہ کی معافی

اور اس قسم کی مثالیں بھی ترکی حکومت میں شاذ نہ تھیں کہ ایک قبیلے کے شیخ کے ذمہ دس ہزار روپیہ مالیہ واجب ہے۔ شیخ جانتا ہے کہ کون کون شخص والی یعنی گورنر کے دوست ہیں جن کا ان پر اثر ہے۔ شیخ والی کے ایک دوست سے معاملہ کرتا ہے۔ کہ اگر میرا دس ہزار مالیہ والی سے کہہ سنکر معاف کرا دو۔ تو ایک ہزار روپیہ تمہیں دوں گا۔ دوست والی کے پاس جاکر سازش کرتا ہے۔ کہ فلاں شیخ مفلس ہو گیا ہے۔ یا امسال اس کی فصل اچھی نہیں ہوئی۔ اور اگر اس سے مالیہ وصول کیا گیا۔ تو وہ برباد ہو جائیگا۔ والی نیک نیت اور رحمدل آدمی ہے۔ وہ قسطنطنیہ کو اس شیخ کا مالیہ معاف کر دینے کی پرزور سفارش کرتا ہے اور وہاں بھی رحمدل لوگ بیٹھے ہوئے ہیں جو باوجود دیکھ جاننے

ہیں۔ کہ سلطنت کو روپیہ کی سخت ضرورت ہے۔ مگر رحمدلی یا سہل انگاری سے مالیہ معاف کر دیتے ہیں اور والی کے دوست کی جیب میں ایک ہزار روپیہ خود بخود داخل ہو جاتا ہے۔ کبھی کوئی دوسری سلطنت اس طرح مالیہ معاف نہیں کرتی۔ چنانچہ اس کا نتیجہ یہ ہے کہ ترکوں کے پاس حکومت کا کام چلانے کیلئے روپیہ نہیں ہے۔

کاغذی سسٹم کی تعریف

غرضکہ عموماً انگریز افسر تسلیم کرتے ہیں۔ کہ ترکی کا ریونیو سسٹم کاغذ پر نہایت اعلیٰ درجہ کا تھا۔ مگر اس پر عمل نہیں کیا جاتا تھا۔ کیونکہ اس پر پوری طرح عمل کرنے کے لئے جسقدر روپیہ اور انتظام (ارگنی زلیشن) کی ضرورت تھی۔ وہ موجود نہیں تھا بعض اوقات صوبجات کے گورنر بدویوں کی شورش یا بد نظمی کی وجہ سے اضلاع اور مفصلات سے مالیہ وصول نہیں کر سکتے تھے۔ جیسے کہ ۱۹۱۳ء میں فرات کی طرف نصیریہ میں بدویوں کی بغاوت کی وجہ سے بد نظمی تھی۔ اور ترکی فوج کو بدویوں نے شکست دیدی تھی۔ اور ضلع کے حاکم نے صرف شہر کے قبضہ پر قناعت کی ہوئی تھی۔ مگر حکام صوبہ نے قسطنطنیہ کو رپورٹ کر دی۔ کہ تمام مالیہ وصول ہو گیا ہے۔ اور اسقدر رقم فلاں سڑک کی تیاری پر صرف کر دی گئی ہے۔ اور اسطرح جمع خرچ برابر ہو گیا ہے۔

شکست کی اصل وجوہات

مگر سلطنت عثمانی کے افلاس اور ترکوں کی بد نظمی کی یہاں چپہ چپہ پر مثالیں نظر آتی ہیں۔ خواہ وہ بد نظمی روپیہ کی قلت کی وجہ سے ہوئی ہو۔

ترکی حکومت کی بے پروائی

ایک شخص نے ہمدردی کے لہجہ میں مجھے کہا کہ ترک اس ملک میں چار سو سال حکومت کر گئے ہیں۔ ترکوں نے اپنے پیچھے کوئی ایسا زبردست نشان نہیں چھوڑا کہ جس سے پتہ لگ سکے کہ فلاں قوم اتنی صدیاں اس ملک پر حکومت کر گئی ہے۔ نہ کوئی

ریلوے لائین ہے۔ نہ کوئی پختہ سڑک یا پختہ پل ہے۔ کہیں کنواں نہیں کوئی کتب خانہ نہیں۔ کوئی اخبار نہیں۔ اور نہ کوئی ان کا افسوس کرنیوالا باقی ہے

تنخواہوں پر اثر

میں نے عمارہ میں ایک روز ایک پولیس کے سپاہی سے پوچھا۔ تمہاری کیا تنخواہ ہے۔ اُسنے کہا اب پچیس روپیہ میری تنخواہ ہے مگر ترکوں کے زمانہ میں پولیس کی تنخواہ چار ترکی لیرہ تھی۔ مگر وہ ہر تین چار ماہ کے بعد ایک ماہ کی تنخواہ دیتے تھے۔ مجھے یہ بیان سُنکر تعجب ہوا۔ آخر ایک عرب سے جو ترکی فوج میں مدت تک رہچکا ہے۔ میں نے تصدیق کرنا چاہی۔ تو معلوم ہوا کہ زمانہ استبداد میں یعنے ینگ ترک کی حکومت سے پہلے بیشک تنخواہ کی یہی حالت تھی۔ ایک ماہ کی ملی۔ دو تین ماہ کی نہ ملی۔ اور پھر اس کی اصلاح کردی گئی تھی۔ گو تنخواہیں کم کردی تھیں۔ مگر برابر ملتی تھیں۔ لیکن زمانہ جنگ میں یہی حالت سب کی تنخواہوں کی ہوگئی۔ پولیسمین پر کیا حصر ہے۔ والی کی تنخواہ کا بھی یہی حال تھا۔ بلکہ فوج میں تو ہر سپاہی کی تنخواہ جو ایک مجیدی یعنے ۴؍ ماہوار علاوہ روٹی اور وردی کے ہے۔ اس کو کم کرکے صرف ۱۰ ماہوار کردیا گیا تھا۔ کہ جسمیں سپاہی کے سگرٹ ہی نہیں چل سکتے تھے اور وہ نہایت عسرت سے گذارہ کرتے تھے۔ اور پولیس کے چار پونڈ تنخواہ کا یہ مطلب ہے کہ سارے شہر عمارہ میں اس وقت چار پانچ پولیسمین ہوتے تھے۔

سپاہیوں کے پسماندگان

اس کے علاوہ ایک اور شکایت یہ پیدا ہوگئی۔ کہ جبکہ ملک میں ہر جوان کے بھرتی کرنے کی ضرورت پڑ گئی۔ تو جس بڈھے باپ یا ماں کے دو تین بیٹے تھے۔ ان سب کو ہی جبراً بھرتی کرلیا گیا۔ لیکن ان لوگوں کو کھانے پینے کے لئے کوئی تنخواہ نہیں دی گئی۔ جیسے کہ انگریز اور تمام اقوام یورپ ان سپاہیوں کے پسماندگان کو

دیتے ہیں۔ کہ جنہیں وہ فوج میں بھرتی کرتے ہیں میں نے کل ایک گورے سوبجر سے پوچھا تھا کہ تمہاری بیوی کو کیا تنخواہ ملتی ہے۔ تو اس نے بتلایا کہ اکیس شلنگ یعنے پونے سولہ روپے ہفتہ وار۔ ایسی مفلسی اور مصیبت کی حالت میں جن لوگوں نے اپنی قوم کو جنگ کی بلا میں گرفتار کرایا ہے۔ انہوں نے بڑا ظلم کیا ہے۔

علمکٹ بازاری

تعجب ہے۔ کہ بصرہ اتنے بڑے شہر میں جو مشرق کا نہایت مشہور بندر اور تجارت گاہ ہے۔ ایک دوکان کتابوں کی موجود نہیں میں نے بہت چاہا۔ کہ دیکھوں کوئی اچھی کتاب ملے۔ مگر قطعی ناکامی ہوئی۔ ترکوں کے زمانہ میں ایک اخبار سنا ہے کہ نکالا گیا تھا مگر وہ بار بار بند کیا جاتا تھا۔ اس لئے مدت سے بند ہو گیا۔ دو مدرسے حکومت عثمانی کی طرف سے بیشک تھے اور ایک امریکن مدرسہ بھی جاری ہو گیا تھا۔ مگر اتنے بڑے شہر کے لئے کافی نہ تھے۔

سپاہیوں کے ریلیف فنڈ

عشار بارکوں میں ریلیف فنڈ کا دفتر بھی تھا۔ جو سامان کی کثرت سے لبریز ہو رہا تھا۔ ہمیں انگلستان کے دو فنڈوں اور ہندوستان کے تین چار فنڈوں سے آیا ہوا مال جمع ہو کر آگے انگریزی اور ہندوستانی افواج میں کہ جہاں جہاں ضرورت معلوم ہوتی تقسیم کیا جاتا۔ اور بہت اچھی طرح سے اس بات کا ریکارڈ رکھا جاتا ہے۔ کہ کس کس فوج کے سپاہیوں کو کب کیا کیا سامان بطور امداد دیا گیا۔ کیونکہ کیا میدان جنگ میں کیا ہسپتال میں اور کیا آرام کی حالت میں سپاہی کو کئی ان چیزوں کی ضرورت ہوتی ہے۔ جو نہ تو سرکار کی طرف سے اُسے ملتی ہیں اور نہ وہ خود میسّر کر سکتا ہے۔ بجائیکہ ان اشیائے آسائش کی موجودگی میں زندگی کا لطف بڑھ جاتا ہے۔ اس دفتر میں سینکڑوں پیٹیاں ہر قسم کے سامان کی بھری ہوئی تھیں انگلستان میں لونٹیس آف کارناروں کا فنڈ تمام میسوپوٹیمین کمفرٹس کے بہت بڑا ہے

جو صرف میسوپوٹیمیا کے یورپین سولجروں کے آرام کیلئے کھولا گیا ہے۔ دوسرا فنڈ ہو انگلستان سے ریلیف بھیجتا ہے۔ وہ لارڈ کرزن کا انڈین سولجرس ریلیف فنڈ ہے کہ جو سر جان ہیوٹ کی نگرانی میں چلتا ہے۔ یہ صرف ہندوستانی سپاہیوں کی امداد و آرام کے لئے ہے۔ تیسرا فنڈ لیڈی ولنگڈن صاحبہ مبئی میں جمع کرتی ہیں۔ معلوم ہوا کہ ہندستان کے سب فنڈوں سے یہ بڑا ہے۔ اور بہت سامان بھیجتا ہے اس کے علاوہ لیڈی اوڈوائر کا ریلیف فنڈ پنجاب سے اور لیڈی چلمسفورڈ کا ریلیف فنڈ دہلی وسملہ سے بہت سامان بھیجتا ہے اور ہندستان سب فنڈ یورپین اور ہندستانی سپاہیوں کی امداد کیلئے سامان بھیجتے ہیں

کیا کیا سامان ریلیف ہوتا ہے

ان سب ریلیف فنڈوں کا سامان پانچ اقسام پر تقسیم ہو سکتا ہے (اول) کھانے پینے کی قسم کی چیزیں (دوم) تنباکو وسگرٹ وغیرہ (سوم) صحت اور صفائی کی چیزیں مثلاً صابن۔ دھندلی عینکیں مچھردانیاں (چہارم) ڈرامون۔ لٹریچر مثل اخبارات کتب اور (پنجم) کھیلیں اور دل بہلاؤ کا سامان مثل تاش وچوسر و شطرنج وغیرہ اور ان چیزوں کی یہاں کچھ کمی نہ تھی۔ مگر ابھی بہت ضرورت ہے۔

ہندوستانی سپاہی کی مرغوب چیزیں

ہندستان کے فیاض معطیوں اور فنڈوں کے منتظمین سے امید ہے۔ کہ آئندہ وہ اس بات کا لحاظ رکھیں گے۔ کہ ہندوستانی سپاہیوں کے خاص ضرورت کی چیزیں بھی زیادہ ارسال فرمایا کریں گے چنانچہ بعض ڈاکٹر صاحبان کی مدد سے مندرجہ ذیل فہرست ان ضروری چیزوں کی تیار کی گئی ہے۔ جو ہندوستانی سپاہی کے لئے زیادہ موجب راحت ہو سکتی ہیں۔ (۱) اچار لیموں (۲) آم کے گترے کا اچار (۳) اچار مرچ (۴) اچار ادرک (۵) سر کے لئے تیل (۶) ناخون

کاٹنے کو قینچیاں (۷) سر دہونے کو بیٹھے یا بیسن (۸) بیماروں کے لئے جوتیاں
کیونکہ فوج کی وردی میں صرف بوٹ ملتے ہیں (۹) ہلکی گول خاکی ٹوپیاں (۱۰)
کہانا کہانے کے لئے رکابیاں (۱۱) دہوتیاں اور تہ بند اب صرف پاجامہ
سوٹ آتے ہیں۔ جو یورپین سپاہیوں کی ضرورت کی چیز ہے (۱۲) گرم مصالحہ
معہ دھنیا۔ زیرہ۔ دال چینی والائچی (۱۳) بجائے انگریزی مٹھائی کے ریوڑیاں
ہندوستانی زیادہ پسند کریں گے یا کوئی اور دیرپا مٹھائی۔ جو خصوصاً ہندو
مسلمانوں و سکھوں کے تیوہاروں پر ضرور بھیجنی چاہیئے۔ جیسے کہ ولایت سے
یورپین سولجروں کو کیکوں کے پارسل آتے ہیں۔ اور وہ بہت خوش ہوتے
ہیں (۱۴) خشک سبزیاں و ترکاریاں جیسے شلجم یا میتھی (۱۵) اچور (۱۶)
انار دانہ (۱۷) ستو (۱۸) پکوڑے بنانے کو بیسن وغیرہ اشیاء۔

ریڈ کراس کا کام

جس طرح وار ریلیف فنڈ تندرست سپاہیوں کو آرام و آسائش کی چیزیں بہم پہنچاتا ہے۔ ویسے ہی سینٹ جانس ایمبولانس ریڈ کراس فنڈ بیمار اور زخمی سپاہیوں کی ہر طرح سے اعانت اور دستگیری کرتا ہے۔ بصرہ میں اسی احاطہ میں فنڈ کا دفتر اور ذخیرہ بہی تہا۔ کہ جہاں ہم لوگ مقیم تھے۔ ایک روز ہم نے اس فنڈ کا دفتر بھی دیکھا یہ ذخیرہ ریلیف فنڈ کے ذخیرہ سے بہت بڑا ہے۔ اس سے بوقت ضرورت سرکاری فوجی ہسپتالوں کو بہی مدد دی جاتی ہے۔ چنانچہ جبتک گورنمنٹ کے پاس ادویات وغیرہ کے ذخائر کافی نہ تھے۔ یہ فنڈ مدد دیتا رہا ہے وہ سب ضروریات جو ریلیف فنڈ بھیجتے ہیں اور ان کے علاوہ ادویات اور مریضوں کی ضروریات و خوراک اور اخبارات و رسالے اس ذخیرہ میں موجود ہیں۔ میں نے افسر انچارج سے کہا کہ وائیٹلی کے شاپ کی طرح آپ کا

گودام بہی جنرل سپلائرز کی شاپ معلوم ہوتا ہے۔ مگر فرق صرف اتنا ہے آپ چیزیں دیکر پیسہ دام نہیں لیتے۔ افسر نے بتلایا کہ ہماری خواہش رہتی ہے۔ کہ ہر فوجی پائنٹ پر ہماری شاخ سب سے پہلے قائم ہو جائے۔

کسی چیز کی ضرورت نہیں رہی

چنانچہ جس روز بغداد پر ہمارا قبضہ ہوا تو دو روز بعد ہمارا فیلڈ فورس کنٹین کھل گیا۔ جہاں سپاہیوں کو نہایت ارزاں قیمت پر ضروری چیزیں ملتی ہیں۔ اور چودہ روز قبضہ بغداد کے بعد ہمارے چار سو کیس (صندوق) سٹورز (سامان وغیرہ) کے وہاں پہنچ گئے۔ بصرہ میں ہیں یعنے مرکز ہے اور عمارہ اور بغداد شاخیں ہیں۔ بغداد میں کانوے سنٹ ( ) ہوم تیار ہو گیا ہے۔

ہمارے سوال پر کہ کیا آپ کے فنڈ کو اور کسی چیز کی اس وقت ضرورت ہے۔ بتلایا کہ ہمیں اس وقت اور تو کسی چیز کی کمی نہیں۔ البتہ اس وقت ایک ہزار فٹ بال مل جائیں تو کام آ جائیں گے۔ گو یہ بھی ممکن ہے کہ فٹ بالوں کی کوئی کھیپ راستہ میں ہو یا کل ہی پہنچ جائے۔ ہندوستانی سپاہی بھی فٹ بال اور کرکٹ کو بڑے شوق سے اختیار کر رہے ہیں۔ کوئی اوفٹ دو رپان ڈورگیم ہو اگر بھیجدی جائے تو کام آ جائے گی۔ کہا کہ سپیگنم ماس ڈریسنگ کا ہمارے پاس ذخیرہ تھا۔ گورنمنٹ کے پاس پٹیوں کا ذخیرہ ہسپتالوں میں کم ہو گیا تو ہم نے گورنمنٹ کو بھی امداد دی۔

ریڈ کراس ورکشاپ

ریڈ کراس فنڈ حکام فوجی کے لئے بار خاطر ثابت نہیں ہونا چاہتا۔ بلکہ واقعی یار شاطر ہے۔ کیونکہ اپنے سامان کو بھی میدان جنگ تک پہنچانے کے لئے فوجی افسروں سے سٹیمر اور سٹیم لانچ نہیں مانگتا چنانچہ اس کے پاس اس وقت اپنے پینتیس (۳۵)

سٹیم لانچ اور سٹیمر ان اور پچاس موٹر ایمبولانس درکار ہیں۔ دولتمند اقوام کی خوش نصیبی اور انگلستان کی حب الوطنی اور جنگ کے لئے فیاضانہ امداد کی ایک نظیر ریڈ کراس ڈپو کے پاس ہمیں دکھلائی گئی۔ یہ ریڈ کراس موٹر بوٹوں اور سٹیمروں کی مرمت کا ورکشاپ ہے۔ جہاں (۳۵) سٹیم لانچ اور (۵۰) موٹر ایمبولانس ہوں ان کی مرمت کی اکثر ضرورت پڑتی ہے چنانچہ لنڈن کے سینو میٹوگراف کے کارخانوں نے چندہ کرکے برٹش ریڈ کراس کو تیس ہزار پونڈ (ساڑھے چار لاکھ روپیہ) دیدیے کہ جس سے بصرہ میں یہ مکمل ورکشاپ کھولا گیا ہے۔ اور اب ان مشینوں کے کسی پرزے کے ولایت سے منگوانے کی ضرورت نہیں پڑتی بمبئی کو کوئی چیز مرمت کیلئے بھیجنی پڑتی ہے۔ اور عین میدان جنگ کی خندقوں سے زخمی ایمبولانس کار اٹھا کر لاتے ہیں۔ اور ادہر ہمارے سٹیمر انہیں ڈال کر عمارہ یا بصرہ یا محمرہ کے ہسپتالوں کو اٹھا کر لے آتے ہیں۔

پانچ ملین سیگرٹ

ہم کو اتبک پانچ ملین یعنے پچاس لاکھ سگرٹ ہمیں مل چکے ہیں۔ مگر ابھی بے انتہا مانگ ہے۔ لیڈی اوڈوائر اور لیڈی کارمائکل کے فنڈوں سے اشیاء براہ راست ہمارے پاس پہنچتی ہیں۔ یہ مان لینا غلط ہے کہ اب انگلستان اور ہندوستان میں اس قسم کی امداد جمع کرنے کی مزید ضرورت نہیں۔ ریڈ کراس کے افسر بھی ایسی مستعدی اور دلدہی سے کام کرتے ہیں کہ بیساختہ ان کی تعریف کرنا پڑتی ہے۔

مسجد علی کا منار

۱۴۔ اپریل کو اخبار نویسوں کا قافلہ میجر پلّی صاحب کے ہمراہ ایک موٹر بس پر سوار ہو کر بصرہ سے باہر قصبہ زبیر دیکھنے گیا۔ یہ مقام عین بیابان کے میان بصرہ سے دس میل کے فاصلہ پر

واقعہ ہوگا۔ بصرہ سے لیکر وہانتک راستہ میں ایک درخت نہیں۔ اور نہ کوئی سبزی ہے۔ اس لئے یہ سراب کا خوب لطف آتا ہے۔ ایک دفعہ ایک یورپین ہمسفر نے ایک دوسرے صاحب سے شرط باندھی۔ کہ وہ سامنے خرماستان ہے مگر صرف سراب کا دہوکا تھا۔ اسی طرح خصوصًا دہوپ کے وقت ان جنگلوں میں پانی یا اور چیزیں دور سے نظر آتی ہیں۔ جو درحقیقت موجود نہیں ہوتیں۔ زبیر پہنچنے میں ابھی ڈیڑھ میل باقی ہوگا۔ کہ راستہ میں ایک ناتمام مینار رکھڑا ہے۔ جسے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی مسجد کا مینار بنایا جاتا ہے۔ اب اصل مسجد تو سوائے اس ایک نامکمل مینار کے باقی نہیں رہی مگر اس کی جگہ ایک چھوٹی سی معمولی مسجد بنادی گئی۔ سڑک کی دوسری طرف ایک قہوہ خانہ بنا ہوا ہے جسمیں وسط میں ایک چھوٹا سا پانی کا چہ بچہ ہے مگر اسمیں اس وقت پانی نہ تھا۔ البتہ دیوار میں زمین کے اوپر ایک طاقچہ سا بنا ہوا ہے اسمیں پانی موجود تھا۔ ایک عرب باہر سے آیا اور اس نے آبخورہ لیکر یہاں سے پانی پیا۔ یہ دراصل راستہ میں مسافروں کے پانی اور قہوہ کے آرام کے لئے جگہ بنائی گئی ہے۔ اور پانی گدھے پر پکھال میں لادکر زبیر سے لاتے ہیں۔

مقبرہ طلحہؓ مسجد علی سے پون میل کے فاصلہ پر کھنڈرات کے درمیان سیجانب ایک گنبد دار مقبرہ نظر آتا ہے۔ جو حضرت طلحہ بن عوامؓ کا مقبرہ ہے۔ جو عشرہ مبشرہ سے تھے۔ اور اس کے پاس ہی اس بیابان میں ایک مقبرہ ہے جو معلوم نہیں ہوا کہ کس کا ہے۔

قدیم بصرہ دراصل یہ مینار مسجد اور حضرت طلحہؓ کا مقبرہ جس مقام پر واقعہ ہیں۔ یہاں سے لیکر زبیر تک خصوصًا راستہ کے دائیں طرف ایک قدیم شہر کے کھنڈرات معلوم ہوتے ہیں۔ اور مٹی کے ڈھیروں پر چھوٹے

چھوٹے پتھروں یا اینٹوں کے ٹکڑے نظر آتے ہیں۔ میں بصرہ کے بیان میں ذکر کر چکا ہوں۔ کہ حضرت عمر فاروقؓ کے زمانہ میں حضرت ابو عبیدہؓ جنہوں نے شہر بصرہ کی بنیاد رکھی تھی۔ وہ حال کے بصرہ سے ۰۰۰ میل دور ہے۔ یہ وہی قدیم بصرہ ہے جو فرات کی ایک نہر پر واقع تھا۔ اور اس کے خشک ہو جانے یا مقام بدل دینے سے یہ شہر ویران ہو کر موجودہ بصرہ دریائے شط العرب کے قریب جا لبسا۔ مگر حضرت طلحہؓ و زبیرؓ و حسن بصریؒ وغیرہ بزرگان دین کی جو قبریں یہاں بن چکی تھیں۔ وہ ابتک موجود ہیں۔ اور معلوم نہیں اور کتنے نامورانِ اسلام کی آرامگاہوں کا کچھ نشان باقی نہیں رہا۔

قصبہ زبیر ہمارے جانے کی خبر پہلے شیخ زبیر کو بھیجدی گئی تھی۔ زبیر ایک خاصا لمبا چوڑا قصبہ ہے جس کے مکانات گو صرف کچی مٹی اور کچی اینٹوں کے اور صرف یک منزلہ ہیں۔ تاہم بڑے بڑے وسیع اور بلند ہیں مسلمانوں کے تمام ملکوں کی طرح مکانوں کے دروازے چھوٹے چھوٹے ہیں۔ لیکن اندر داخل ہوں تو مکان معہ صحن کے کھلا معلوم ہوتا ہے۔ ہم شیخ زبیر کا مکان پوچھکر پہنچ گئے۔ اور اندر اطلاع کرنے پر شیخصاحب نے ہمیں اندر لیجا کر ایک بڑے صحن سے گذر کر جس کے بائیں ہاتھ کو ایک مکان معہ برآمدہ کے تھا۔ اور سامنے دیوان خانہ تھا ہمیں وہاں لیجا کر بٹھلا دیا۔ ہر مکان کے اندر دروازوں کی جگہ چھوڑ کر چاروں طرف دیوان یا صوفے لگے ہوئے تھے۔ کہ جن پر ہم لوگ بیٹھ گئے۔ اور چونکہ میرے رفقا میں سے سوائے میجر بلی صاحب کے کوئی عربی نہ جانتا تھا۔ اس لئے میری معرفت سب نے شیخصاحب سے بات چیت شروع کی۔ شیخ زبیر کا نام شیخ ابراہیم بن عبداللہ ہے جو اس نواح عراق کے اکابر شیوخ سے ہیں۔ میرے سوالات کے جواب میں تبلایا

کہ اس شہر کی آبادی ۱۰،۰۰۰ ہزار کی ہے۔ یہاں کے لوگوں نے نہ کبھی ترکوں کو خراج دیا اور نہ فوج کی بھرتی میں مدد دی۔ صرف برائے نام ترکی حکومت کی سیادت منظور کی ہوئی تھی۔ ممکن ہے کہ چونکہ یہاں بڑی بڑی اسلامی زیارات ہیں۔ ان کی وجہ سے ترکوں نے زبیر سے یہ خاص سلوک کیا ہو ورنہ سنا گیا ہے کہ شیخ زبیر چار ہزار آدمی میدان جنگ میں لا سکتا ہے شیخ صاحب نے کہا کہ قدیم زمانہ سے یہ مقام میرے بزرگوں کے ماتحت چلا آتا ہے۔ جو بادیہ سے آکر یہاں آباد ہو گئے تھے۔ یہاں کے لوگ اس وقت ان پانچ ذرائع سے معاش حاصل کرتے ہیں (اول) جن لوگوں کے املاک بصرہ میں ہیں۔ وہ وہاں کی آمدنی اور کرایہ پر بسر کرتے ہیں (دوم) بعض لوگ کویت محمرہ اور ایران تک تجارت کرتے ہیں (مثلاً یہ عبائے صوف جو میں نے پہنی ہوئی ہے۔ یہ صرف ایران سے آتی ہے (سوم) زراعت پیشہ لوگ بطیخ (ہندوانہ) وحبب بوتے ہیں اور بارش کا پانی میسر آجائے تو گیہوں کی بھی کاشت کرتے ہیں۔ کیونکہ کنوؤں سے پانی کافی نہیں ملتا میں نے پوچھا کہ حبب کیا ہے۔ تو آدمی سے نمونہ منگوا کر دکھلایا۔ یہ گھوڑوں کا چارہ ہے۔ جسے انگریزی میں لوسرن کہتے ہیں (چہارم) تجارت گائے بھیڑ اور گھوڑوں وغیرہ کی اور (پنجم) بعض لوگ مکانات بنا کر اور زمین کھود کر معاش پیدا کرتے ہیں

قبر انس بن مالک رضؓ

شیخ صاحب سے معلوم ہوا کہ حضرت زبیرؓ کی قبر کہ جس کے نام سے یہ قصبہ مشہور ہے۔ شہر کے اندر ہے۔ اور حسن بصریؒ کی قبر باہر قبرستان میں ہے۔ جو ایک میل کے فاصلہ پر شہر سے باہر ہے۔ لیکن حضرت انس بن مالک حضرت پیغمبر صاحب کے غلام کی قبر قصبہ زبیر سے

دو ڈھائی میل دور بجانب شیبہ ہے کہ جہاں انگریزی افواج نے ترکی افواج کو ہزیمت دی تھی۔ افسوس ہے کہ میں "مجبور یاراں" تھا۔ اور میرے ساتھیوں کو جن میں سے پانچ انگریز اور تین ہندو تھے۔ ان مقابر سے زیادہ دلچسپی نہ تھی۔ تاہم میرے شوق کو دیکھکر سب صاحبان قصبہ کے اندر حضرت زبیر رضؓ کے مقبرہ تک گئے۔ دھوپ تیز تھی۔ اور اس مقبرہ کے پاس مسجد از سر نو تعمیر ہو رہی تھی۔ اس لئے مٹی کا ڈھیر کوٹھوں کے برابر بلند راستہ میں پڑا تھا۔ کہ جس کے اوپر سے سب کو گذرنا پڑا۔ اس لئے اس کے بعد کسی کو اتنا شوق ہی باقی نہ رہا۔ کہ مقبرہ کے اندر ہی جا کر دیکھے۔

مقبرہ حضرت زبیر کویت کے ایک عرب سوداگر شیخ جاسم بن ابراہیم سوداگر موتی نے جو بمبئی کے ایک لکھ پتی عرب سوداگر ہیں۔ اس مسجد کو جو حضرت زبیر کے مقبرہ کے ساتھ تھی خراب خستہ دیکھکر اس کی تعمیر کے لئے معقول روپیہ دیا ہے۔ چنانچہ اب پاس کی اور زمین خرید کر مسجد کی توسیع کی جا رہی ہے۔ اور بہت گہری بنیادیں کھودی گئی ہیں۔ جہاں پختہ مسجد تعمیر ہو گی جسمیں سبز ٹائیل ہندوستان سے منگوا کر لگائے جا رہے ہیں۔ مسجد کی پشت پر مقبرہ ایک چھوٹے سے بے حیثیت مکان میں ہے مگر پاس ایک عمدہ مینار موجود ہے۔ جسے سبز ٹائیل لگے ہوئے ہیں۔ شاید قدیم مسجد کا مینار ہو گا۔ مقبرہ کا دروازہ مقفل تھا۔ شیخ صاحب کے آدمی نے متولی کو بلا کر دروازہ کھلوایا۔ پہلے تو اس شخص نے مجھے بوٹ سمیت اندر جانے دینے سے انکار کیا۔ مگر جب میں داخل ہو گیا تو وہ خاموش رہا۔ قبر کے گرد بلند چوبی جنگلہ تھا اور زمین پر چٹائی بچھی تھی۔ چند قمقمے چھت سے آویزاں ہیں۔ میں نے فاتحہ پڑھا اور متولی کو کچھ پیسے دیئے۔ اب میری خواہش تھی۔ کہ میں خواجہ حسن بصریؒ کی قبر پر جاؤں۔

دھوپ تیز تھی۔ اور دہ میل بھر قصبہ سے باہر تھی ساس لئے میرے رفقار

حضرت حسن بصری کا مقبرہ

تو شیخ زبیر کے مکان کو چلے گئے۔ اور میں ایک آدمی ہمراہ لیکر قبرستان کو گیا۔ مگر دو چار بلکہ پانچ سات چھوٹے بچے خود بخود میرے ساتھ ہو گئے۔ اور جو کوئی کوئی اردو کا کلمہ بولتے تھے شیخ زبیر سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ بہت سے ہندوستانی ان مقابر کی زیارت کیلئے یہاں آتے رہتے ہیں۔ قبرستان میں عین وسط میں ایک مقبرہ ہے جس کا گنبد جیسی پیگوڑا کی شکل کا دو ڈھائی منزل کے برابر لمبا چلا گیا ہو کہ جسمیں چھ چھوٹی چھوٹی منزلیں دکھلائی دیتی ہیں بالکل معمولی عمارت ہے۔ خواجہ حسن بصری کی قبر پر فاتحہ پڑھا تو اس کے پاس اسی چھت کے نیچے دیوار کے پاس ایک اور قبر نظر آئی۔ جو مجاور نے بتلایا کہ محمد ابن سیرین مشہور مفسر او رمعبر کی قبر ہے۔ ابن سیرین مسلمانوں میں تعبیر خواب میں امام فن گذرے ہیں بصری کون تھے اور اسلام میں کس پایہ کے لوگوں سے تھے۔ ؎

حسن ز بصرہ بلال از حبش صہیب از شام
زخاک مکہ ابوجہل ایں چہ بوالعجبی است

اس قبرستان میں دو اور گنبد بھی ہیں ایک حلائی بیگ عثمانی اور ایک احمد البطش کا اور کئی دوسری قبروں پر بھی کتبے ہیں۔ مگر کون پڑھے۔ میرے پاس مجاور اور رہنما لڑکوں کو دینے کے لئے کافی پیسے نہ تھے۔ اتنے میں دو ہندوستانی پہنچ گئے۔ جو بعض صاحب لوگوں کے ملازم تھے اور بصرہ سے آئے تھے۔ میں نے ان سے لیکر ان لوگوں کو پیسے دیئے۔ مگر وہ لوگ ابھی یہاں ٹھہرنا چاہتے تھے۔ آخر میرے رہنماؤں نے نہ صرف مجھے بالفعل واپس دیئے۔ بلکہ راستہ میں اور کئی محتاج عرب عورتیں سوال کرنے آگئیں۔ ان کو بھی میں ان لوگوں سے پیسے

اودھار لیکر دیتا گیا۔ اور شہر میں جاکر روپیہ توڑ واکر سب کے پیسے دیدیئے۔
یہاں کی منڈی میں جو ایک کھلا میدان قصبہ کے بیچ ہے۔ صرف کھجوریں اور
آٹا دال اور گھی بکتا تھا یا جھاڑیوں کا ایندھن بعض لوگ بیچ رہے تھے۔
ایندھن کی اس ملک میں بڑی قلت ہے۔ کہیں درخت یا جھاڑ سوائے
کھجور کے پیدا ہی نہیں ہوتے۔ انگریزی روپیہ پیسہ اور نوٹ کا ایسا ہی چلن
ہے۔ جیساکہ لاہور کے بازار میں بے تکلف روپیہ توڑا لیا جاتا ہے۔

شیخ زبیر کی دعوت

مکان پر آیا تو سب لوگ میرے منتظر تھے۔ کیونکہ شیخصاحب
زبیر نے کھانا تیار رکھا ہوا تھا اور وقت بہت گذر
گیا تھا۔ بہر حال شیخصاحب سمیت ہم نو آدمی کھانے پر بیٹھے۔ کھانا میز پر رکھا
گیا اور سب کھانے والے کرسیوں پر بیٹھے۔ میز پر چپہ چپہ ہر جگہ خالی نہ تھی دنبے
کے کباب۔ مرغ سالم۔ پلاؤ۔ کئی قسم کے سالن۔ سیویاں۔ بیضہ برشتہ حلوہ اور فروٹ
جو ٹین میں بند ملتے ہیں۔ معہ اور کئی کھانوں کے میز پر تھے۔ افسوس ہے کہ
اس وقت میں نے نام نہ لکھ لئے۔ سب سے زیادہ رغبت مجھے اس لسی سے تھی
جو غیر متوقعہ اس میز پر آگئی اور شیخصاحب نے کہا کہ ہم لوگ ہمیشہ کھانے کے ساتھ پیتے ہیں

جرمن لیمپ

اگر میں شیخصاحب کے دیوان خانہ یا ڈرائینگ روم کا یہ ضروری
خط وخال بیان نہ کروں۔ کہ کمرہ کے عین بیچ میں ایک میز پر آٹھ سات قسم
کے جرمن اور آسٹرین لیمپ پڑے تھے۔ تو میں اپنے بیان میں کوتاہی کروں گا
اور ان میں سے سب سے اچھے لیمپ کے لئے اب انہیں سٹیل نہیں ملتی تھی شیخصاحب کا
ایک نوجوان بھتیجا تین چار ماہ سے زبیر کے اسسٹنٹ پولیٹکل آفیسر سے جو ان
کے مکان کے قریب ہی فروکش ہے۔ انگریزی سیکھ رہا ہے۔ اور اب انگریزی
میں چھوٹی موٹی بات چیت کر سکتا ہے۔ چنانچہ میرے کئی رفیق اس سے بات چیت کرتے تھے۔

گورہ سولجر جو لباس پریس پارٹی کے لئے مقرر تھا۔ انہیں سب ممبروں کے لئے انگریزی ٹوپی دھوپ سے بچانے والی مقرر تھی۔ اس لئے سبھی وہی ٹوپی پہنتے تھے۔ کیونکہ یہاں دھوپ بہت تیز پڑتی ہے۔ زبیر جاتے ہوئے موٹر لبس میں سے میری ٹوپی راستہ میں گر گئی۔ فوراً معلوم ہونے پر موٹر چلانے والے سولجر نے موٹر کار کو روکا اور دوڑ کر گیا اور ٹوپی اٹھالایا اور دیکر پھر اپنے کام میں مصروف ہو گیا۔ یہاں آکر گورے سپاہیوں کو کیا بارکوں اور شہروں میں اور کیا جہازوں میں دیکھنے کا بہت موقعہ ملا ہے۔ گورے سپاہیوں یا یوں کہو کہ انگریزی قوم کی خوبیاں اس جنگ میں نمودار ہوئی ہیں۔ صبح ایک گورے سپاہی نے مجھے کہا تھا کہ خوش رہنے اور ہنستے کھیلنے میں کتنا فایدہ ہے جبکہ یہاں ضرور رہنا ہی ہے۔ اوسط گورا کتنا انٹیلی جنٹ (سمجھدار) ہے۔ کس متعدی سے یہاں کی دھوپ میں بے تکان پیدل وسوار پھرتا ہے۔ باہر دھوپ میں دوپہر کے وقت پہرہ پر کھڑا ہے۔ یا کوئی اور فرض انجام دے رہا ہے۔ فرض کی انجام دہی میں ذرا پس وپیش نہیں کرتا اور وطن میں اپنا کام چھوڑ کر آیا ہوا ہے۔ کیونکہ کوئی مستری ہے۔ کوئی کلرک۔ کوئی ہکان رنگنے والا کوئی چھاپنے والا وغیرہ وغیرہ مگر سب کی لو اب جنگ کی کامیابی سے لگی ہوئی ہے۔ فراغت کے وقت اکثر ناول اور انگلستان کے ارزاں رسالے دلچسپی سے پڑھتا ہے۔ صبح منہ ہاتھ دھو کر کنگھی بھی ضرور کرتا ہے۔ اور اپنے مختصر کٹ کو سنبھال کر رکھ دیتا ہے

طاقت علمی اور زور بازو کا مقابلہ لنڈن ٹائمز کی تاریخ جنگ کے پارٹ ۱۲۳ صفحہ ۱۴۱ میں یوں لکھا ہوا ہے:۔ "اس عجیب وغریب میدان عراق عرب میں اب بیسویں صدی کی برٹش فوج اپنی مشین گنوں ٹیلیگرافون

موٹر کاروں اور ایروپلینوں کے ساتھ کوچ کرنے والی ہے۔ جہاں بابل اور نینوہ نے مشرق کی سیادت کیلئے جنگ کی تھی۔ وہاں اب ترک اور عرب انگلستان اور ہندوستان کی فوجوں سے لڑنے والے ہیں۔

حقیقت یہ ہے۔ کہ آج لڑائی علم اور ہنر کی ہے صرف زور بازو کی لڑائی کا زمانہ گذر گیا۔ جبکہ رستم بوجہ اپنی جسمانی بہادری کے شہرت حاصل کرسکتا تھا اب ایک بچہ ماسر بندوق کی گولی سے کیا رستم اور کیا سہراب۔ کو ایک آن واحد میں مار سکتا ہے۔ پس وہ ماسر بندوق جس قوم کے پاس بوجہ احسن اور بکثرت موجود ہے۔ وہی دنیا کی آئندہ سردار ہے اس سفر میں ہم نے ایک نئی قسم کی مشین گن بنام لوئیس گن کے عجائبات دیکھے ہیں کہ جس کا ذکر مناسب موقعہ پر کرونگا۔

سائنس کا معجزہ

سب سے عجیب بات جو ایروپلین کے متعلق یہاں معلوم ہوئی۔ وہ ایک ایروپلین تھا۔ کہ جس کے انجن کے گھومنے والے پنکھے کے اوپر ایک مشین گن نصب تھی۔ اور یہ پنکھا جبکہ ہندرہ ہزار ایک منٹ میں لگا تار پھرتا ہے تو یہ مشین گن ایسے حساب سے چلائی جاتی ہے کہ ان پنکھوں میں سے صاف گذر جاتی ہے اور پنکھے کو نہیں لگتی۔ سائنس کا یہ ایک عجیب معجزہ ہے اکثر مقامات میں جبکہ افسر ہمیں دکھلا چکتے تو عموماً ریفرشمنٹ سے تواضع کرنے پر اصرار کرتے۔ چنانچہ ایروپلین کا کارخانہ دیکھنے کے بعد بھی یہ افسر ہمیں اپنے خیمہ میں لے گیا۔ اور ریفرشمنٹ پیش کئے۔ چنانچہ ہم چاروں ہندوستانی صرف لیمونیڈ یا سوڈا واٹر کا لطف حاصل کرتے۔

برآمد غلہ

سنہ ۱۶-۱۹۱۵ء میں بصرہ کی تجارت درآمد و برآمد حسب ذیل ہوئی جس سے کچھ اندازہ ہو سکتا ہے۔ کہ جنگ کے بعد بصرہ کتنی بڑی تجارت کا مرکز اور کتنا بڑا بندرگاہ ہونے والا ہے۔ اس ملک سے سردست کھجوریں اور غلہ اور

ریشم و روئی قابل ذکر مقدار میں باہر جاتے ہیں چنانچہ میں پہلے بتلا چکا ہوں کہ کتنی کھجوریں یوروپ امریکہ اور افریقیہ وغیرہ ممالک کو جاتی ہیں۔ غلہ یہاں سے سنہ ۱۹۱۱ء میں ۵۰ ہزار ٹن گیہوں اور ۲۴ ہزار ٹن جو اور سنہ ۱۹۱۲ء میں لاکھ ٹن گیہوں اور ۲۸ ہزار ٹن جو گئے تھے۔ غرضکہ کل گیہوں کی فصل ان دونوں ولایات بصرہ و بغداد کی تین لاکھ ٹن اس وقت ہوتی ہے جسمیں سے ۸۵ فیصدی مقامی عرب کھاتے ہیں۔ ۵ فیصدی تخم ریزی کے لئے درکار ہوتی ہے۔ اور ۱۰ فیصدی آئندہ ضروریات کیلئے باقی ممالک غیر کو بھیجی جاسکتی ہے۔ یہ حالت اس وقت کی ہے جبکہ کاشت غلہ میں کوئی کوشش نہیں کیجاتی ہے لیکن جبکہ دجلہ اور فرات سے نہریں نکالکر تمام زمین پر جال بچھا دیا جائے گا تو یہ ملک اس قدر غلہ پیدا کریگا کہ دنیا کا کوئی ملک اس بارہ میں اس سے سبقت نہ لیجا سکیگا۔ گیہوں کے علاوہ باجرا۔ تل۔ مکی اور چاول بھی یہاں پیدا ہوتے ہیں۔ اور چاول کی بہت بڑی پیداوار کے امکان ہیں۔

آبپاشی کی تجویز میں ترمیم

سر ولیم ولکاکس کی سکیم کے مطابق پہلے خیال تھا کہ زمانہ قدیم کی نہروں کی طرح تمام علاقہ عراق عرب پر نہروں کا جال بچھا دیا جائیگا جیسی کہ ترکوں نے ہندیہ بند فرات سے سر ولیم ولکاکس کی رہنمائی سے نکالکر کچھ پانی استعمال کیا ہے۔ مگر اب معلوم ہوتا ہے کہ دریاؤں کا تمام پانی اس طرح منتقل نہیں کیا جائیگا۔ کیونکہ دریاؤں میں سٹیمروں کا چلنا لازمی ہے جو دیسی کشتیوں کی نسبت زیادہ پانی چاہتے ہیں اور اس طرح دریاؤں میں بڑی مقدار پانی کی اس غرض کیلئے رکھنی پڑے گی۔ اور صرف بالفعل دریاؤں کو سٹرین کیا جائیگا۔ اور آب ضایع کو کام میں لایا جائیگا۔ میں آبپاشی اور سر ولیم ولکاکس کی سکیم کے متعلق زیادہ تفصیل سے علیحدہ لکھونگا۔

وائی۔ ایم۔ سی۔ اے

ینگ مینس کرسچن ایسوسی ایشن عراق عرب کے میدان جنگ میں بہت عمدہ کام کر رہی ہے۔ اس کے جنرل سکریٹری مسٹر ٹکنس سے جو کینیڈا کا باشندہ ہے۔ ملاقات کی۔ معلوم ہوا کہ بصرہ میں ایسوسی ایشن کے آٹھ ہندوستانی سنٹر ہیں جو دو یورپینوں اور چھ ہندوستانیوں کے انچارج ہیں۔ یہ ہندوستانی لاہور اور آگرہ وغیرہ کے عیسائی کالجوں کے عیسائی طلباء ہیں جو اس رفاہ عام کے کام کے لیے آئے ہوئے ہیں۔ بصرہ میں چار یورپین سنٹر ہیں۔ ہندوستانی سنٹر بعض ہندوستانی ہسپتالوں اور بعض ڈپوؤں میں ہیں۔ اس ایسوسی ایشن کی غرض یہ ہے کہ سپاہیوں کے لیے دل بہلاؤ کا سامان مہیا کرے۔ چنانچہ انکے لیے جھونپڑیوں یا خیموں میں (۱) کھیلوں کا سامان (۲) لنڈن لکچر (۳) سینما کی تصاویر (۴) ہوکی اور فٹ بال بہم پہنچایا جاتا ہے۔ اور (۵) جو سب سے زیادہ دلچسپ کام ہے وہ ہندوستانی سپاہیوں اور مزدوروں کے لیے جو عموماً ان پڑھ ہوتے ہیں۔ انکے گھروں کو چٹھیاں لکھنے کا کام ہے کہ جس کا کاغذ بھی ایسوسی ایشن اپنے پاس سے خرچ کرتی ہے اور کئی لاکھ لیٹر پیپر اب تک خرچ کر چکی ہے۔

بصرہ سے عمارہ تک

میسور کا بیلوں کا ٹرنسپورٹ

۷۔ اپریل کو ۱۰ بجے ہم بصرہ سے بغداد جانے کے ارادہ سے جہاز میں سوار ہوئے۔ جس طرح بیل گاڑیوں میں ہمارا اسباب لاد کر عشار بارکوں میں لایا گیا تھا۔ ویسا ہی لاد کر آدھ باگل کو روانہ کیا گیا۔ یہ بیل گاڑیاں ریاست میسور کا ٹرنسپورٹ ہے بیلوں کے سینگ عجیب قسم کے سیدھے اور پیچھے آگے بڑھے ہوئے ہوتے ہیں۔ اور ان سروں پر پیتل کے

چھوٹے چھوٹے ٹمول چڑھے ہوئے ہیں۔ اور گاڑیاں اور انکے چلانے والے سبھی بہت عمدہ ہیں۔ ہم خود بھی گھوڑا گاڑیوں میں سوار ہو کر تین چار میل کے فاصلہ پر اسی گودی میں پہنچے کہ جہاں سے ہم جہاز سے اترے تھے۔

راستہ کے زیادہ حصہ میں دریا کے کناروں پر خرمائستان نظر آئے مگر قرنا سے آگے وہ بھی کم ہو جاتے ہیں۔ البتہ سامنے کے جھلسے ہوئے اور خشک بیابان کے مقابلوں میں ہیں۔ دریا کے کنارہ کسی قدر گھاس سے سرسبز مرطوب ہے اور کہیں کہیں سبزی اور کھجور کے درخت دور تک بھی چلے گئے ہیں بہت سے چھوٹے چھوٹے گلی موضعے اور سرکنڈوں کے جھونپڑے مٹی دریا کے کنارے پر پائے جاتے ہیں۔ ترکوں نے بھی دریا کے کنارہ پر تھوڑے تھوڑے میلوں پر چوکیاں مقرر کی ہوئی تھیں اور وہ ہی اب انگریزوں نے مقرر کر لی ہیں۔

قرنا — سہ پہر کو ہم قورنا یا قرنا پہنچے۔ جو بصرہ سے قریباً پچاس میل دجلہ و دجلہ اور فرات کے مقام اتصال پر واقعہ ہے۔ اچھا شہر نظر آتا ہے۔ یہ دو ہزار آدمیوں کی آبادی ہے۔ یہ اس وقت قرنا عمارہ ریلوے کا ٹرمینس ہے......

بصرہ لینے کے قریباً نصف ماہ بعد انگریزی فوج نے اس پر قبضہ کر لیا تھا کیونکہ ۲۲۔ نومبر ۱۹۱۴ء کو میجر جنرل سر آرتھر بیرٹ نے بصرہ پر قبضہ کیا تھا۔ اور ۹۔ دسمبر ۱۹۱۴ء کو قورنا پر تصرف کر لیا۔ قرنا سے لیکر یہاں دریا کے کنارے کے قریب پائی جاتی ہے

کنارہ دریا کے بدوی — عموماً جو ہندوستانی کربلائے معلی یا بغداد کو آیا جایا کرتے تھے ان کی زبانی یا سفرناموں سے معلوم ہوتا تھا کہ دریائے دجلہ میں جہاز میں سوار ہو کر بغداد تک جانا خطرہ سے خالی نہیں ہوتا۔ کیونکہ بار بار راستہ میں بادہ نشین بدوی قبیلے دولت عثمانی سے ناراض ہو کر یا یونہی اپنی جہالت کی ترنگ میں بمبئی کمپنی کے مسافری سٹیمروں پر کنارہ سے گولیاں چلاتے رہتے ہیں

اس لئے سپنچ کمپنی بھی اپنے سٹیمروں پر چند عرب مسلح جوانوں کو مقرر کر لیتی تھی کہ جہاں سے گولیاں آئیں وہاں وہ بھی چلائیں۔ چنانچہ ایک کتاب میں ایسے مقابلہ کا فوٹو بھی میں نے دیکھا ہے۔ اس لئے اندیشہ تھا کہ شاید ہمارے سٹیمر پر بھی کوئی شریر لوگ گولی نہ چلا دیں۔ مگر معلوم ہوتا ہے کہ اس دو سال کے عرصہ میں انگریزوں نے کنارہ دریا کے عربوں کو خوب رام کر لیا ہے۔ کہیں سے گولی کا آنا تو کہیں رہا۔ اس بات کا کسی کو وہم و گمان بھی نہیں رہا۔ یقیناً بصرہ سے بغداد تک پانچ چھ سو میل کے فاصلہ پر دریا کے دونوں پہلوؤں کی قوموں کو خوش یا مطیع کر لینا بڑی بات ہے۔

دوڑ کر سودا بیچنے کی کوشش

اجنبی کے لئے یہ نظارہ دلچسپی پیدا کئے بغیر نہیں رہ سکتا کہ دریا کے جس کنارہ کے قریب کر سٹیمر چلتا ہے۔ پاس کے خانہ بدوش بدوؤں کے جھونپڑوں سے عورتیں اور بچے اور کبھی کبھی مرد بھی ہاتھوں میں انڈوں کی ٹوکری اور مرغیاں لٹکا لیتے ہیں۔ اور دہی وغیرہ چیزیں لے کر جہاز کے ساتھ ساتھ میلوں تک اس امید پر دوڑتے جاتے ہیں کہ کہیں جہاز ٹھہرے یا جہاز والے کپڑا وغیرہ پھینکیں تو انکے ہاتھ یہ مال فروخت کریں۔ مگر ظاہر ہے کہ جہاز کہیں چپہ چپہ پر تو نہیں ٹھہرتے۔ اس لئے میلوں دوڑ دوڑ کر بھی اکثر عورتیں اور بچے بے نیل مرام واپس جاتے ہیں۔ اور پھر کوئی دوسرا جہاز ادھر ادھر گذرنے والا ہو تو اس کے ساتھ چل پڑتے ہیں۔ یہ لوگ ہر وقت دست بقبضہ رہتے ہوں گے۔ کئی دفعہ پچھلے جھونپڑوں کے رہنے والوں کو اگلے جھونپڑوں کے رہنے والے سبکدوش بھی کر دیتے ہیں اور آگے دوڑنے لگتے ہیں۔ مجھے ان عربوں کی مفلسی پر بہت رنج آتا ہے۔ عموماً فی انڈا ایک آنہ کے حساب سے بیچتے ہیں اور مرغ کیلئے روپیا مانگتے ہیں۔ مگر ۸ر تک بھی دیدیتے ہیں

عورتوں کے کپڑے کو زیادہ سیاہ ہیں۔ مگر یہاں اندر کے کپڑے سرخ بھی نظر آتے ہیں۔ اور عورتوں اور مردوں میں شہروں کی طرح یہاں کوئی پردہ نہیں مگر زن و مرد کا پاؤں تک لمبا کرتا یکساں ہے۔ اکثر کناروں پر بھیڑوں اور کہیں گھوڑوں اور گائیوں کے گلے چرتے نظر آتے ہیں۔ اور دریا کہیں کہیں بہت تنگ ہو جاتا ہے۔ مگر پانی کناروں سے نیچے ڈیڑھ فیٹ سے کہیں گہرا نظر نہیں آتا۔ اسلئے تھوڑی سی طغیانی سے بھی کنارہ سے باہر نکل جانا لازمی ہے۔ کہیں کہیں دریا میں بڑے بڑے بادبانوں والے بھی دیکھے جاتے ہیں۔ مگر بہت سے چھوٹے موٹے ہر روبر جو کے دریائی سٹیمر اور لانچ ادہر ادھر فوج کو لیجاتے دیکھے جاتے ہیں۔ ہر سٹیمر کے دونوں طرف دو بڑی بڑی بارج (کشتیاں) اسباب کی باندھ دیتے ہیں۔ اس طرح یک سٹیمر بہت سے سوار اور اسباب لیجا سکتا ہے۔ کہ جبکی خود اس میں گنجائش نہیں ہوتی۔

بصرہ سے بیس میل آگے مقام گورمنت علی (؟) پر فراط کا نیا راستہ جو بند بندیہ کی وجہ سے پیدا ہو گیا ہے یہاں شط العرب میں جا گرتا ہے۔ اور بڑا حصہ دریا کا حسب معمول تیس میل آگے قورنا کے پاس جا ملتا ہے

<u>قبر عزرا نبی</u> ۷۔ اپریل کی صبح کو عزرا نبی کی قبر دیکھی جو دریا کے دائیں کنارہ پر قلعہ صالح اور قرنا کے مابین واقعہ ہے۔ اس کے خوبصورت گنبد پر نیلگوں ٹائیل لگے ہوئے ہیں جس سے گنبد بہت خوشنما ہو گیا ہے۔ مگر اس لڑائی میں گنبد پر سے بعض جگہوں سے گولیوں سے ٹائیل اتر گئے ہیں۔ قبر کے پاس مکانات اور خوبصورت باغ ہے۔ افسوس ہے کہ ہمارا جہاز یہاں نہیں ٹھہرا ورنہ قبر کو اتر کر دیکھتے۔

<u>عمارہ سبیان</u> قرنا اور قلعہ صالح کے مابین جو ہمارے دائیں ہاتھ پر ایک چھوٹا سا گاؤں گذرا ہے۔ بیس میل تک دریا کا پاٹ بہت تنگ ہو جاتا ہے۔ چھ پچاس گز سے زیادہ چوڑا نہ ہوگا کہ جہاں سے دو بڑے سٹیمر اپنی مرد و ہمراہی کشتیوں سمیت ایک

وقت میں بمشکل ایک دوسرے کے پاس سے گذر سکتے ہیں۔ زمین کیسی ہموار ہے اس کا اندازہ اس بات سے ہو سکتا ہے کہ بصرہ سے لیکر بغداد تک ساڑھے پانچ سو میل کی مسافت ہے۔ مگر بغداد بصرہ سے صرف (۱۲۰) فیٹ بلند ہے۔ اس سے زیادہ میدان کھلا وسیع اور کیا ہو سکتا ہے۔

۸- اپریل کی صبح کو ہمارا جہاز عمارا میں پہنچ گیا۔ جبکہ فوج اور گھوڑے اتر چکے تو ایک افسر نے دس بجے کے قریب اگر اطلاع دی کہ کل شام کو وائرلیس خبر آئی ہے کہ پریس پارٹی کو یہاں اتار لیا جائے۔ کچھ دیر تو اس بات کو پہلے گاڑیاں حاصل کرنے میں لگی اور جب ہم پل پر سے شہر کی طرف جانے لگے۔ تو عین اس وقت پل سٹیمروں سے گذرنے کے لیئے کھولدیا گیا تھا۔ بعد میں معلوم ہوا کہ یہ پل دن میں کئی بار مہیلوں اور سٹیمروں کے گذرنے کے لیئے کھولا اور پھر جوڑا جاتا ہے۔ اس لیئے ہم لوگ ناؤں پر شہر کی طرف چلے گئے۔ اور کنارہ دریا کے جو عالیشان مکانات ہیں ان میں سے سترا مین ہمیں ٹھہرایا گیا۔ چونکہ اسباب اور نوکر دریا کے دوسری طرف گئے تھے۔ ہم کھانے پینے کے لیئے شہر میں گئے تو کھانے کی دوکانوں والوں نے کوئی کھانے کی چیز ہمارے ہاتھ بیچنے سے انکار کیا۔ اور ایسے ہی قہوہ خانہ والوں نے پانی یا چائے دینے سے معلوم ہوا۔ کہ بیماری کے اندیشہ سے ہندوستانیوں اور انگریزوں کے ہاتھ کوئی کھانے پینے کی چیز اہل شہر کو بیچنے کی اجازت نہیں +

عمارہ

دوسری صبح ۸½ بجے کمانڈرن صاحب اپنی موٹر کوٹ لائے اور ممبران پارٹی کو دریائے دجلہ میں تین چار میل تک دکھلا لائے۔ اور بتلاتے رہے کہ فلاں ہسپتال اور فلاں کیمپ کہاں کہاں ہیں۔ اور اس طرح ہمنے عمارہ کی رندگی شروع کر دی۔

عمارہ کیسا مقام ہے عمارہ کئی لحاظوں سے عراق عرب میں نہایت عمدہ مقام ہے۔ شہر عین دریا پر واقع ہے۔ اور دریا کے کنارہ پر ایک لمبی قطار پختہ دو منزلہ مکانات کی چلی گئی ہے۔ اس ملک میں پختہ اینٹوں کا مکان کوئی عام بات نہیں۔ یہ دریا کے کنارہ کے سب مکانات جو بڑی فضا کی جگہ پر بنے ہوئے ہیں۔ اور شہر کے اندر بھی کئی بڑے بڑے مکانات گورنمنٹ نے فوجی وغیرہ ضروریات کے لئے مالکوں سے بالفعل لے رکھے ہیں۔ ایک کشتیوں کا ترکی پل دریا کے دوسرے طرف لیجاتا ہے کہ جہاں اصل شہر کے تھوڑے سے کچے مکانات ہیں۔ پل رات دن کھلا رہتا ہے سوائے ان اوقات جبکہ شب و روز میں کئی دفعہ سٹیمروں کے گذرنے کے لئے اسے کھولا جاتا ہے۔ اس وقت بلمیں دو دو پیسہ کرایہ پر لوگوں کو دریا عبور کراتی رہتی ہیں مگر ناواقفوں سے ۲ ر ۴ ر بھی وصول کر لیتی ہیں۔

مسقف بازار عمارہ کی سب سے بڑی دلچسپی وہاں کا مسقف بازار ہے۔ جو دو منزلہ دوکانوں کے اوپر لداؤ کا چھت ڈالا گیا ہے۔ معلوم ہوا کہ یہ معزول سلطان عبدالحمید ثانی کی توجہ کا نتیجہ ہے۔ واقعی بہت شاندار اور عمارہ چھت ہے۔ دوسری منزلوں پر رہنے کے مکانات ہیں۔ بازاروں میں اکثر

دوکانوں میں زیادہ تر آئل سنیس سٹوز یعنے ولایتی کھانیکا ٹینوں میں بند کیا ہوا سامان اور پنساری کا سامان۔ آٹا۔ دال۔ پیاز وغیرہ اشیاء ہیں۔ یہ بازار دور تک شہر کے بیچوں بیچ سے گذرتا ہے۔ مگر آگے مسقف نہیں۔ علاوہ دوکانوں کے بہت سی بدو عورتیں دیہات یا بیابان سے دہی یا ساگ وغیرہ اشیاء بیچنے کو لاتی ہیں یہاں سر بازار روٹیاں پکا کر بیچنے کا بھی رواج ہے۔ اور دال پکا کر بیچنے کا بھی۔ جو اکثر لوگ لیکر کھاتے ہیں۔ یہ عورتیں اور مرد بازار کے بیچ کی خالی جگہ میں اپنے خولچے لے کر بیٹھ جاتے ہیں +

سبزیاں اور میوے پیاز نہایت ارزاں بکتے ہیں۔ ایک دوکان پر چھوٹے چھوٹے کھیرے دیکھے تو قیمت دریافت کرنے پر معلوم ہوا۔ کہ چار روپیہ سیر کے حساب سے ملیں گے۔ گو معلوم ہوا کہ موسم گرما میں (جو ابھی شروع نہیں ہوا) سنگترے انار اور انگور وغیرہ یہاں بہت پیدا ہوتے ہیں۔ کیونکہ عمارہ میں دریا کے دونوں کناروں پر چھ میل تک کھجوروں کے گھنے باغات موجود ہیں جن کی قد آدم کچی دیواریں حفاظت کرتی ہیں۔ انہیں باغات میں دوسرے پھلوں کے درخت بھی ہیں علاوہ ازیں میوے ایران کے علاقہ پشت کوہ سے بہت آتے ہیں۔

مختلف ادیان عمارہ عمارہ میں پندرہ بیس ہزار عوام الناس کی آبادی ہوگی لمبی عباؤں اور سر پر کفیہ و عقال والے عرب اور نمدے کی سیاہ اور بھوسلی کلاہ والے پشت کوہ کے ایرانی یہاں پائے جاتے ہیں۔ عربوں اور ایرانیوں کے علاوہ شہر میں کچھ یہودی اور عیسائی بھی سکونت رکھتے ہیں۔ عیسائیوں کے کالدی اور ارمنی فرقے کے لوگ پائے جاتے ہیں۔ گو آبادی میں شیعہ بہت زیادہ ہیں مگر بڑی جمعہ مسجد سمیت چار مساجد سنیوں کی ہیں۔ اور ایک بڑی مسجد سمیت پانچ شیعوں کی۔ یہودیوں کا

سینے گاگ سینے گاگ (معبد یہود) ابھی میں نے ان کے سبت کے روز دیکھا

اور ایک کالدی اور سریانی گرجا بھی دیکھا۔ ہر چند کہ یہاں کالدی عیسائیوں کے صرف تیس چالیس مکان ہیں۔ مگر کالدی گرجا اچھی خاصی حالت میں ہے جو کئی مساجد سے بڑا ہے۔ یہودی لوگ ہفتہ کو تعطیل کرتے ہیں جیسے کہ مسلمان جمعہ کو اور سب یہودی دوکانیں بند ہو جاتی ہیں۔ یہ لوگ علی الصبح نماز پڑھتے ہیں۔ اچھے کپڑے پہنکر آتے ہیں معبد کے صحن میں ایک بلند چبوترہ ہے۔ اور چاروں طرف برآمدوں میں بنچیں بیٹھنے کے لئے ہیں۔ جن پر قالین بچھے ہیں۔ ہر یہودی جو داخل ہوتا ہے ایک تھیلی ہمراہ لاتا ہے۔ یا معبد کا ملازم اسے دیدیتا ہے۔ اس میں سے ایک بڑے تولیے کی طرح کا کپڑا جسکے دونوں طرف کئی کئی سیاہ دھاریاں ہوتی ہیں نکالکر نمازی اپنے کندھوں اور پشت پر ڈال لیتا ہے دونوں دھاریوں والے ڈورے سامنے لٹکتا ہے اور کھڑا ہو کر یا بیٹھکر بلند آواز سے توریت کی آیات عموماً چھوٹی چھوٹی پاکٹ بکوں سے پڑھتا ہے اور پھر بیت المقدس کیجانب منہ کر کے کھڑے ہو جاتے ہیں کہ جدھر دیوار پر ایک منقش کی سرخ ریشمی چادریں لٹکی ہوئی ہیں۔ عربی زبان بلند آواز سے پڑھی جائے تو بالکل عربی کی طرح معلوم ہوتی ہے۔ مجھے چبوتروں پر ایک جگہ دیگئی اور میرے پاس دو دس دس بارہ بارہ سال کے بچوں نے بلند آواز سے توریت کے کئی کئی صفحے پڑھ ڈالے جو بہت بھلے معلوم ہوتے تھے۔ عورتیں بھی برآمدہ یعنی دوسری چھت پر بیٹھی تھیں۔

نئی مسجد جامع ایک جمعہ کی نماز میں نے یہاں کی جمعہ مسجد میں جاکر پڑھی یہاں کے مفتی صاحب جو ترکوں کے زمانہ میں بھی مفتی تھے اور اب انگریزی حکام بھی بعض مقدمات جو شریعت کے مطابق فیصلہ کرنا چاہتے ہیں۔ ان سے فتوے لیتے ہیں یہاں کے امام ہیں۔ یہاں کی مساجد پر گنبد اور قبے نہیں ہوتے کیونکہ یہاں پختہ اینٹ مشکل سے بنتی ہے۔ مٹی خراب ہے مگر یہاں کی کچی اینٹ کے مکان بھی بہت دیرپا ہوتے ہیں۔ اس مسجد کے صحن میں تو لوگ جوتے لے آتے ہیں مگر صحن کے تین طرف کے برآمدہ میں نہیں لاتے یہاں نماز پڑھی جاتی ہے۔ بڑی چھت سے نیچے جمعہ کی نماز ہوتی ہے لکڑی کے

ستونوں کے تین قطاروں پر کھڑا ہے۔ جن میں سے ہر قطار میں سات سات ستون ہیں۔ اور ہر دو ستونوں کے درمیان ۸ نمازی کھڑے ہو سکتے ہیں۔ اسی طرح چار پانچ قطاریں نمازیوں کی تھیں۔ جن سب کے سر کا لباس عربی عقال تھا۔ سوائے آٹھ سات کے کہ جن کے سر پر ترکی ٹوپیاں تھیں۔ کیونکہ سرخ عربی ٹوپی یہاں صرف یہودی اور عیسائی پہنتے ہیں۔ اور مسلمانوں میں کوئی شاذ و نادر پہنتا ہے۔ اور ترک جو پہنتے ہونگے وہ نواب یہاں ہے ہی نہیں اذان کے ختم ہوتے ہی لوگ سنتوں کے لئے کھڑے ہو گئے۔ اور سنتوں کے ختم ہونے پر فوراً جماعت کھڑی ہو گئی۔ محراب اور ممبر کے مقابل کے دیوار کے ساتھ لکڑی کی ایک جگہ تکبیر کے کھڑے ہونے کے لئے بنی ہوئی تھی کہ جسے قسطنطنیہ میں محلس کہتے ہیں۔ اس نے تکبیر پڑھی تو امام صاحب خطبہ پڑھنے کو کھڑے ہو گئے +

هر جمعہ کو نیا خطبہ

یہاں یہ بات قابل تقلید دیکھی۔ امام صاحب ہر جمعہ کو نیا خطبہ کہکر لاتے ہیں۔ معمولی حمد و نعت کے بعد کبھی تو بخاری سے کوئی حدیث بیان کر کے اس کا مطلب سمجھاتے ہیں۔ اور کبھی قرآن شریف کی کسی آیت کی تفسیر کرتے ہیں۔ یہاں کے نمازیوں کو تعجب ہوا کہ ہندوستان میں ہر جمعہ کو ایک ہی خطبہ پڑھا جاتا ہے۔ امام صاحب ممبر پر بائیں ہاتھ میں عصا کی جگہ ایک چوبی تلوار لیکر کھڑے ہوئے جو ایک سبز غلاف میں لپٹی ہوئی تھی قسطنطنیہ میں بھی یہ رواج نوٹس کیا تھا۔ جو کسی قدیم بات کی یادگار چلی آتی ہے۔ اور چھوٹی چھوٹی صورتیں پڑھکر جلدی جماعت ختم کر دی۔

اس سے ایک دو روز پہلے میں عمارہ کے دو دیسی مکتب دیکھنے گیا تھا تو وہیں مفتی محمد سلیم صاحب سے ملاقات ہو گئی تھی۔ خاندانی عالم ہیں۔ اور جو لوگ عمارہ کے دیسی مکاتب سے قرآن وغیرہ پڑھکر نکلتے ہیں۔ اور اگر وہ آگے حدیث و قرآن وغیرہ کی تعلیم لینا چاہیں۔ تو مفتی صاحب سبق لیتے ہیں۔ مفتی صاحب معقول

معلوم ہوتے ہیں۔ ان کی نشست گاہ میں ایک کتب تفسیر و حدیث و تاریخ کی الماری تھی۔ مجھے یہاں کے پولٹیکل افسر صاحب نے بتلایا کہ آج تک صرف ایک مقدمہ میں مینے مفتی صاحب کے فیصلہ سے اتفاق نہیں کیا۔ اور اسے اس قبیلہ کے دستور کے مطابق فیصلہ کرنے کو بھیجدیا ہے۔ کہ جس میں ایک عورت نے اپنے شوہر سے بھاگ کر ایک دوسرے شخص سے نکاح کر لیا تھا۔ ورنہ ہمیشہ ان کے شرعی فتوے جاری کئے گئے ہیں۔

مسٹر فلبی صاحب جو پنجاب کے ایک سویلین ہیں۔ اور لاہور میں اردو بہت صفائی سے بولتے ہیں اور فارسی سیکھتے تھے۔ یہاں کے پولٹیکل آفیسر (حاکم سیاسی) میں میری ان سے سابقہ ملاقات تھی۔ بہت مہربانی اور انکسار سے پیش آتے رہے۔ یہ ہمارے مکان کے پاس رہتے تھے۔ اس لئے ان سے اور مسٹر فلبی صاحب سے کئی دفعہ ملنے کا اتفاق ہوا۔ جو اسٹیشن میں شاید ایک ہی لیڈی (علاوہ نرس کے) ہیں فلبی صاحب نے بتلایا کہ یہاں جرم کی مقدار بہت کم ہے۔ خصوصاً عورتوں کے بھگالیجانے کا تو صرف ایک مقدمہ کئی ماہ میں میرے پاس آیا ہے۔

دو دیسی مکاتب

ترکی مدرسے تو بند انگریزی مدرسہ ابھی کوئی کھلا نہیں۔ اس لئے ہم نے جاکر یہاں کے دو دیسی مدرسے دیکھے۔ پہلا مدرسہ چھوٹا تھا جو دوسری دکانوں کے ساتھ ایک چھوٹے بازار کی ایک دوکان میں تھا ہر لڑکا استاد کو آٹھ آنہ سے لیکر روپیہ ڈیڑھ روپیہ تک ماہوار دیتا ہے۔ پچاس چھوٹے چھوٹے لڑکے ہیں۔ جو کچھ لکھنا پڑھنا اور تھوڑا حساب اور قرآن ناظرہ سیکھتے ہیں۔ ایک فارسی کے اخلاقی سبقوں کی کتاب بغداد کی چھپی ہوئی دیکھی اور عربی کی مصر بیروت کی چھ ماہ سے پانچ سات سال تک حسب لیاقت و شوق ہر لڑکا اس مکتب میں پڑھتا ہے۔ اس نواح کے ایک بڑے بدوی شیخ عضبان کا بھتیجا ایک چھوٹا سا بچہ ہمیں دکھلایا گیا۔ جو ہر روز اپنے حبشی ملازم کے ساتھ پڑھنے کو آتا ہے۔ اور حبشی ملازم خود بھی پڑھنے کا شوق کرتا ہے۔ جو سب بچوں میں ملکر بیٹھا ہوتا ہے۔ دوسرا مدرسہ جو علی آفندی کی مسجد

میں تھا ذرا بڑا ہے۔ یہاں کا مدرس ملا عبد الکریم ہے اور طلباء جو سو کے قریب ہیں سب سنی ہیں۔ یہاں بھی طلباء قرآن مجید۔ صرف و نحو حساب مبادی جغرافیہ مبادی تاریخ پڑھتے۔ استاد کو ۸ ر سے ۱۶ روپیہ ماہوار تک دیتے ہیں۔ ہر سال چالیس پچاس لڑکے اس مدرسے سے کچھ نہ کچھ پڑھکر نکل جاتے ہیں۔ مدرس صاحب دوسرے روز مجھے ایک کوچہ میں ملے اور جیب سے انگریزی پرائمر نکالکر دکھلائی۔ اور کہا کہ اب حکومت انگریزی آگئی ہے۔ اور میں نے انگریزی پڑھنی شروع کر دی ہے۔ تاکہ اپنے شاگردوں کو پڑھا سکوں۔

یہودی مدرسہ

یہاں کا یہودی مدرسہ بھی دیکھا جہاں کا باوا آدم ہی نرالا ہے۔ ایک اچھے دو منزلہ مکان میں تین سو لڑکوں اور لڑکیوں کا متحدہ مدرسہ ہے یعنی تین سو لڑکے اور لڑکیاں سب جماعتوں میں اکٹھے پڑھتے ہیں۔ عربی ان لوگوں کی خانگی زبان ہے۔ اس کے علاوہ انگریزی (زبان حکومت) اور عبرانی (اپنی مذہبی زبان) اور فرنچ اس لئے کہ پیرس کی اسرائیلی سوسائٹی سے اُسے مدد ملتی ہے۔ پڑھتے ہیں۔ اس مدرسہ میں چھ جماعتیں ہیں۔ پانچ سال کے بچوں سے بارہ تیرہ سال تک پڑھتے ہیں۔ جن میں سے $\frac{1}{2}$ لڑکیاں ہیں۔ یہ لوگ کہتے ہیں کہ ہم لڑکے اور لڑکی کے پڑھانے میں کچھ فرق نہیں کرتے۔ بچے ۸ ر ماہوار سے ایک یا دو روپیہ فیس دیتے ہیں۔ اور باقی کمی سوسائٹی پوری کرتی ہے۔ علاوہ یہودیوں کے دو تین مسلمان اور آٹھ دس صابی بچے بھی داخل ہیں۔

صابی کون ہیں

میں نے صابیوں کا اس سے پہلے ذکر نہیں کیا۔ ہر چند کہ وہ اس قصبہ میں دو ہزار کی آبادی رکھتے ہیں۔ قرآن شریف میں جن صابئین کا ذکر آیا ہے یہ وہی لوگ ہیں۔ کل عراق عرب میں بیس ہزار سے زیادہ ان کی آبادی نہیں۔ یہاں لوگ انہیں صابی نہیں۔ بلکہ صبی کہتے ہیں۔ یہ لوگ کہتے ہیں کہ ہم جان دی بیپٹسٹ (یوحنا بپتسمہ دینے والے کے) پیرو ہیں۔ اور اسی لئے ہمیشہ دریا کے کنارے پر گھر بناتے ہیں۔ اور دریا میں ہر سال تمام صابی زن و مرد بپتسمہ پاتے ہیں۔ ان لوگوں کے یہاں سال کے (۳۵۰) روز ہیں۔ باقی دنوں

کو یہ کام کے سال کا جزو نہیں شمار کرتے۔ بلکہ ان دونوں میں اپنے کاروبار بند کر کے اپنی تمام قوم کو بپتسمہ دیتے ہیں۔ اتفاقاً ہمارے یہاں قیام کے زمانہ میں ان کے اصطباغ کے دن تھے۔ مسٹر فلپی صاحب ہمیں یہ رسم دکھلانے کو لے گئے۔ (   ) ندی کے کنارہ پر (جو دریائے دجلہ سے اس شہر کے پاس سے نکل کر بیس میل تک جاتی اور پھر دلدل میں گم ہو جاتی ہے۔ باوجودیکہ بہت بڑی ندی ہے) ان کے دو مقدس لباس والے پادری گھٹنوں تک پانی میں کھڑے ہاتھ میں عصا لئے کچھ سریانی زبان میں بڑبڑاتے تھے۔ اور بپتسمہ لینے والا ان کی پشت کی طرف کی جا کر پہلے تین غوطے لگاتا۔ جس پر یہ پچھلی طرف سے ہی ہاتھ سے تین مرتبہ پانی اچھال کر ڈالتے۔ پانی میں اُترنے سے پہلے ہر عورت مرد بچہ ۴ سے ایک روپیہ تک نذرانہ دیتا اور ایک انگلی میں "ماس" کے درخت کی ٹہنی سے انگوٹھی بنا کر پہن لیتا۔ جو پادری اسکی انگلی سے نکال کر اس کے سر کے بالوں میں کپڑے کے نیچے رکھ دیتا کیونکہ ہر زن و مرد کا سر ڈھکا ہوا ہوتا ہے۔ اور کئی ایسے بھیگے ہوئے کپڑوں والوں کو پاس کے احاطہ میں لیجا کر بقیہ رسم ادا کی جاتی۔ یہ لوگ کہتے ہیں کہ یوحنا اور عیسٰی خلیرے بھائی ہیں دونوں کی مائیں بہنیں تھیں۔ اس لئے حضرت عیسٰی کی بھی کچھ عزت کرتے ہیں۔ تین نمازیں صبح ظہر اور مغرب مسلمانوں کی طرح مگر صرف قیام اور قعود سے پڑھتے ہیں۔ سر اور ڈاڑھی کے بال پورے رکھتے ہیں (گو سر کے بال بعض لوگ منڈوا بھی لیتے ہیں) اس لئے ہندوستانی کہتے ہیں یہ عرب کے سکھ ہیں۔ چار تک عورتیں کرنے کی انہیں اجازت ہے۔ ذبیحہ یہودی یا مسلمان کا بھی نہیں کھاتے۔

صابی دستکاری یہ لوگ اسلحہ اور کشتیاں بناتے ہیں۔ اور چاندی کے زیورات میں سُرمہ سے مینا کاری کرنے کے فن میں ماہر ہیں۔ یہاں عمارہ میں چاندی کا کام ان کا انگریز بہت پسند کرتے ہیں۔ سب سے کاریگر ایک شخص زارون ہے۔ جو چاندی کے سگریٹ کیس وغیرہ ان پر سُرمہ کی عمدہ مینا کاری کر کے ڈیڑھ دو سو تک کو بیچتا ہے۔ دوسرے صابی دو دو چار روپیہ کے چاندی کے ہیٹ پین۔

پیٹیوں کے بکسوئے۔ بٹن۔ انگوٹھیاں اور انگشتانے بناتے ہیں۔

عمارہ کے احباب کا شکریہ

میری خوش نصیبی سے قلبی صاحب کے علاوہ عمارہ میں میرے اور دو ایک آشنا بھی نکل آئے۔ لاہور کے لفٹنٹ کرنل ڈاکٹر بھولا ناتھ صاحب جو یہاں اسسٹنٹ ڈائرکٹر آف ملٹری سروس ہیں۔ اور عمارہ کے سب ہسپتالوں کے اعلیٰ افسر ہیں۔ وہ بھی میرے پورانے مہربان ہیں۔ ان کے علاوہ پشاور کے خان صاحب سید مظفر شاہ صاحب افسر خزانہ سے گو پہلے ملاقات نہ تھی۔ مگر انہوں نے دوران قیام عمارہ میں بیحد مسافر نوازی کی۔ اور نہ صرف مجھے اور میرے ہندوستانی ہمراہیوں کو دعوت ہی دی۔ بلکہ مجھے ہر روز دو وقت کھانا بھیجتے رہے۔ جس کے گھر کی طرح کھانے کا آرام حاصل ہو گیا۔ کرنل بھولا ناتھ صاحب کے بہت سے سب اسسٹنٹ سرجن صاحبان نے میری اور میرے ہندوستانی رفقا کو پر تکلف دعوت دی۔ خانصاحب مظفر شاہ نے ہماری دعوت کے لئے ایک دُنبہ خریدا تھا۔ چونکہ موقعہ نہ ملا۔ اس لئے باوجود میرے ہزار انکار کے انہوں نے انتہائے مہربانی سے دُنبہ میرے ساتھ آکر جہاز پر چڑھا دیا جسے ہم نے بغداد کے رستہ میں جہاز پر ذبح کیا۔

عمارہ کا ہسپتال

ہم نے کمانڈان صاحب سے حکم لیا۔ اور موٹر بوٹ لیکر ایک ہسپتال دیکھنے کو گئے۔ کرنل بھولا ناتھ صاحب نے خود ہمیں ساتھ پھر کر ہسپتال دکھلایا کہ جس کے پہلے یہ خود انچارج تھے۔ اور جس میں انہوں نے بہت کچھ اصلاح اور ترقی کی ہے۔ دریا کے کنوئیں سے پمپ سے پانی نکالکر اسے ٹانکیوں میں کلورائن ڈالکر رکھا جاتا ہے اور بلا ہاتھ لگانے کے پینے کے لئے نہایت صاف پانی ہو جاتا ہے۔ واضح ہے کہ یہاں سب لوگ دریا کا پانی پیتے ہیں۔ چنانچہ ہم خود اتنے روز دریا کا پانی پیتے رہے۔ پانی تھوڑی دیر برتن میں پڑا رہے تو مٹی تہ نشین ہو جاتی ہے۔ گو بعد میں ہمیں ہدایت کی گئی کہ چائے کی دو چار پتیاں پانی میں ڈالکر اُسے جوش دے لیا کریں اور ٹھنڈا ہونے پر پئیں۔ اس کے بعد ایک ایکس ریز کے کمرہ میں بہت سے ایکس ریز کے فوٹو دیکھے۔ جنہیں جسم انسانی میں گولیاں لگی ہوئی صاف نظر آتی تھیں۔

واقعی ایکس ریز کا موجودہ جراحی پر بڑا احسان ہے - اپریشن روم اور بہر دوسرے جنرل وارڈ دیکھے - جہاں برقی پنکھے لگے ہوئے تھے - اور مریضوں کی چارپائیاں آہنی اور مسہریں ڈالی اور نواڑ کی ہی تھیں - معلوم ہوا کہ دو ماہ کے میڈیکل سٹورز (ادویات کا ذخیرہ) ہر ہسپتال میں رکھے جاتے ہیں - ایک ماہ کے عمارہ کے سٹور میں اور ۳ ماہ کے بصرہ کے بیس میں ہیں - پس اگر کسی وجہ سے کوئی حادثہ پیدا ہو جائے اور ادویات ولایت سے آنے میں دیر لگے تو ہم چھ ماہ کا گذارہ نہیں کر سکتے ہیں - ادویات کی مقدار دو صدف اور ہسپتالوں میں اس وقت کوئی تنگی یا کفایت نہیں کیجاتی - ایک خیمہ میں ریڈ کراس کا سامان تھا - جس میں ہندوستانیوں کے استعمال کی سب چیزیں مثل سلیپر شال - کمبل - تمباکو - پاجامہ سوٹ - کرتے - جرابیں - تولئے - غرض روئی اون کے سب قسم کے کپڑے تھے - یہ ہسپتال دراصل برائیٹن کہ انگلستان) میں ہندوستانی ہسپتال تھا - اور ڈائرکٹر جنرل نے اڑہائی سو پونڈ نقد اسی اشیاء پر خرچ کرنے کے لئے دیئے تھے - اور جو اور ذرایع سے نہیں ملتیں - پس اس وقت آٹھ نو سو روپیہ اس رقم میں باقی ہے جس سے کرنل بھولا ناتھ صاحب مسلمانوں کو قرآن مجید اور سکھوں کو گرنتھ خرید دیئے ہیں - ایک خیمہ میں مسجد اور ایک میں مندر ہے - بیماریوں کے اپنے بستروں وغیرہ کیسا اچھا انتظام پیکنگ سٹورز کا ہے کہ تندرست ہونے کے بعد ہر شخص کو اس کا سامان بلا کم و کاست مل جاتا ہے - بلکہ اس کے ہسپتال کے رخصت ہونے سے پہلے جہاز پر پہنچ جاتا ہے

جوئیں صاف کرنا

جب مریض خندقوں سے آتے ہیں - تو انہیں اکثر جوئیں پڑی ہوئی ہوتی ہیں - اس لئے یہاں بڑے بڑے ڈس انفکٹ مشینیں رکھی ہیں کہ جن سے انہیں اور ان کے کپڑوں کو صاف کر کے ان کی جوئیں ماردی جاتی ہیں - ورنہ جوئیں دوسرے لوگوں میں مرض پھیلا دیتی ہیں ؛

مختلف اقوام کے باورچیخانے

اس کے بعد ہم نے مریضوں کو کھانا کھاتے دیکھا۔ مسلمان اور ہندو الگ الگ زمین پر بیٹھے ہوئے تھے۔ اور چاول اور سبزی کھا رہے تھے۔ ریلیف فنڈ ہو۔ صرف ہندو اور مسلمان کے لئے اور باورچی خانے علیحدہ نہیں ہیں۔ بلکہ ہندوؤں میں راجپوت ڈوگرہ اور برہمن کے الگ الگ ہیں۔ اور ۱۴ کس ایسے ہندو یا برہمن اس وقت اس ہسپتال میں لیٹے تھے۔ جو ہر ایک اپنا کھانا خود پکا کر کھاتا تھا۔ اور کسی دوسرے کے ہاتھ کا پکا ہوا کھانا کھانا عیب سمجھتا تھا۔ یہ بات سنکر ایک شخص نے مجھے عراق کے ہندو مسلمان کے چھوت کا ایک دلچسپ قصہ سنایا۔ اس نے کہا کہ یہاں کے شیعہ یہودی سے چھو جانا بھی عیب سمجھتے ہیں۔ چہ جائیکہ ان کا کھانا یہودی سے چھو جائے۔ ایسے دلچسپ سمجھتے ہیں

ترکوں کے یہودی سپاہی

مگر جب ترکوں نے حریت کے بعد یہودیوں کو اپنی فوج میں بھرتی کرنا شروع کیا۔ تو پہلے تو یہودی حتی الوسع فوج میں بھرتی ہی نہیں ہونا چاہتے تھے۔ اور بھرتی سے ڈر کر بھاگ جاتے تھے۔ چنانچہ اس وقت بھی عمارہ میں تین چار یہودی بغداد سے بھاگا ہوا ہے۔ خود ترکوں کی بھرتی کے ڈر سے گھر چھوڑ کر گم ہو گیا تھا۔ اور اب پھر بغداد جانے کے لئے بے صبر ہے۔ مگر جب کچھ یہودی فوج میں شامل ہوئے۔ تو ترکوں نے سب کا کھانا اکٹھا دینا شروع کیا۔ اور جب ترکوں کے شیعہ سپاہیوں کو معلوم ہوا کہ انگریزی فوج میں ہندو مسلمان کا کھانا الگ الگ پکتا ہے۔ وہ بہت چین بجبیں ہوئے۔

مکھیوں کا دفعیہ

عراق عرب میں مکھیوں کی کثرت ہے۔ اور مچھروں اور پسوؤں کی بہتات ہے۔ ایک قسم کی سینڈ فلائی یہاں گرمی کے موسم میں ہوتی ہے کہ جس کے کاٹنے سے بخار ہو جاتا ہے۔ مگر اس کا ابھی موسم نہیں آیا۔ مچھروں اور پسوؤں کا علاج یہاں عموماً مچھردانیاں چارپائیوں پر لٹکا کر کیا جاتا ہے۔ مگر کمبخت مکھی بہت دق کرتی ہے۔ حکام فوجی نے افسروں کو مکھیاں مارنے والے پٹے بنا رکھے ہیں۔ جنہیں وہ اکثر ہاتھ میں رکھتے ہیں۔ اور جہاں مکھی آئی جھٹ مار کر گرا دی۔ مکانوں میں مکھیاں پکڑنے کی ادویات لگی جاتی ہیں میں نے یہاں دو نرالی ترکیبیں دیکھی ہیں۔ ایک تو جاپانی مشین ہے جس میں کلاک ورک لگا ہوا ہے۔ اس کا ڈبہ ہر وقت آہستہ آہستہ پھرتا رہتا ہے۔ اور جو مکھیاں اس پر بیٹھتی ہیں۔ وہ چھلکے سے ایک پردہ کے پیچھے جا کر بکس میں قید ہو جاتی ہیں اور پھر گرم پانی میں بکس ڈال کر انہیں مار ڈالا جاتا۔ یہ پندرہ شلنگ کو بمبئی سے ملتا ہے اور دوسرا ایک ٹوکرا سا ہے جیسے کہ مرغیاں بند کرنے کا ہوتا ہے۔ اس میں ایک دراڑ رکھی گئی ہے جس میں سے مکھی اندر تو چلی جاتی ہے۔ مگر باہر نہیں نکل سکتی اور اندر سنکھیا کا ایک محلول رکھا ہوتا ہے کہ جس پر بیٹھ کر مر جاتی ہے۔ گھوڑوں کی لید اور آدمیوں کی نجاست کی وجہ سے مکھی زیادہ پیدا ہوتی ہے۔ لید تو اب دور ڈلوا دی جاتی ہے۔ اور شہر کے لوگوں کے لئے اب ٹٹیاں بنوا دی گئی ہیں۔ جو پہلے نہ تھیں۔

ایک تھیٹر

عمارہ میں ایک صاحب کی مہربانی سے ایک روز سب اخبار نویسوں کو یہاں کا تھیٹر بھی دکھایا گیا۔ امینہ نامی شام کی ایک عیسائی رقاصہ اس کی مالک ہے ایک دو اور یہودی رقاصہ بھی ناچیں زیادہ تر عربی ناچ کی کمر ملانے کے نمونے دکھلائے جیسے کہ میں نے یہودی عورتوں کی پیرس کی نمائش گاہ میں دیکھے تھے تو یاد آ گئی گویت ایک پسوکا اور ایک صاحب نے کپڑے

دھونے بھی لگا کر اور ساتھ ہاتھوں سے رومال کا دھونا بتا کر گاے۔ کپڑے دھونے کے گیت کے وقت تھیٹر کا ہوشیار دوکان دار سن لایٹ سوپ کے بار لایا۔ اور کتنی شائقین نے صابن خرید کر فاصلہ کے سامنے نظر قبولیت پھینک دیا۔ اخیر پہ ایک نقل بطور ڈرامہ دکھلائی گئی۔ جو ایک یورپین قصہ سے لی گئی ہے۔ گیارہ بجے مکان پر گئے۔ تو دیکھا کہ رستہ میں ہر شخص کے ہاتھ میں لالٹین ہے۔ معلوم ہوا کہ اس وقت یہاں کا قانون ہے۔ کہ ۹½ بجے شام کے بعد کوئی شخص ہاتھ میں لالٹین لینے کے سوائے شہر میں نہ چلے۔ سنا کہ یہاں ایک آدھ اور تھیٹر بھی ہے۔ جہاں عرب شوق سے جاتے ہیں۔

حجامت ایک روز میں بازار میں ایک حجام کی دوکان پر گیا۔ یہاں حجام کی دوکان میں دو تین قد آدم شیشے لگے ہوئے ہوتے ہیں۔ اور ہر وقت دو چار آدمی حجامت کے انتظار میں بیٹھے رہتے ہیں۔ مجھ سے پہلے ایک یہودی اور ایک ہندوستانی مسلمان نے حجامت کرائی تھی۔ میں معلوم کرنا چاہتا تھا۔ کہ حجامت کی اجرت کیا دینی چاہیے۔ اس ہندوستانی نے ایک روپیہ نکال کر حجام کو دیا۔ حجام اسے باقی کا بدل دینے لگا۔ تو اس نے ہاتھ سے روک دیا۔ کہ "لا" میں نے سمجھا کوئی بڑا امیر آدمی ہوگا۔ کہ خط بنوانے کا روپیہ دیدیا ہے۔ پوچھنے پر معلوم ہوا کہ میرٹھ سے ایک صاحب سپرنٹنڈنٹ پولیس یہاں آئے ہوئے ہیں۔ اور یہ ان صاحب کے بہرہ یا خانساماں ہیں۔ میں نے پوچھا۔ آپ تنخواہ کیا پاتے ہیں۔ کہا تیس روپے۔ گو اس شخص نے روپیہ دینے میں حماقت کی ہو۔ کیونکہ میں نے صرف ۲ اسی حجام کو دیئے تھے۔ تاہم اس سے کچھ پتہ ملتا ہے۔ کہ کس قدر روپیہ اس ملک میں آیا ہوا ہے۔ عام بڑھئیوں کو ساٹھ اور سو روپیہ تنخواہ ملتی ہے۔ اور روٹی کپڑا علاوہ۔ میں نے سنا کہ

یہاں کی بدوی عورتیں مزدوری کرکے ۱۲ روپیہ ہر روز کما لیتی ہیں.....

وائی۔ایم۔سی۔اے

یہاں وائی۔ایم۔سی لمے کا بڑا مرکز کمانڈنٹ صاحب کے مکان کے پاس ہے۔ یہاں ۸ بجے کے بعد لمنیڈ اور سوڈا اور چلیپٔے ارزاں شرح پر پہنچے جاتے ہیں۔ اور اتوار کو سولجروں کی مذہبی عبادت بھی یہاں ہوتی ہے۔ ٹائمز آف انڈیا اخبار کا پرچہ شائقین کے لئے چسپاں کیا جاتا ہے۔ بہت سے ناول اور اخبار شائقین کے پڑھنے کے لئے یہاں موجود ہیں۔ مسٹر ہابسن امریکن سیکرٹری نے ہمیں ساتھ لیکر ہندوستانی اور ایک برٹش مرکز دکھلایا۔ ایک ہندوستانی جھونپڑے میں تاش گنجفہ شطرنج اور ایک چاند ماری کی کھیل تھی۔ کہ جس پر مار بل (شیشہ کی گولیاں) ایک لکڑی سے سپاہی نشانہ پر لگاتے ہیں۔ ایک دو کتابیں اور اخبار بھی تھے۔ دیوار پر دو نقشے آویزاں تھے۔ ایک برٹش مرکز میں دیکھا۔ کہ ایک فرانسیسی مشین سینو منیو گراف کی تھی۔ جو ایک ٹائپ رائٹر سے بڑی نہ تھی۔ مگر چلانے کے وقت یہ اپنی برقی روشنی خود پیدا کر دیتی تھی۔ یہاں انگریزی اخبار اور رسالے بھی بہت تھے۔ اور انگریزی کتابوں کا خاصہ ذخیرہ تھا۔ ہندوستانی مرکز میں سُنا گیا۔ کہ اردو اور گورمکھی اخبارات کی بڑی مانگ رہتی ہے۔ اس لئے اگر ہندوستان سے وائی ایم سی لمے کی معرفت اخبارات کے بہت سے پرچے بھیجے جائیں۔ تو بڑا مفید کام ہوگا۔

پیسہ اخبار تبت میں

میں ایک روز مسٹر فلبی صاحب کے مکان پر بیٹھا ہوا باتیں کر رہا تھا۔ کہ ایک صاحب کپتان بیلی انہیں ملنے آئے انہوں نے ہمارا تعارف کرایا۔ اور مجھے بتلایا کہ یہ ہندوستان کے سرحدی صوبہ کے افسر ہیں۔ پیسہ اخبار کی باتیں ہونے لگیں۔ تو کپتان بیلی صاحب نے کہا۔ کہ تمہیں معلوم ہے۔ پیسہ اخبار تبت میں بھی خریدا جاتا ہے۔ میں نے کہا مجھے

معلوم نہیں۔ کیونکہ یہ بنیجر کا کام ہے۔ کپتان صاحب اس وقت کے بڑے مشہور سیاح ہیں۔ اور آپ نے تبت میں دریائے سانپو کا منبع معلوم کیا ہے۔ کہ جو برہمپتر کا معاون ہے۔ اور جس کا منبع ابتک گورنمنٹ ہند معلوم نہیں کر سکتی تھی۔ کیونکہ چینی حکام کسی انگریزی باشندے کو ادھر جانے نہیں دیتے تھے۔ بہرحال کپتان بیلی صاحب نے کہا میں تبت میں تھا۔ اور مجھے بہت عرصہ سے ہندوستان کا کوئی اخبار نہیں ملا تھا۔ آخر ایک کشمیری سے میری ملاقات ہوئی۔ تو میں نے اسے پوچھا۔ کہ کوئی اخبار مل سکتا ہے۔ اس نے کہا ہاں میں پیسہ اخبار کو منگواتا ہوں چنانچہ میں اس وقت پیسہ اخبار کو پڑھکر بہت خوش ہوا...

عمارہ سے بغداد تک

۲۲۔ اپریل کی صبح کو ہم لوگ ۱۰ بجے جہاز پر سوار ہو کر بغداد کو روانہ ہوئے خانصاحب سید مظفر شاہ اور بابو سراج الدین صاحب جہاز پر وداع کرنے آئے اور جیسا کہ میں پہلے لکھ چکا ہوں۔ ایک دنبہ بھی جہاز پر چھوڑ گئے جو میری دعوت کے لئے آپ نے خریدا تھا۔ اتفاق کی بات ہے۔ کہ یہ وہی سٹیمر ع۔ ۵۴ ہے۔ کہ جس پر سے پندرہ روز پیشتر ہم عمارہ میں اترے تھے۔ اور اتنے میں یہ سٹیمر بغداد سے ہو کر بصرہ گیا۔ اور آج پھر بغداد کو جا رہا ہے۔ کہ ہم اس پر سوار کرائے گئے اب کے پہلے اس پر مسافروں کا بڑا ہجوم تھا۔ اور ڈک پر فرسٹ کلاس کے اتنے مسافر تھے کہ بمشکل سب کے کیمپ بیڈ سما سکے۔ اور چلنے کا راستہ بھی نہ رہا۔ ان دریائی سٹیمروں میں کیبن نہیں ہوتے کہ لوگ ان میں سویا کریں۔ کیونکہ یہ بہت چھوٹے ہوتے ہیں۔ دریا کے دونوں کناروں پر گلے چرتے دیکھے جاتے ہیں۔ اور

کہیں کنارہ سے چند فیٹ ہٹا ہوا ایک میل کا مربع احاطہ ہوتا ہے۔ کہ جس کے دونوں یا چاروں کونوں پر برج ہوتے ہیں۔ اس کے اندر خس پوش جھونپڑے نظر آتے ہیں۔ اور صرف ایک دروازہ آنے جانے کو ہوتا ہے۔ شاید یہ سرکاری چوکیاں ہوں گی۔ کیونکہ مفلس بدوی تو مٹی کے بھی ایسے صاف ستھرے مکان نہیں بنا سکتے۔ کناروں پر کہیں کہیں کھیتیاں بھی نظر آتی ہیں۔ دریا بڑے چکر کھاتا ہے۔ بعض اوقات آدھ میل جگہ طے کرنے کے لئے دو چار میل کا چکر کھا جاتا ہے۔

علی غربی و علی شرقی

دائیں ہاتھ ایک چھوٹا سا قصبہ کھجور اور دوسرے درختوں کے دو جھنڈوں کے درمیان آیا تھا یہاں بھی عزرا کی قبر کی طرح ایک بلند گنبد والی قبر ہے۔ اور اس پر بھی چوٹی پر کچھ سبز ٹائیل لگے ہیں۔ اس کا نام علی شرقی ہے۔ اس سے آگے عمارہ اور شیخ سعد کے نصف راستہ میں بائیں جانب کو ایک اس سے بڑا قصبہ آتا ہے۔ کہ جس کا نام علی غربی ہے۔ اس کے مکانات بھی کچی اینٹوں کے معلوم ہوتے ہیں۔ اور دو ہزار کی آبادی ہو گی

شیخ سعد کیمپ

۲۲۔ اپریل کو ۸ بجے سٹیمر شیخ سعد پہنچا۔ یہ تھوڑے سے کچے مکانات کا ایک گاؤں ہے۔ مگر چونکہ کوٹ العمارہ کے مقابلہ کے زمانہ میں یہ میں تھا۔ اس لئے یہاں دریا کے بائیں جانب ایک بہت بڑا کیمپ تھا چونکہ یہاں ہمارا اسٹیمر کچھ سپاہی اتارنے کے لئے ٹھہرا ہم اتر کر کنارہ پر گئے چند میدان جھونپڑے تھے۔ جن میں سے بعض میں کچھ ایمونیشن اور ایک میں افسروں کا میس تھا جس کے دروازہ پر ایک چھوٹی سی بھدی عربوں کی بنائی ہوئی توپ رکھی تھی۔ آجکل کی توپوں سے اس توپ کو وہی نسبت تھی۔ جو چوہے کو شیر سے ہوتی ہے۔ اب یہ میس ٹوٹ رہا ہے۔ آج یہاں برف کی مشین چلی ہے جو اس گرما

کے لئے نکالی گئی ہے۔ خاروا ثار کے بڑے بڑے ڈھیر پڑے تھے۔ ۴ بجے دائیں ہاتھ سولام الحنا کا میدان جنگ آیا۔ جہاں بڑی لڑائی ہوئی تھی اور دور تک خندقیں اور مردوں کی قبریں نظر آتی ہیں۔ پشت کوہ کا جھاڑ کل اور آج دن بھر ساتھ ساتھ چلا آیا

کوت العمارہ — رات کو کوت العمارہ گذر گیا۔ سُنتا ہے کہ اب سوائے نام کے اسمیں کچھ باقی نہیں۔ گو یہ دس ہزار آدمیوں کا قصبہ تھا۔ اور یہاں مکانات اور بالاخانے وغیرہ ہیں۔ مگر ترکوں نے لڑائی کے زمانہ میں خود ہی اسے لوگوں سے خالی کرا لیا تھا۔ اب اس سے دو میل کے فاصلہ پر انگریز اپنا کیمپ لگا رہے ہیں۔ ایک میجر پیر صاحب ایک سینٹری کل افسر کو آجکل بھی یہاں صفائی کیلئے بھیجا گیا ہے آج ۲۴ کی صبح کو سٹیمر کے ساتھ کا بارج ایک ریت کے ڈھیر پر چڑھ گیا تھا۔ جو دریائے دجلہ میں ہمیشہ بنتے رہتے ہیں۔ اور آدھ گھنٹہ کی کوشش سے وہاں سے اترا اور جہاز روانہ ہوا سوائیں جانب کے بارج پر ایک آدمی لاٹھی لیکر بیٹھا ہوا دریا کا پانی ناپ ناپ کر بتلاتا جاتا ہے کہ پانی کتنا گہرا ہے۔ اور اس کے مطابق سٹیمر کدھر رخ کرے آج بھی دریا کے کناروں پر بہت سی خندقیں اور لڑائی کے نشان اور انگریزی چوکیاں نظر آتی ہیں۔

بغیلہ — ایک بجے دوپہر کو جہاز بغیلہ پہنچا۔ یہ ایک خاصا بڑا قصبہ بائیں کنارہ پر ہے۔ اور پاس اور سامنے کی طرف بہت سے باغات ہیں۔ ایک مسجد کا بہت بلند مینار بھی نظر آیا۔ اس وقت تو تحقیق نہیں ہو سکا۔ کہ بغداد سے ایک دور و نزدیک کے رستہ پر کسی شہر کا نام بگھیلا کیا ہو سکتا ہے۔ مگر بغداد پہنچکر معلوم ہوا کہ اس کا صحیح املا بغیلہ ہے یعنی بغل (کھجور) کی تصغیر۔ دریا کے کناروں پر جواب اونچے ہو گئے ہیں۔ کئی جھلاریں چرسوں سے پانی کھینچتی

ہیں۔ اور بیلوں کی جوڑی یا ایک گھوڑا اسی طرح نیچے ڈھلوان پر ہانکا جاتا ہے جیسے کہ صوبجات متحدہ کے بعض کنوؤں سے لوگ چرسے سے آبپاشی کرتے ہیں۔ آج دریا پہلے سے بہت چوڑا ہو گیا ہے۔ آج رات کو نومبر دسمبر کی رات کے برابر سردی تھی۔ دریا کے کناروں پر اکثر کھیتی اور سبزی ہے۔ مگر بہت سے خودرو پودے نظر آتے ہیں۔ یہ ملیٹھی کے پودے ہیں۔ جو اس دریا پر بہت خودرو اگ گئے ہیں۔ بدویوں کے سیاہ خیمے اور مویشی اکثر چرتے نظر آتے ہیں۔ کوت سے آگے معلوم ہوتا ہے۔ ترکوں نے دیالہ سے ادھر کہیں مقابلہ نہیں کیا۔ کیونکہ دریا پر کوئی خندقوں وغیرہ کے آثار جنگ نمودار نہیں۔

بدویوں کا پانی میں کودنا

۲۵ - اپریل - آج دریا کا کنارہ کل کی طرح اونچا ہے کئی جگہ جھلاریں لگی ہیں۔ اور چرسوں سے پانی کھینچا جاتا ہے۔ کئی جگہ پمپ اور انجن بھی پانی کھینچنے کے لئے لگے ہوئے مگر اب بیکار پڑے نظر آتے ہیں۔ آج کئی گھنٹہ تک ایسے علاقہ سے گذرے کہ جہاں کنارہ دریا کے جھونپڑوں سے نکلکر بدو چلتے سٹیمر کے مسافروں کو سلام کرتے اور ان سے کپڑے مانگتے بھاگتے ہوئے چلے آتے تھے۔ کئی لڑکے اور جوان بلکہ ادھیڑ بھی کپڑے اتار کر پانی میں اس امید پر کودتے۔ کہ لوگ کوئی کپڑا پھینکیں بعض تو یوں ہی تیرتے تھے۔ مگر جن دوسروں نے پھونک سے بھری ہوئی مشکیں پیٹ سے باندھی ہوئی تھیں وہ دریا کی منجدھار میں آجاتے تھے دجلہ کی منجدھار میں تیرنا کوئی معمولی بات نہیں۔ ان کی حالت دیکھکر افسوس ہوتا تھا۔ کہ کئی لڑکے اور مرد میلوں جہاز کے ساتھ اس امید پر دوڑتے کہ اب کوئی کپڑا پھینکتا ہے۔ اور اگر کوئی چیتھڑا پانی میں پھینک بھی دیتا تو وہ جھٹ پانی میں کود پڑتے۔

آج ٹیسی فان (مدائن) کے قدیم شہر کے کھنڈرات کے پاس سے جہاز گذرا جو سلاطین خاندان ساسانی	ٹیسی فان کا محل ملاحظہ کرنے

کا پایہ تخت تھا۔ اور اس کے پاس ایک عظیم الشان شاہی محل کے کھنڈرات ابتک کھڑے ہیں۔ اس محل کے ہال کا اتنا بلند گنبد ہے۔ کہ بعض لوگوں کا خیال ہے۔ کہ دنیا میں ابتک کوئی دوسرا گنبد اتنا بلند تعمیر نہیں ہوا۔ یہاں دریائے دجلہ تین چار میل کا چکر کھاتا ہے۔ اس لئے اس محل کے آگے اور پیچھے پہلو نظر آتے ہیں۔ میں کتاب گیٹ آف ایشیا سے اس کے متعلق مندرجہ ذیل اقتباس درج کر دینا کافی سمجھتا ہوں۔

" زمین کے ایک قطعہ پر کہ جس کے گرد دریائے دجلہ نے ایک بہت بڑا چکر لگایا ہے۔ ایک زمانہ میں ٹیسی فان کا قدیم شہر آباد تھا۔ جو ایران کے ساسانی حکمرانوں کا دارالخلافہ تھا۔ اور آج بے شکل ٹیلوں کے ویرانہ کے درمیان ایک عظیم الشان اکیلی عمارت کھڑی ہے۔ جو کسرای (Chosrors) کا محل ہے۔ جو ۵۵۰ قبل مسیح میں تعمیر کیا گیا تھا۔ اس عالیشان ہال کی دیواریں اور گنبد لداؤ کا چھت اور جنوبی قطعہ کی روکار کی دیوار تک کھڑے ہیں۔ اس بڑے خرابہ کی شکل بالکل عجیب ہے۔ جو مشرق کے بعد کے کسی خرابہ سے بالکل نرالی قسم کی ہے۔ بائیں جانب اس حصہ کا عالیشان پردہ کھڑا ہے۔ یہ ایک اینٹوں کی دیوار اتنی موٹی ہے۔ کہ اکیلی سو فیٹ سے زیادہ بلند کھڑی ہے۔ اسمیں سے ایک اکیلا گول دروازہ عالیشان مقدار کا نکلا ہوا ہے۔ مگر تمام عمارت کی بلندی کے مقابلہ میں وہ بہت چھوٹا معلوم ہوتا ہے۔ ... "

دائیں طرف بڑا ہال ہے۔ اس کی جنوبی دیوار سے پہلو کا اس حصہ سے ایک زاویہ بنتا ہے۔ اس کی عرض پر دنیا کا سب سے بڑا گنبد دار چھت پڑا ہوا ہے۔ جو ایک بلند بیضوی شکل کا ہے۔ کے نمونہ کا چھیاسی فیٹ چوڑا ہال ہے۔ اس کے باقی تناسب سب بہت ہے

موزوں ہیں۔ گو اس کی پچانوے فیٹ حلقہ محراب کی نسبت محراب تھوڑی سی زیادہ ہے۔ محراب الیسا ہیچ ہے۔ گو وہ اصل سے بہت موٹا معلوم ہوتا ہے۔ اس بڑے ہال کا تمام رو بکار کھلا ہے۔ اور بظاہر کبھی کسی زیادہ مستقل چیز سے بند نہیں کیا گیا سوائے ایک قالین کے جو بقول عرب مورخ طبری کے ساٹھ ہاتھ چوڑا اور ستر ہاتھ لمبا تھا۔ اس قالین میں ایک باغ کا نقشہ بنایا گیا تھا۔ جس کی زمین سونے کی راستے چاندی کے سبز قطعات زمرد کے۔ نہریں موتی کی اور درخت پھول اور پھل جواہرات وغیرہ قیمتی پتھروں سے بنائے گئے تھے۔ اس ہال کی پشت ایک عظیم خشتی دیوار سے بند کی گئی ہے کہ جس میں سے ایک دروازہ اور بلندی پر دو کھڑکیاں رکھی گئی ہیں۔

یہ ساسانی خاندان کہ جس کے ایک بادشاہ نے یہ محل تعمیر کیا تھا۔ ایک ایرانی بادشاہ اردشیر نے مسیحؑ سے تیسری صدی بعد میں اس کی بنیاد رکھی تھی۔ کہ جس نے پارتھین طاقت کے آخری رمق کو بھی صاف کر دیا۔ گو اس کا دارالخلافہ تو ایران میں تھا مگر اس کے جانشین نے میسوپٹیمیا میں ایک دارالخلافہ تعمیر کرنا ضروری سمجھا کہ جہاں سے بائی زنطین رومیہ سلطنت سے مسلسل جنگ جاری رکھ سکے۔ اس وقت وادی دجلہ میں بڑا شہر سلوسیا تھا۔ جو اسکندر اعظم کے جانشین سلیوکس نیکے ٹار نے تعمیر کیا تھا۔ اور ابھی تک ٹیسی فان کے متقابل پر اس کی منہدمہ دیواریں موجود ہیں۔ یہاں شاپور اول شہنشاہ ویلیریَن کی بھس سے بھری ہوئی کھال لایا کہ جسے اس نے ۲۶۰ء میں سن مسیحی میں ایک جنگ میں گرفتار کیا تھا۔ اور اسے اپنے محل میں لٹکایا۔ ۳۶۰ء میں شاہ پور ثانی یہاں سے وادی دجلہ کے رومن قلعوں سے لڑتا رہا۔ اور جبکہ شہنشاہ جولین نے اسے شکست دی تو وہاں سے۔ ۔ ۔ یہاں واپس آگیا اور رومی اسے قید کر کے لیجاتے اگر رومی قیصر کے مشیر اپنی قربانیوں کو اس حملہ کے لئے منحوس نہ قرار دیتے۔ ان شگونوں سے مشرق میں سلطنت روما کو زوال حاصل ہوا۔ کیونکہ انھوں نے

ولیرین کو ترغیب دی کہ خوف زدہ شاہ پور کو چھوڑ کر دجلہ کے پار چلے جائیں۔ یہاں اس نے جلدی سے ایک پہاڑیوں کی فوج جمع کر کے سلیوسیا کو چھوڑانے کا ارادہ کیا۔ اور اس کے لئے جو جنگ ہوئی۔ اسمیں وہ خود مارا گیا۔ وہ خود مضبوط آدمی تھا۔ مگر ایک جلدی پراگندہ ہو جانے والی سلطنت اُسے ورثہ میں ملی تھی۔ اس کے بعد کمزور جووین رومی شہنشاہ تھا۔ جو شاہ پور کو مشرق کا تمام ملک چھوڑ کر ایشیا کوچک کو واپس آگیا۔

اس کے بعد ایک مضبوط سلسلہ طاقتور بادشاہوں کا متمکن ہوا۔ لیکن انہیں چھوڑ کر ہم صرف انوشیروان عادل اور خسرو کا ذکر کرتے ہیں۔ کہ جسنے ۵۴۰ء میں شام میں انطاکیہ لیا اور ساتھ ہی متصل شہر سلیوسیا واقعہ اورنٹس (Orontes) پر بھی قبضہ کر لیا۔ اور یہاں کے باشندوں کو اس نے میسوپوٹیمیا کے سلیوسیا کو جو وادی دجلہ میں ہے۔ جلا وطن کر دیا۔ یہاں اس نے انہیں دریا کے مشرقی کنارے پر آباد کیا اور یہ شہر بسایا۔ کہ جسے ہم آج ٹیسی فان کہتے ہیں۔ یہ خسرو شاہ پور کا نہایت لائق جانشین ثابت ہوا جو دور کے علاقہ میں آگ اور تلوار لے گیا۔ مگر اس کا سب سے بڑا کام اس محل کی تعمیر تھا۔ کہ جسے آج عرب تخت کسریٰ یا قصر کسریٰ یا طاق کسریٰ کہتے ہیں۔

یہ خاندان صرف ایک صدی بعد تک قائم رہا۔ کیونکہ بہت بڑے تغیرات آب د ہوا کہ جنہوں نے ابتک بھی بربریوں پر بڑا اثر کیا تھا۔ اور عربوں کو ایشیا کے جنگل میں دھکیل دیا۔ مگر آخر اسلامی حملہ کا طوفان عظیم مسیحان سے گذر کر ایران پر پھیل گیا۔ اور اسی میں ساسانی خاندان کا آخری کمزور بادشاہ یزدجرد بھی بہ گیا۔ اس زمانہ کے مورخ بیان کرتے ہیں کہ اس شہر کے تاخت و تاراج سے بے حد مال غنیمت فاتحوں کے ہاتھ آیا۔ اور اس عالیشان محل کو دیکھکر سب حیران رہ گئے۔

مداین عرب مورخین نے اس مقام کا نام مداین یعنے مدینہ (شہر) کی جمع بتایا ہے۔ ان کا مطلب اس سے یہ ہے کہ اس جگہ یا اس پاس کئی شہر آباد تھے۔ یا جس طرح کہ ایک بڑے شہر کے قریب بہت سے چھوٹے مضافات جمع ہو جاتے ہیں ملیسکی چھوٹے چھوٹے قصبات ٹیسیفان کے قریب واقع ہوں گے۔ اور قصر کسریٰ کو عرب یہاں طاق کسریٰ کہتے ہیں۔

سلمان پاک ٹیسی جگہ کو یہاں کے لوگ سلمان پاک بھی کہتے ہیں۔ اور اس عظیم کھنڈر سے قریباً ایک میل کے قریب حضرت سلمان پارسیؓ کی قبر کا گنبد نظر آتا ہے۔ اس لئے آجکل یہ مقام اس نام سے مشہور ہے اور اس کے قریب ہی وہ بھاری لڑائی ہوئی تھی۔ جسمیں میجر جنرل ٹاونسنڈ کی فوج کو بھاری نقصان پہنچا۔ کیونکہ ترکی افواج بہت مضبوط پوزیشن رکھتی تھیں۔ اور انگریزی افواج پسپا ہو کر کوت العمارہ کو آئیں۔ اور ۷۔ دسمبر ۱۹۱۵ء کو کوت میں محصور ہوگئیں۔ اور ۱۴۳ روز کے بعد یعنے ۲۹۔ اپریل ۱۹۱۶ء کو ہتھیار رکھدینے پر مجبور ہوئیں۔ مگر اب قریباً ایک سال کے بعد کوت العمارہ میں نمایاں فتح حاصل کر کے انگریزی فوجوں نے دریائے دیالہ کے پاس جو یہاں سے کچھ آگے دجلہ میں داخل ہوتا ہے۔ ترکی افواج کو شکست دیکر بغداد پر قبضہ کر لیا۔

عراق عرب کے باشندے

عرب اور یہودی عشار اور بصرہ کے بازاروں میں دو قسم کے آدمی نظر آتے تھے۔ ایک تو وہ لوگ جو لمبے عبا اور جبہ پہنے ہوئے اور سر پر کُفیہ اور اُگال باندھے ہوئے ہوتے ہیں یعنی رومال ڈانگر اوپر سے بالوں کی رسی سے لپیٹ لیتے ہیں۔ اور دوسرے وہ لوگ جو سوائے سرخ ترکی ٹوپی کے باقی بالکل یورپین لباس پہنتے ہیں

بادی النظر میں معلوم ہوتا ہے کہ یہ بھی مسلمان ہوں گے۔ اور ترک کچھ تو اپنے تہذیب کا بقیہ پیچھے چھوڑ گئے ہیں۔ مگر بعد میں معلوم ہوتا ہے۔ کہ یہ آخری قسم کی سرخ ترکی ٹوپی اور یورپین لباس پہننے والے زیادہ تر یہودی اور کمتر کالدی اور شامی عیسائی ہیں۔ اور باقی عربی لباس پہننے والے سب مسلمان ہیں۔ بلکہ بصرہ اور عمارہ میں جسقدر یہودی لڑکے ملے ہیں۔ وہ سب کم وبیش انگریزی بولتے ہیں۔ اور کہتے ہیں۔ کہ چند سال سے بغداد میں ایک امریکن مشن سکول قائم ہوا تھا جسمیں انگریزی سکھلائی جاتی تھی۔ یہودی عموماً سرخ وسفید رنگ کے ہوتے ہیں۔ گو عرب مسلمان بھی اکثر گورے چٹے ہوتے ہیں۔ مگر بعض سانولے بھی ہوتے ہیں۔ اس وقت یہاں عمارہ میں چار پانچ سو یہودی جمع تھے جو سب بغداد کو جانا چاہتے تھے۔ مگر ابھی انہیں جانے کی اجازت نہیں ملی۔ معلوم ہوا۔ کہ جبتک نوجوان ترکوں نے یہودیوں اور عیسائیوں سے جزیہ (دنگلی ٹیکس) لینے کے قدیم قاعدہ کو ترک کرکے انہیں فوج میں بھرتی کرنا شروع کیا تو یہ یہودی بغداد سے بھاگ آئے تھے۔

شیعہ اور سُنّی یہاں مسلمان بلحاظ مذہب دو قسم کے ہیں۔ سُنّی اور شیعہ۔ ترکی کا سرکاری مذہب سُنّی ہے اور ایران کا سرکاری مذہب شیعہ۔ سنی یہاں عیسائیوں اور یہودیوں کے ساتھ ملکر کھالیتے ہیں۔ مگر شیعہ بالکل نہیں کھاتے۔ اس ملک میں ابتدا میں ایران کے ماتحت رہنے اور نیز بوجہ ایران سے قریب واقعہ ہونے کے شیعہ بہت زیادہ ہیں۔ بہت سے بدوی عرب شیعہ مذہب رکھتے ہیں۔ عمارہ کے شہر کے باشندوں میں بھی سنی کم ہیں۔ پشت کوہ کا علاقہ عمارہ سے قریب ہے۔ جو ایران کا ایک صوبہ ہے۔ میں نے پشت کوہ کے ایرانیوں سے پوچھا۔ تو معلوم ہوا کہ اس صوبہ میں سبھی شیعہ لوگ آباد ہیں۔ ایک سُنّی نہیں۔ غرضکہ صوبہ بصرہ میں اسّی فیصدی شیعہ و بیس فیصدی سنّی آباد ہیں۔ بعض ایرانی سیاہ یا بھورے رنگ کی بڑی اونچی نمدے کی ٹوپی پہنتے ہیں۔ اور ان اونچی ٹوپیوں کے گرد سیاہ رنگ کی پگڑی بھی لپیٹتے ہیں۔ بعض

اونچی اور اوپر سے چوڑی ٹوپیاں دو بالشت سے کم بلند نہ ہوں گی۔ ان کے ڈھیلے پاجامے ہوتے ہیں اور یہ سب دیہاتی معلوم ہوتے ہیں۔ شہری جو دوکاندار اور سوداگر ہیں سفید ٹوپی پر زرد ریشم سے کڑھی ہوئی پگڑی باندھتے ہیں ان کے علما سفید یا سیاہ عمامہ پہنتے ہیں غرضکہ ہر قسم کے ایرانی۔ کرد۔ لر بختیاری بوشہری وغیرہ ایرانی ان بازاروں میں نظر آتے ہیں

دو قسم کے بدوی | عرب دو قسم کے ہیں۔ شہروں میں رہنے والے اور دہقان۔ آخری قسم کے بدوی ہوتے ہیں۔ جو شہروں سے باہر جنگل میں بکری کے بالوں کے بنائے ہوئے سیاہ خیموں میں رہتے ہیں۔ یہاں کے جنگل بالکل بیابان ہیں لیکن برسات کے بعد ان میں چراگاہ کافی ہو جاتی ہے اور تب بدو شمال سے اپنی بھیڑیں اونٹ اور گھوڑے لیکر آ جاتے ہیں۔ یہ لوگ اکثر آپسمیں ایک دوسرے پر چھاپے مارا کرتے ہیں۔ یہ کبھی کبھی شہروں کو لین دین کرنے کو آ جاتے ہیں۔ اور اپنے سانولے رنگ اور لمبے بالوں سے بآسانی پہچانے جاتے ہیں۔ شہروں میں رہنے والے عرب سوداگر۔ مالکان اراضی دوکاندار اور کشتی بان ہوتے ہیں۔ تمام عرب سر پر سرخ کفیہ اور عقال پہنتے ہیں جیسا کہ میں پہلے لکھ چکا ہوں۔ اپنے لمبے چوغہ یعنی دشداشہ کے اوپر کمر بند باندھتے ہیں کہ جسے حزام کہتے ہیں۔ دولتمند عرب اس کے اوپر ایک کوٹ پہنتے ہیں کہ جسے زبون کہتے ہیں۔ جو عموماً ریشم یا کسی عمدہ کپڑے کا ہوتا ہے۔ اور ان سب کے اوپر عبا پہنی جاتی ہے۔ بدوی یا عام عرب پاؤں میں کھیریاں (Sandals) بھی پہنتے ہیں۔ گو اکثر جوتے اور بوٹ پہنتے ہیں۔

دریائی عرب | دہقان جھونپڑوں یا کمبلوں کے خیموں میں رہتے ہیں اور مالکان اراضی کے مزارع ہوتے ہیں۔ تو جن شہروں میں سکونت رکھتے ہیں۔ وہ عرب جو شہروں سے باہر رہتے ہیں۔ وہ بڑے اقسام میں تقسیم ہو سکتے ہیں۔ بدّو اور معادن۔ بدو تو جیسا کہ اوپر بیان ہو چکا ہے خیموں میں رہتے ہیں۔ اور گھوڑے بھیڑیں اور اونٹ پالتے ہیں۔

اور گھوڑوں پر چڑھتے ہیں۔ اور معدان سرکنڈوں کے جھونپڑوں میں رہتے ہیں۔ بھینسیں پالتے ہیں۔ اور چاول اور غلہ بوتے ہیں اور چھوٹی چھوٹی کشتیوں میں ادھر اُدھر آتے جاتے ہیں۔ کیونکہ سوائے دریاؤں کے نشیبی علاقے بھی پانی سے بھر جاتے ہیں۔ چنانچہ کویت کے پیچھے سے لیکر شعیبہ تک پانی کی طغیانی سے ایک جھیل بنی ہوئی تھی۔ کہ جس میں کشتیاں چل سکتی تھیں مگر اب بند شعیبہ کے ذریعہ سے جس کا پہلے ذکر آچکا ہے۔ انگریزی انجنیئروں نے اس علاقہ کو بالکل خشک کر دیا ہے۔ بدوی ان کنارہ دریا کے عربوں کو حقارت کی نظر سے دیکھتے ہیں۔ ان سے آپسمیں شادی نہیں کرتے۔ بلکہ انہیں حقیر سمجھکر ان سے لڑتے تک نہیں۔ بدوی برابر عربی مہمان نوازی کے پابند اور موید ہیں۔ مگر دریائی عرب اس کی پرواہ نہیں کرتے۔ یہ چوری میں بڑے مشاق ہیں۔ چنانچہ دوران جنگ میں انہوں نے ترکی اور انگریزی افواج کو کیساں لوٹنے میں بڑا نام حاصل کیا ہے۔ کنار دجلہ کے شہروں میں جو دہقانی عرب عورتیں محنت مزدوری کرتی ہوئی دیکھی جاتی ہیں یہ انہیں دریائی بدویوں کی عورتیں ہوتی ہیں۔ یہ مردوں کیطرح بوجھ اٹھاتی اور قلیوں کا سا کام کرتی ہیں۔

بدویوں کی تربیت بدویوں کے بچوں کی تعلیم و تربیت کے بعد عمدہ شہری ہو سکنے کے متعلق میرے سامنے ایک اخبار نویس نے ایک تجربہ کار انگریز افسر سے سوال کیا تو اس افسر نے جو فارسی عربی بخوبی بولتا تھا۔ بلاساختہ شیخ سعدی کا یہ شعر پڑھ دیا۔

عاقبت گرگ زادہ گرگ شود   گرچہ با آدمی بزرگ شود

عرب عورتیں اور برقعیں بازاروں میں صرف سیاہ برقعہ پہنکر نکلتی ہیں۔ اس کا منھ کے سامنے کا کپڑا بہت باریک ہوتا ہے کہ جسمیں سے وہ تو دیکھ سکتی ہیں۔ مگر باہر سے کچھ نظر نہیں آتا۔ تمام یورپینوں کے لئے برٹش گورنمنٹ کا حکم ہے کہ کوئی کسی عرب عورت سے مخاطب نہو۔ میری رائے میں یہ نہایت

مناسب اور ضروری حکم ہے۔ اور امید ہے کہ یہ حکم ہمیشہ جاری رہے گا۔ اتفاقاً میں جہاز کے سفر میں "دی ویل" نامی ایک ناول ٹیونس کی زندگی کے متعلق پڑھ رہا تھا۔ کہ جس کے صفحہ ۱۱۸ پر یہ فقرہ میری نظر سے گذرا۔ جبکہ ایک اجنبی اٹالین ایک عرب عورت سے مخاطب ہوا۔ تو اس نے جواب دیا:۔ "کہ اچھا موسیو کیا تم کو معلوم نہیں کہ گورنمنٹ فرانس ان لوگوں کو سزا دیتی ہے۔ جو ٹیونس کی عورتوں کو مخاطب کرتے ہیں۔

ایرانی چونکہ عراق عرب کے پہلو بہ پہلو عراق عجم دور تک چلا گیا ہے یعنے کہ صوبہ عراق ایران کی سرحد پر واقعہ ہے۔ اس لئے بصرہ سے لیکر بغداد اور اس سے بھی دور آگے تک ایرانی اور ترکی سرحد متصل ہے۔ اس لئے بہت سے ایرانی خصوصاً پشت کوہ کے لوگ جو ایران کا قریب ترصوبہ ہے۔ اس تمام علاقہ میں آباد ہیں۔ اور بصرہ عمارہ اور بغداد وغیرہ بڑے شہروں میں بھی ایرانی حمال اور مزدور ہیں۔ مگر بہتر قسم کے ایرانی تجارت اور دوکانداری کرتے ہیں۔ اور کئی بڑے بڑے تاجر ہیں۔ اعلےٰ درجہ کے ایرانی سفید ٹوپی پر زرد رنگ کی ریشمی کڑہی ہوئی چھوٹی سی پگڑی باندھتے ہیں۔ مگر مزدور لوگ نمدہ کی بلند سیاہ یا خاکی ٹوپی رکھتے ہیں اور کمر کے گرد کردوں کی طرح کپڑا لپیٹتے ہیں۔ کرد بھی دو قسم کے ہیں۔ ایران کی اور ترکی رعایا۔ ملا خواہ ترک ہوں یا ایرانی سب سفید پگڑی باندھتے ہیں۔ مگر عرب یا ترک سرخ ٹوپی کے اوپر چھوٹا سا سفید عمامہ باندھتے ہیں۔ اور سید سبز عمامہ باندھتے ہیں۔ مگر ایرانی سید سیاہ عمامہ اور کبھی سیاہ پٹی بھی باندھتے ہیں۔

کلدانی عیسائی اس ملک میں علاوہ مسلمانوں اور یہودیوں کے بہت سے عیسائی بھی آباد ہیں۔ جو قدیم الایام سے اس ملک کے باشندے ہیں۔ ان میں سے سب سے مقدم کلدانی ہیں۔ یہ غالباً اس ملک کے قدیم ترین کلدانی باشندوں

کی نسل سے ہیں جو اشاعت اسلام سے پہلے نصرانی ہو چکے تھے۔ اور اسلام کی اشاعت کے بعد بھی مسلمان نہیں ہوئے۔ گویا کہ جو قوم بخت نصر قدیم شہنشاہ بابل کے زمانہ میں یہاں متمکن تھی۔ کہ جو بادشاہ بیت المقدس پر فتح حاصل کر کے وہاں سے بہت سے باشندے گرفتار کر کے یہاں لے آیا تھا۔ یا نوشیروان کے زمانہ میں عیسائی ہو چکے تھے۔ یہ لوگ رومن کیتھولک عقیدہ کے عیسائی ہیں۔ اور موصل میں ان کے بطریق اعظم کا صدر مقام ہے۔ ان میں سے ایک جماعت تلکیفی یا ترکیفی کے نام سے مشہور ہے جو موصل کے متصل ایک قصبہ تلکیف

بغداد کے بھنگی

یا ترکیف کے رہنے والے کلدانی عیسائی ہیں بہت سے تلکیفی دریائی سٹیمروں میں جہازرانی میں مدد دیتے ہیں۔ یہ خوب مضبوط اور قد آور لوگ ہوتے ہیں۔ لیکن یہی لوگ بغداد میں شہر کی صفائی میں بھنگیوں کا کام بھی کرتے ہیں۔ کہ جنہیں لوگ ترکیفی کہتے ہیں۔ گھروں اور مسجدوں کے پاخانے اور بازاروں اور گلیوں کے گندے پانی کے گڑھے بھی صاف کرتے ہیں اور بالکل عربوں کا سا لباس پہنتے ہیں۔ یوں تعلیم یافتہ کلدانی جو انگریزی یا فرانسیسی زبانیں جانتے ہیں۔ یورپین کپڑے پہنتے ہیں اور عموماً ان سب کے رنگ صندلی ہوتے ہیں۔ خاصے یورپین یا یوریشین نظر آتے ہیں۔ یہ عربی کے علاوہ اپنی کلدانی بولی اب تک بولتے ہیں۔

سیریئن عیسائی

ایک اور جماعت عیسائیوں کی بنام سیریئن موجود ہے۔ جو ان باشندگان سیریا یا شام کی اولاد ہیں۔ جو ابتدائی زمانہ میں شام سے یہاں آ کر آباد ہوئے تھے۔ اور اب ہر طرح یہیں کے قدیم باشندے شمار ہوتے ہیں۔ ان کی مذہبی زبان اب تک قدیم سریانی ہے۔ مگر یہ سب عربی بولتے ہیں اور رومن کیتھولک عقیدہ کے عیسائی ہیں۔

ارمنی

اور گو عراق ارمنیوں کا ملک نہیں ہے۔ کیونکہ ان کا ملک اس سے

بہت اور پر واقع ہے۔ مگر بہت سے ارمنی بھی اس ملک میں پھیلے ہوئے ہیں۔ یہ ارمنی کیتھولک اور گریگورین چرچ کے معتقد ہیں۔ ارمنی زبان کے علاوہ عربی بھی بولتے ہیں۔ اور دوسرے عیسائیوں کی نسبت زیادہ تعلیم یافتہ ہیں۔ ترکوں کے ماتحت آزادی حاصل کرنے کیلئے ان لوگوں نے ہمیشہ آرمینیا میں فساد کئے۔ چنانچہ اس جنگ کے زمانہ میں بھی انہوں نے معلوم ہوتا ہے۔ کچھ فساد کیا تھا جس پر ترکوں نے بے شمار ارمنی مار ڈالے۔ آرمینیوں کے قتل عام کے متعلق میں بعد میں بشرط گنجائش کچھ مزید کیفیت درج کرنیکا ارادہ رکھتا ہوں۔ ان کے علاوہ کچھ لاطینی و دلمہ اور پراٹسٹنٹ عیسائی بھی آباد ہیں۔

یہودی بصرہ میں تین ہزار اور بغداد میں قریب چالیس ہزار کے یہودی آباد ہو گئے۔ قدیم بابلی بادشاہ جو بیت المقدس فتح کر کے بہت سے یہودی اسیر اپنے ہمراہ لائے تھے۔ یہ اُن کی اولاد ہیں۔ یہ لوگ عموماً تجارت پیشہ ہیں اور اسی لئے زیادہ دولتمند ہیں بغداد میں سہ پہر کو جب یہودی عورتیں اپنی شوخ رنگیوں کی ریشمی اور طلائی چادروں میں وہاں کے بڑے بازار جادہ خلیل پاشا سے گذرتی ہیں۔ تو کوئی دیکھنے والا ان کی دولتمندی اور فوق البشر کی تسلیم کئے بغیر نہیں رہ سکتا۔ یہودی عموماً سرخ ترکی ٹوپی پہنتے ہیں۔ اور اگر یورپین لباس نہ پہنتے ہوں تو عربوں کی لمبی عبا اور دشداشہ وغیرہ میں ملبوس ہوتے ہیں۔ ان میں بھی مسلمانوں کی نسبت تعلیم بہت زیادہ ہے۔ بلکہ ارمنیوں کے سوائے باقی سب عیسائیوں سے بھی زیادہ تعلیم یافتہ ہوں گے بہت نوجوان بغداد کے مشن سکول سے انگریزی پڑھے ہوئے ملتے ہیں۔

صابی ان کے سوائے گو ترکی حکومت کے ماتحت یزیدی و علی الٰہی و دُرزی وغیرہ عجیب غریب مذاہب کے لوگ آباد ہیں۔ جو زیادہ تر کردستان و دیگر علاقوں میں بستے ہیں۔ مگر عراق میں صرف تیس ہزار صابی بھی آباد ہیں۔ جو یوحنا بپتسمہ دینے والے یا یحیٰی کو اپنا نبی تسلیم کرتے ہیں۔ اور ہمیشہ دریاؤں کے قریب رہتے اور سالانہ

اصطباغ کی رسم ادا کرتے ہیں۔ ان کا مذہب مسلمانوں اور عیسائیوں وغیرہ مذاہب کا مجموعہ ہے کہ جسکی کچھ کیفیت میں عمارہ کے حالات میں لکھ چکا ہوں۔ سوق الشیوخ میں انکا مرکز ہے۔ اور عموماً سنار اور لوہار ہیں۔

بغداد کی عزت | بغداد کی عظمت و شوکت کے حالات سے مسلمانوں کی قدیم تاریخیں ہی پر نہیں۔ بلکہ الف لیلہ کی طرح انکے فسانے بھی لبریز ہیں۔ بغداد مسلمانوں کے اُن عظیم الشان اور مشہور شہروں میں سے ہے جو قسطنطنیہ قاہرہ و دمشق اور قرطبہ کی طرح اسلام کی شاندار تاریخ بنانے کے کام میں حصہ لے چکے ہیں۔ ابتدائے اسلام سے ہی مسلمانوں کو بغداد میں غلبہ حاصل ہو گیا تھا اور بعد میں خلافت عباسیہ کا پایۂ تخت قرار پانے کی وجہ سے یہ اسلامی علوم و فنون۔ بزرگان دین اور اہل علم و ہنر کا مرکز اور اسی لئے اکثر سلاطین اور خصوصاً اکابر اسلام کا مدفن بھی بنا اسلئے دنیا کے مسلمان اور خصوصاً اکثر مسلمانان ہند اسے بغداد شریف کے نام سے موسوم کہتے ہیں۔

بغداد کے سات نام | بعض مورخین نے لکھا ہے کہ قسطنطنیہ کی طرح بغداد کے بھی سات نام ہیں۔ جو حسب ذیل ہیں۔ مدینۃ الاسلام۔ مدینہ دارالاسلام۔ مدینۃ المنصور الزوراء۔ بغداد۔ بغداد۔ بغدان ۔ اور بعض نے ان پر مغداو اور مغدان بھی اضافہ کیا ہے گو خلفائے عباسیہ کے سکوں پر بغداد کا نام دارالسلام مندرج ہے۔ دارالسلام کی وجہ علمائے بغداد میں سے ایک نے مجھے یہ بتلائی کہ چونکہ خلفائے عباسی میں سے کوئی بغداد میں نہیں مرا تھا۔ اسلئے اسکا نام دارالسلام کہا جاتا تھا۔ مگر یہ درست نہیں کیونکہ خلفائے بنی عباس کے طول طویل سلسلہ میں نہ صرف کئی ایک نے بغداد میں انتقال کیا۔ بلکہ کئی ایک ظلم و جبر سے بھی وہیں ہلاک ہوئے مثلاً خلیفہ امین کا سر اُسکے بھائی کے جنرل طاہر نے کاٹ ڈالا۔ اور خلیفہ مستعین کو ترک باڈی گارڈ نے شکست دیکر قتل کر دیا۔ اور اسکے بعد جو ہوا سو ہوا۔

بغداد کی وجہ تسمیہ گو پہلے پہل خلفائے عباسیہ کے دوسرے خلیفہ ابوجعفر المنصور دوانیقی نے اپنے سابقہ مستقر خلافت کو چھوڑ کر ایک نئے دار الخلافہ کے آباد کرنیکا ارادہ کیا اور دریائے دجلہ کے اُس مقام پر کہ جہاں اب بغداد کا محلہ کرخ آباد ہے۔ اپنے شہر بغداد کی سنہ ۱۴۵ ہجری (مطابق ۷۶۲ء) میں بنیاد ڈالی۔ مگر معلوم ہوتا ہے کہ اس سے پیشتر بھی دریائے دجلہ کے اس یا دوسرے کنارہ پر ایک قصبہ یا گاؤں یا باغیچہ یا عیسائی راہبوں کا دَیر موجود تھا۔ اور اُسکا نام بغداد یا باغ داد تھا۔ ایک بیان یہ ہے کہ ایک شخص داد یا دادویہ نامی کا باغیچہ یہاں تھا۔ ایک بیان ہے کہ داد کوئی بت تھا جسکے نام سے یہ باغ مشہور تھا۔ ایک اور بیان کے مطابق یہاں کوئی ایرانی قصبہ بغداد نام کا واقع تھا۔ کیونکہ اسکے قریب ہی مدائن (سٹیسیفان) میں قصر کسریٰ کا عالیشان شہر موجود تھا۔ جو اسوقت ساسانی سلاطین ایران کا مرکز تھا۔ ایک اور وجہ یہ بتلائی جاتی ہے کہ نوشیروان عادل اس بغدا میں بیٹھکر داد عدالت دیتا تھا۔

خلیفہ منصور کا بغداد ایک عربی مورخ لکھتا ہے کہ پہلے پہل حضرت عمرؓ کے زمانہ خلافت میں سنہ ہجری کے تیرھویں سال میں مثنی بن حارثہ ایک عرب نے جو انبار کا رہنے والا تھا (جو کوفہ کے قریب دریائے فرات پر واقع ہے) ایک رات کو اپنے آدمیوں کی ساتھ اس قصبہ بغداد پر حملہ کیا۔ اور اسے خوب لوٹا مثنی نے اپنے آدمیوں کو تاکید کر رکھی تھی کہ سوائے سونے چاندی اور ریشمی کپڑہ کے اور اس شہر سے کچھ نہ اٹھاویں۔ گویا کہ سنہ ۱۳ ہجری میں یہاں خاص آبادی تھی۔ مگر خلیفہ منصور نے جو دریا کے مغربی کنارہ پر اپنا شہر بغداد آباد کیا وہی موجودہ بغداد کی بنیاد ہے خلیفہ منصور نے بغداد کو بالکل گول دائرہ کی شکل کا شہر تعمیر کیا کہ جسکے گرد دوہری بلکہ بعض جگہ تیہری شہر پناہ بنائی۔ اور عین مرکز میں اپنا محل باب الذہب نامی تعمیر کیا کہ جسکے ساتھ ہی ایک شاہی مسجد بنائی۔ اس گول شہر پناہ میں چار دروازے بنام باب الکوفہ۔ باب البصرہ۔ باب

الخراسان۔ اور باب الشام رکھے۔ اور چاروں دروازوں کے اندر شہر میں دو سیدھی سڑکیں ۵ء-۲۵ گز عریض بنائیں جو محل شاہی پر چوپٹ کی طرح تقاطع کرتی تھیں۔ اس سے شہر کے رقبہ کا اندازہ ہو سکتا ہے۔ باہر کی شہر پناہ نوے فیٹ بلند اور نیچے سے (۱۰۵) فیٹ اور اوپر سے (۲۶½) فیٹ چوڑی تھی جس پر سے کئی سوار پہلو بہ پہلو گذر سکتے تھے۔ دروازوں کے موقعوں پر عالیشان مکانات بنام مجلس واقع تھے کہ جنکے اوپر سنہری قبے تھے۔ شہر کے اندر خدام و افواج شاہی اور اُمرا کے مکانات بھی تھے۔ مگر جلدی ہی بعد میں اس فصیل سے باہر بھی اُمرا کے مکانات اور محلات بننے لگے اور دور دور تک شہر آباد ہو گیا۔ دریائے فرات سے کئی ندیاں مثل نہر عیس اور نہر صراط وغیرہ کے اس گول شہر اور اُسکے نواح کے باغات اور محلات کی سیرابی کے لئے نکالکر لائی گئیں۔ مگر یہ شہر بغداد صرف دجلہ کی مغرب کی جانب تھا۔

دجلہ کی دونوں طرف | بتدریج خلفا کی اولوالعزمی نے شہر کو پہلے دریا کے مغرب کی طرف اور پھر مشرق کی طرف ترقی دی سب سے پہلے خلیفہ ہارون الرشید نے دجلہ کی مشرقی جانب اپنا محل تعمیر کرایا۔ گو مغرب کی طرف بھی شاہی محلات مثل قصر خلد قصر فردوس وغیرہ کے موجود تھے۔ اور اس وقت سے دریا کی دوسری جانب بھی آبادی بڑھنے لگی۔ اور اس میں اسقدر ترقی ہوئی کہ خلیفہ منصور کا شہر بالکل بے رونق ہو گیا۔ یہانتک کہ زمانہ حال میں تو اصل بغداد دجلہ کے مشرق کی طرف ہی آباد ہے۔ اور مغرب کی جانب شہر کا نسبتاً بہت تھوڑا حصہ ہے۔ جو گویا مضافات معلوم ہوتا ہے۔ قدیم زمانہ سے ہی مغربی حصہ کے محلوں کا نام کرخ اور زورا۔ اور مشرقی حصہ کے محلوں کا نام رصافہ۔ شماسیہ اور مخرم مشہور تھا۔ محلہ کرخ اجتک اسی نام سے مشہور ہے۔ اور حضرت معروف کرخی اُسی محلہ کے نام سے اس نام سے موسوم ہیں۔ اُسوقت غربی حصہ بغداد کا رقبہ ۱۴۰۶ ایکڑ اور

شرقی کا ۵۹۱ ایکڑ ہے۔

تعمیر بغداد کا خرچ گو بعد میں شہر بغداد کی قلعبندیوں اور سلاطین کے محلات پر بے اندازہ رقوم خرچ ہوئیں مگر پہلے پہل خلیفہ منصور نے بھی اپنے شہر کی تعمیر میں دل کھول کر روپیہ خرچ کیا۔ عربی مورخین بیان کرتے ہیں کہ جبکہ خلیفہ نے معل باب الذہب شہر کی دوہری فصیل کی تعمیر اور خندق کھودنے کے خرچ کا حساب کیا تو معلوم ہوا (بقول طبری) (۴۰۰۰۸۲۳) چاندی کے درہم اور (۱۰۰۰۲۲۰۰۰) تانبے کے فلوس اسپر خرچ آئے۔ یہ نقرئی درہم آجکل کے حساب سے ایک لاکھ ساٹھ ہزار پونڈ انگریزی کے مطابق ہیں۔ اور تانبے کے پیسے دو لاکھ پونڈ۔ مگر مورخین خطیب اور یاقوت اندازہ لگاتے ہیں کہ ایک کروڑ اسی لاکھ طلائی دینار خرچ ہوئے جو آجکل نوے لاکھ انگریزی سکہ پونڈ کے برابر ہیں۔

عروس البلاد بغداد خلیفہ ہارون الرشید کے عہد میں تو بغداد کو عروس البلاد کا رتبہ حاصل ہوگیا۔ ایمنسائکلوپیڈیا برطانیہ کا مصنف لکھتا ہے کہ ہارون الرشید کے زمانہ میں شہر فصیلوں کے اندر پانچ پانچ میل لمبا چوڑا اور بیس لاکھ کی آبادی رکھتا تھا۔ یہ سائنس اور آرٹس میں یہ دنیا بھر میں بے نظیر اور قرطبہ کے برابر اعلےٰ درجہ رکھتا تھا۔ مگر تجارت اور دولت میں قرطبہ سے بہت بڑھا ہوا تھا۔ اسکی شان و شوکت کا تخیلات پر جو اثر ہوتا تھا وہ الف لیلہ کی حکایات سے نمایاں ہے۔ ایسے زمانہ میں جبکہ عالم اسلام شائستگی میں وہی رتبہ رکھتا تھا جو آج عالم مسیحیت کو حاصل ہے۔ اسوقت بغداد عالم اسلام کا مذہبی و پولیٹیکل مرکز تھا۔

محلات شاہی پر کروڑوں روپیہ کا خرچ پانچ سو سال سے زیادہ یعنی عباسی سلطنت کے دوران میں گو سلاطین اور باشندوں پر سخت سے سخت ہنگامے بھی گذرے تاہم مختلف سلاطین عباسی نے اپنے اپنے وقتوں میں ایسے ایسے شاندار محلات اور اُمور

رفاہ عامہ تعمیر کیے کہ اس زمانہ میں اور کسی شہر میں اُن کی نظیر نہیں مل سکتی تھی۔ میں صرف دو تین محلات کا ذکر کرونگا کہ جنکی تعمیر کا خرچ اس زمانہ کیلئے حیران کر دینے والا ہے۔ خلیفہ مقتدر نے قصر دار الشجرہ کے نام سے ایک ایسا شاندار محل تعمیر کیا کہ جسکی نظیر دنیا میں نہ ہوگی۔ اس میں ایک چاندی کا عالیشان درخت بنوا کر کھڑا کیا۔ جو پانچ لاکھ درہم یا پچاس ہزار اونس وزنی تھا۔ اور اس درخت کی شاخوں میں سے بعض سونے کی بھی تھیں جنپر قسم قسم کے میکینکل پرندے بنا کر بٹھائے گئے تھے جو طرح طرح کی بولیاں بولتے تھے۔ خلیفہ علی مکتفی نے اپنا عالیشان محل تاج تعمیر کیا۔ اور اُسکے قریب بہت سی عمارات اور قبے بنائے۔ اُسکی وفات کے وقت اُسکی سواری کے نو ہزار اُونٹ گھوڑے اور گدھے اُس محل کے متصلہ اصطبلوں میں بندھے تھے مسعودی بیان کرتا ہے کہ خلیفہ معتضد کا قصر ثریا کی تعمیر پر چار لاکھ دینار (دو لاکھ پونڈ) صرف ہوا اور اُس محل کی اراضیات و باغات تین فرسنگ کے رقبہ پر پھیلے ہوئے تھے۔ معز الدولہ خاندان آل بویہ کے پہلے پادشاہ نے جو محل بغداد میں بنوایا تھا۔ اُسپر تیرہ ملین درہم یعنی پانچ لاکھ پونڈ خرچ کیے۔ اور اُسکے باغات کیلئے توسیع اراضی و مکانات کے خریدنے پر دو ملین درہم یعنی (۸۰) ہزار پونڈ اور دجلہ سے اُسکی سیرابی کیلئے پانی لانے میں پانچ ملین درہم یعنی دو لاکھ پونڈ اور خرچ ہوئے۔ اگر لکھنا چاہوں تو کئی صفحوں پر ان عالیشان محلات کی تفصیل ختم نہ ہوگی۔ مگر آج ان محلات میں سے صرصر حوادث نے کسیکا نام و نشان نہیں چھوڑا۔

ماخذ تاریخ اور انقلابات عربی زبان میں بغداد کے حالات سے بہت سی تاریخیں لبریز ہیں ان میں طبری۔ یعقوبی۔ ابن الخطیب۔ ابن اثیر۔ ابن بطوطہ۔ ابن جبیر۔ یاقوت حموی۔ ابن خلدون۔ بلاذری۔ مقدسی۔ اصطخری۔ ابن حوقل۔ ابو الفدا۔ ابن رستہ۔ ابن قتیبہ۔ مسعودی۔ سیوطی وغیرہ نے اس عجیب و غریب شہر کے ترقی و تنزل و انقلاب کے بہت سے

حالات اُسکے محلات شاہی۔ اور اُمراسکے مکانات۔ بازاروں مسجدوں۔ نہروں باغات وغیرہ کے چپہ چپہ کے حالات لکھدیئے ہیں۔ مسٹر جی لاسٹرینج صاحب نے حالمیں ایک انگریز مستشرق نے بڑی محنت سے شہر بغداد کے پانچ سو سالہ کے حالات پر الیسی ہی عربی فارسی تاریخوں کی مدد سے ایک کتاب مرتب کی ہے۔ بغداد کا یہ مرقعہ مرقعہ عبرت ہے کہ کسطرح یہ عظیم الشان شہر بار بار کے محاصروں اور دجلہ کی طغیانیوں سے تباہ اور برباد ہوا۔ پھر ققنس کی طرح اپنی خاکستر سے زندہ ہوتا رہا۔

بغداد کے تین بڑے محاصرے

گو بغداد کی بدنصیبی سے اس شہر کے کئی دفعہ محاصرے ہوئے اور اہل شہر نے سخت نقصان مال و جان اُٹھائے۔ مگر ان میں سے تین سخت محاصرے شمار ہو سکتے ہیں کہ جن سے شہر کی حالت بدل بدل گئی۔ ان میں سب سے پہلا محاصرہ خلیفہ ماموں کا ہے جو اُسکے جنرل طاہر نے جو بعد میں خراسان کے خاندان طاہریہ کا بانی ہوا۔ اُسکے بھائی خلیفہ امین پر کیا تھا۔ ہارون الرشید نے اپنے بیٹے ماموں کو جو ایرانی کنیز کے بطن سے تھا اپنی حیات میں ہی خراسان اور متصلہ صوبے سپرد کر دیئے تھے اور اُسکی بھتیجی بیگم زبیدہ خاتون کے بطن سے جو اُسکا بیٹا امین تھا وہ باپ کے تخت خلافت پر بیٹھا۔ مگر تھوڑے عرصہ کے بعد ماموں نے امین پر فوج کشی کا ارادہ کیا اور اپنے دو سپہ سالار طاہر اور ہرثمہ بغداد پر بھیجے سنہ ۱۹۶ ہجری کے آخر سے سنہ ۱۹۸ ہجری کے شروع تک محاصرہ رہا۔ خلیفہ منصور کے گول بغداد کو محاصرین کی منجنیقوں نے تباہ کر دیا۔ آخر جان بچانے کے لئے دریا میں تیرتے ہوئے امین کو پکڑ کر طاہر نے اُسکا سر تن سے جُدا کر کے اُسکے بھائی کے پاس دیکھنے کے لئے بھیجدیا۔

دوسرا محاصرہ سنہ ۲۵۱ھ (سنہ ۸۶۵ء) میں سامرہ کی ترکی باڈی گارڈ فوج نے بغداد پر کیا۔ جبکہ خلیفہ مستعین سامرہ سے بھاگ کر بغداد میں پناہ گزین ہوا۔ ترکی

فوج نے شرقی بغداد کی فصیلوں اور محلات شاہی کو برباد کیا۔ اور مستعین کو گرفتار کر کے مار ڈالا۔ اور اُسکے بھتیجے معتز کو برائے نام تخت پر بٹھلایا۔

تیسرا محاصرہ ہلاکو خاں مغل نے بغداد کا کیا۔ جو سب سے شدید اور سب سے خوفناک ہے۔ ہلاکو نے جو چنگیز خاں کا پوتا تھا بلخ۔ بخارا۔ نیشاپور۔ سمرقند اور سبزوار وغیرہ بڑے بڑے شہروں کو تباہ اور برباد کر کے بغداد کا رخ کیا اور سنہ ۶۵۶ھ (سنہ ۱۲۵۸ء) میں بغداد کا محاصرہ کر کے اُسے تباہ اور برباد کر دیا۔

ہلاکو کا عالم آشوب حملہ

ہلاکو نے روم خوزستان اور موصل کے تاتاریوں کو پیغام بھیجکر بقول ایک ایرانی مصنف کے مغلوں کے لشکر ہائے جرماغوں و تانجو نویان و کیتوقا نویان و فارسو نویان چاروں طرف سے طلب کر کے بغداد کا محاصرہ کر لیا اور شہر کو فتح کر کے اُسکی اینٹ سے اینٹ بجادی۔ غارت کے بعد شہر کو آگ کے حوالہ کر دیا اور باشندگان بغداد کو تلوار کی گھاٹ پر اُتار دیا۔ خلیفہ ابو احمد عبداللہ المنصور مستعصم باللہ نے جو سلسلۂ خاندان عباسی کا سینتیسواں اور آخری خلیفہ تھا جب کوئی مفر نہ دیکھا تو خود ہلاکو کے پاس چلا گیا۔ مگر اُس ظالم نے خلیفہ کو پہلے اپنے سامنے بیعزتی سے کھڑا رکھا اور پھر معہ بڑے بیٹے اور پانچ جاں نثار خادموں کے ذبح کر ڈالا۔ اور آل عباس کا چراغ جو پانچ سو سال سے جل رہا تھا گل کر دیا۔ غارتگر ظالم نے اتنے آدمی قتل کیے کہ راستے بند ہو گئے۔ بغداد کے ایک عالم نے مجھے زبانی تبلایا کہ کہا جاتا ہے کہ چودہ لاکھ آدمی مقتول ہوئے۔ بغداد کے عالیشان کتب خانوں کی اتنی کتابیں دریا میں غرق کیں کہ کتابوں کی سیاہی کی وجہ سے دجلہ کا پانی کئی روز تک سیاہ بہتا رہا۔ خلیفہ کو قتل کرنے سے پہلے جب ایک پرانے خیمہ میں بند رکھا گیا تو اُسکی زبان پر یہ شعر جاری تھا ؎

واصبحنا لنا دار کجنات و فردوس   وامسینا بلا دار کأن لم تغن بالامس

مرثیۂ بغداد اور شیخ سعدیؒ نے جو بغداد کے مدرسہ مستنصریہ کے طالب علم تھے اور بہت عرصہ اس شہر میں رہے اسکی دردناک حالت پر نوک قلم سے جو آنسو بہائے ہیں وہ ہمیشہ بغداد کی مصیبت کو تازہ کر دیتے ہیں۔ اِس پُر درد و گداز مرثیہ کے چند ابتدائی شعر جو یاد ہیں یہ ہیں؎

آسماں را حق بود گر خوں ببارد بر زمیں	بر زوالِ ملکِ مستعصم امیر المومنین
اے محمدؐ گر قیامت می برآری سر زخاک	سر برآور ویں قیامت درمیانِ خلق بیں
خونِ فرزندانِ عمِ مصطفیٰؐ شد ریختہ	ہم براں خاکے کہ سلطاناں نہادندے جبیں
نازنیناں حرم را موجِ خونِ بیدریغ	زآستاں بگذشت و ما را خونِ دل از آستیں

تین بڑی طغیانیاں گو اور بھی کئی محاصرے بغداد کے ہوئے ہیں جیسے کہ تیمور کا اور نادر کا اور سلجوق سلطان مسعود وغیرہ کا۔ لیکن تین بڑے محاصرے کہ جنہوں نے شہر کی صورت بدل دی وہی ہیں جو اوپر بیان ہو چکے ہیں۔ اسی طرح طغیانیاں بھی کئی ہوئی ہیں۔ جبکہ دجلہ نے ناراض ہو کر بغداد سے سخت انتقام لئے ہیں تاہم تین بڑی طغیانیاں یہ ہیں۔ پہلی طغیانی ۴۶۶ھ (۱۰۷۴ء) جبکہ نہر قورج سے مسنّاۃ معزیہ بند ٹوٹ گیا۔ یہ رات کا وقت تھا۔ اور آندھی تیز تھی تمام بغداد زیرآب ہو گیا پانی مکانات کی چھتوں سے اُونچا ہو گیا۔ اور دیواروں کے گرنے سے بہت لوگ تلف ہوئے۔ دوسری طغیانی ۵۵۴ھ (۱۱۵۹ء) میں ہوئی بیمارستان عضد الدولہ کی کھڑکیوں کے رستہ سے لوگ کشتیوں میں بیٹھکر اندر جاتے تھے۔ شہر کے اکثر مکانات منہدم ہو گئے۔ تیسری طغیانی ۵۶۹ھ (۱۱۷۴ء) موسم بہار میں چالیس روز تک موصل کے نواح میں بارش ہوتی رہی۔ دجلہ ہمیشہ سے زیادہ طغیانی پر آیا اور تمام بغداد بہ گیا۔ غرض کہ اُس وقت قدیم زمانہ کے بغداد کے بہت کم آثار باقی ہیں۔ اِدھر باوجودیکہ بعہد مدحت پاشا و ناظم پاشا نے طغیانی کا پانی روکنے کیلئے

بند بھی بنوا دیئے ہیں - مگر چونکہ وہ بالکل مکمل نہیں ہوئے اسلیئے ابتک دجلہ کی طغیانی شہر اور مضافات کو ستاتی رہتی ہے -

مغولی ترکی اور ایرانی قبضہ ہلاکو کے استیلا کے بعد ڈیڑھ صدی تک بغداد تاتاریوں کے قبضہ میں رہا کہ تیمور لنگ نے سنہ ۸۰۳ھ میں چالیس روز کے محاصرہ کے بعد اُسے فتح کیا فرخ شاہ جو سلطان احمد جلائر کی طرف سے حاکم بغداد تھا معہ اہل وعیال دجلہ میں غرق کر دیا گیا - مگر سلطان احمد جو خود قیصر یونانی کے پاس بھاگ گیا تھا واپس آکر پھر بغداد پر قابض ہو گیا - لیکن اُسے قرہ قیول لی (کالی بھیڑوں والے فرقہ مغول) کے قرا یوسف نے سنہ ۱۴۱۱ء میں پھر نکال دیا یا سنہ ۱۴۶۹ء کے قریب آق قیول لی (سفید بھیڑوں والے) فرقہ اوزون حسن نے اُسکی اولاد کو پھر بغداد سے بھگا دیا - اور اسکے جانشین بغداد پر اُسوقت تک حاکم رہے جب تک کہ شاہ اسمٰعیل اول ایران کے خاندان صفوی کے بانی نے سنہ ۱۵۰۲ء (یا سنہ ۱۵۰۸ء) میں انہیں نکال باہر نہ کیا - اُسکے بعد دیر تک ایرانیوں اور ترکوں کے مابین بغداد باعث نزاع رہا - پہلے اسے سلطان سلیمان عظیم الشان نے جو انگلستان کی ملکہ الزبیتھ کا ہمعصر تھا - اور اُسکے بعد اُسکے جانشین سلطان سلیم اول کے عہد حکومت میں جبکہ دولت عثمانی کے حدود بہت وسیع ہو گئے تھے وائینا (پایہ تخت ہنگری) کے محاصرہ سے لوٹ کر بغداد کو چھین لیا - مگر اسکے بعد جب ترکی میں انحطاط کا دور آیا تو ایران پر اُسوقت عباس اعظم ایک نہایت قابل اور اولوالعزم بادشاہ حکمران تھا اُسنے سنہ ۱۶۲۳ء میں بغداد کو پھر ترکوں سے واپس لے لیا - مگر چونکہ اہل شہر نے بھی ایرانیوں کو بہت تکلیف دی تھی اسلیئے ایک مرتبہ پھر اہل بغداد کا قتل عام ہوا -

آخری محاصرہ لیکن پھر ایک مرتبہ بغداد ترکوں کے تصرف میں ایسا آیا کہ آجتک ترک اُسپر مستولی ہے - مگر اٹھارویں صدی کے نصف اول میں حکومت ترکی میں ضعف عارض ہو جانے کی وجہ سے اُس زمانہ کے والی (گورنر) احمد پاشا نے بغداد کو خود مختار

بنالیا تھا۔ نادرشاہ نے جب ایران پر پورا اقتدار حاصل کرلیا تو اُسکی نظر بغداد پر پڑی اور اُسنے پھر بغداد کو سلطنت ایران میں شامل کرنے کے لئے بغداد کا محاصرہ کرلیا۔ مگر احمد پاشا نے ایرانی لشکر کا ایسی قابلیت سے مقابلہ کیا کہ نادرشاہ کو بہت سا نقصان اُٹھانے کے بعد محاصرہ اُٹھالینا پڑا۔ اور انیسویں صدی کے ابتدا میں پھر ترکی حکومت بدستور براہ راست بغداد پر قائم ہوگئی۔

تاریخ بغداد ۔ چونکہ بغداد کی عہد عباسی کی تاریخ در اصل ابتدائے اسلام کی اصل تاریخ ہے۔ اسلئے اختصار کے ساتھ شہر بغداد کی تاریخ کا ذکر کرنا بے موقعہ نہو گا۔ تاریخ بغداد بلحاظ اپنی مختلف حالتوں کے پانچ بڑے حصوں پر تقسیم ہوسکتی ہے۔

دور اول اُن خلفائے عظام عباسی کا دور کہ جنہوں نے سنہ ۱۳۲ھ (مطابق سنہ ۷۵۰ء) میں دولتِ عباسی کی بنیاد رکھی تھی۔ خلیفہ مامون کے عہد سنہ ۲۱۸ ہجری تک۔

دور دوم جبکہ خلفاے عباسی کے ضعف کی وجہ سے اُن کی ترکی باڈی گارڈ فوج اُنپر اسقدر حاوی ہوگئی تھی کہ خلیفہ صرف کٹھ پتلی بن گئے تھے سنہ ۳۳۴ھ سے جبکہ معزالدولہ امیر آل بویہ بغداد کا مالک ہوگیا۔

دور سوم۔ اُمرائے خاندان آل بویہ کے تفوق کا عہد۔

دور چہارم جبکہ سلاطین خاندان سلجوق طغرل بیگ سے لیکر بغداد پر حاوی ہوگئے جو کہ سنہ ۴۴۷ھ (مطابق سنہ ۱۰۵۵ء) میں داخل ہوا تھا۔ اور سلطان سنجر پر ختم ہوا جو آل سلجوق کا آخری بادشاہ تھا۔ اور

دور پنجم خلفائے بنی عباس کے انحطاط اور زوال کا زمانہ جو فتح مغول اور بربادی بغداد کے ساتھ ختم ہوا۔ جو سنہ ۶۵۶ ہجری (مطابق سنہ ۱۲۵۸ء) میں واقع ہوئی۔ جبکہ آخری عباسی خلیفہ مستعصم باللہ قتل ہوگیا۔

اٹھارہ ہزار حمام صاحب نگارستان نے لکھا ہے کہ خلیفہ معتضد باللہ کے زمانہ میں بائیس ہزار مساجد اور اٹھارہ ہزار حمام کثیر الپسند تھے۔ اور خطیب بغدادی نے لکھا ہے کہ بغداد کی رونق کے زمانہ میں یہاں ساٹھ ہزار حمام تھے۔ اور ہر حمام میں کم از کم پانچ ملازم مثل حمامی وقیم (چوکیدار) و زبال (خاکروب) و وقاد (آگ جلانے والا) اور سقا کے شمار کیے جائیں تو یہ تین لاکھ ہو جاویں گے۔ اور ہر حمام کے گرداگرد پانچ مسجدیں بھی گن لی جائیں۔ تو یہ کل تین لاکھ مساجد ہو جائینگی۔ اور اگر ہر مسجد کے ساتھ پانچ پانچ آدمی بھی شمار کرتے جائیں تو پندرہ لاکھ آدمی ہو جائیں گے۔ تو اسطرح صرف مساجد اور حماموں کی خدمت میں اٹھارہ لاکھ آدمی مصروف ہوتے تھے۔ ایک مورخ لکھتا ہے کہ اسوقت (۸۶۰) لائسنس دار یعنی سند یافتہ طبیب بغداد میں طبابت کرتے تھے۔ جن میں سے بوعلی سینا۔ اور سینا جیسے اطبا نے علم طب اور علم تشریح انسانی پر کتابیں لکھیں۔

بیس لاکھ سے زیادہ آبادی خلیفہ ہارون الرشید اور خلیفہ مامون الرشید کے زمانہ خلافت میں بغداد تمام عالم اسلام کا مرکز ہو گیا تھا تزئینات ہو یا اور محلات عالیشان کے علاوہ رصد گاہیں کتب خانے مدرسے اور دیگر موسسات علمیہ بکثرت موجود ہو گئے تھے ممالک اسلام کے ہر گوشہ سے ارباب فضل و کمال اور علم و ہنر بغداد میں جمع ہو گئے تھے اسوقت بقول صاحب قاموس الاعلام بغداد کے ساکنین کی تعداد دو ملین یعنی بیس لاکھ باشندوں سے زیادہ ہو گئی تھی۔ گرد و جوار کے قصبات اور گاؤں ایک دوسرے سے مل مل کر اتنے بڑے اور گنجان ہو گئے تھے کہ دجلہ اور فرات کے مابین جو یہاں پچیس میل کے قریب فاصلہ ہے صرف ایک شہر بغداد ہی بغداد معلوم ہوتا تھا۔ اور کئی روز تک عرض یا طول کی جانب سیاح صرف بغداد میں سے گذرتا رہتا تھا۔ اسوقت بغداد میں بیس بڑے مدرسے تھے۔ ان میں سے صرف دو چوٹی کے

مدرسوں کا ذکر بطور تمثیل دلچسپی سے خالی نہوگا۔

مدرسہ نظامیہ: نظام الملک طوسی نے جو دو متواتر سلاطین سلجوقی الپ ارسلان اور ملک شاہ کا وزیر اعظم تھا۔ اور مشہور ایرانی شاعر عمر خیام کا ہمزلی اور دوست تھا۔ علوم دینی خصوصاً فقہ شافعی کی ترقی کے لئے یہ عالیشان مدرسہ اپنے نام پر دو لاکھ دینار سے قائم کیا اور پندرہ ہزار دینار اسکا سالانہ خرچ تھا ۴۵۷ھ (مطابق ۱۰۶۵ء) میں یہ بیت العلوم قائم ہوا مشہور علامہ امام غزالی امام طبری مشہور مورخ اور ملا بہاءالدین مصنف تذکرہ سلطان صلاح الدین ایوبی اور ابوالمعالی قطب الدین جیسے علمائے کبار اسکے استاذ اور مدرس مقرر ہوئے۔ اس نظامیہ کے قریب ایک اور کالج بہائیہ کے نام سے قائم تھا اور اسی مدرسہ کے پاس مشہور ہسپتال بنام "بیمارستان توتشی" واقع تھا۔ جو خمار تگین نامی تاج الدین توتشی کے غلام نے تعمیر اور وقف کیا تھا۔ یاقوت ایک صدی بعد تک لکھتا ہے کہ یہ مدرسہ قائم تھا اور ابن جبیر مشہور سیاح نے ۵۸۱ ہجری (۱۱۸۵ء) میں اس میں نماز پڑھی۔ اور وہ کہتا ہے مشرقی حصہ بغداد کے بیس سے زیادہ کالجوں میں یہ بہت ممتاز ہے۔ ابن جبیر کہتا ہے کہ اسوقت کالج کی جائداد وقف سے جسقدر آمدنی ہوتی تھی وہ استاذوں کی تنخواہوں عمارت کی مرمت اور مفلس طلبا کے خرچ کیلئے کافی تھی۔ جبکہ ابن بطوطہ نے ۷۲۷ ہجری (۱۳۲۷ء) ہلاکو کے حملہ سے پونی صدی بعد بغداد کی سیاحت کی تو تب بھی یہ مدرسہ اچھی حالت میں کھڑا تھا۔ ابن بطوطہ کے چند سال بعد ایرانی مورخ حمداللہ لکھتا ہے کہ نظامیہ بغداد کے مدارس کی جان ہے۔ مگر افسوس کہ ابنائے زمانہ کی دستبرد سے اس مدرسہ کی عمارت تو کہیں رہی اسکے مقام تک کا نشان باقی نہیں رہا۔ اندازہ ہے کہ اس مدرسہ سے چھ ہزار فارغ التحصیل علما نکلے تھے جن میں سے ایک شیخ سعدی علیہ الرحمۃ بھی تھے۔ جیسا کہ وہ خود فرماتے ہیں مرا در نظامیہ ادرار بود
ایرانی مورخ حمداللہ لکھتا ہے کہ نظامیہ مدارس ایران کی ماں تھا۔

مدرسہ مستنصریہ — خلیفہ مستنصر باللہ نے باوجودیکہ دولت عباسیہ کے زوال کا زمانہ تھا اور اُسی کے بیٹے مستعصم باللہ کو ہلاکو نے بغداد کو برباد کر کے قتل کر دیا تھا، مگر اپنے وقت میں ایک عالیشان شاہی مدرسہ قائم کیا۔ اور نظام الملک نے دو صدی پہلے جو مدرسہ نظامیہ قائم کیا تھا اُسے مات کر دیا۔ یہ کالج ۶۳۱ھ ہجری (مطابق ۱۲۳۴ء) میں مکمل ہوا۔ کیا بلحاظ عمارت کی عظمت اور ظاہری شکل و صورت کے اور کیا بلحاظ فیاضانہ خرچ اور وسعت سامان کے اس سے پیشتر جو مدارس بھی ممالک اسلام میں قائم ہوئے تھے مستنصریہ سب پر فوق لے گیا تھا۔ اس میں چار جُدا جُدا فقہ کے مدارس تھے جن میں حنفی، مالکی، شافعی اور حنبلی فقہ کی تعلیم دی جاتی تھی۔ ہر مدرسہ ایک نامور عالم کے سپرد تھا۔ کہ جنکے پاس پچھتر پچھتر شاگرد (فقیہہ) ہوتے تھے۔ جو مفت تعلیم پاتے تھے۔ ہر ایک اُستاد کو ماہوار معقول تنخواہ ملتی تھی۔ اور ان میں سے شاگردوں میں سے ہر ایک کو ایک ایک طلائی دینار ماہوار وظیفہ دیا جاتا تھا اور کالج کے باورچی خانہ سے ہر طالب علم کو روٹی اور گوشت کھانے کو ملتا تھا۔ ابن فرات کے بیان کے مطابق مستنصریہ میں ایک دارالکتب تھا۔ مختلف علوم کی کتابیں ایسے طور پر رکھی ہوئی تھیں کہ طالب علم جب چاہتے اُنہیں نکالکر پڑھتے۔ اور جو ان کتابوں کو نقل کرنا چاہتے اُن کی سہولت کیلئے قلم اور کاغذ مدرسہ کی طرف سے بہم پہنچائے جاتے تھے۔ (کیونکہ اس زمانہ میں ہنوز چھاپہ خانہ ایجاد نہیں ہوئے تھے) طالب علموں کے لئے چراغ اور کالج کے لئے زیتون کے تیل کے ذخیرہ کا بھی انتظام تھا پانی ٹھنڈا رکھنے کیلئے ذخیرہ کی جگہ اور ایوان میں صندوق ساعت گھڑی بھی شب و روز اوقات نماز بتلانے کیلئے موجود تھی[1] ہمیں عبدالرزاق نے جو محقق طوسی کا شاگرد

[1] ایک دوسرے ذریعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ بعلبک کے علی بن [illegible] نے یہ گھڑی بنا کر مستنصریہ کے بورڈنگ میں رکھی تھی اس نے پیشتر خلیفہ [illegible] درست [illegible] [illegible] سے یہ دو شاہ [illegible] لیکن [illegible] [illegible] بھیجی تھی۔

تھا ساٹھ جلدوں میں تاریخ لکھی تھی۔ کالج کے اندر طالب علموں کی سہولت کیلئے ایک حمام بنایا گیا تھا۔ اور بیماروں کے علاج کیلئے "بیمارستان" (ہسپتال) بھی تھا۔ جسپر ایک طبیب نگراں تھا۔ جسکا فرض تھا کہ ہر صبح حاضر ہو کر بیماروں کو دیکھکر نسخے تجویز کرتا۔ اور مدرسے میں کھانے پینے اور دوائیوں کے بڑے بڑے ذخیرے مہیا کیئے گئے تھے۔ خلیفہ مستنصر باللہ خود اس مدرسہ سے اسقدر دلچسپی رکھتا تھا کہ شاید کوئی دن گذرتا ہوگا کہ وہ خود آکر اس مدرسہ کا معائنہ نہ کرتا۔ بلکہ اُسنے اپنے محل کے ساتھ اس مدرسہ کی عمارت کے قریب ایک ایسا منظر بنا رکھا تھا۔ کہ جہاں ایک پردہ کے نیچے بیٹھ جاتا تو مدرسہ کے استادوں کے سبق اور طالب علموں کے مباحثے اپنے کانوں سے سُن سکتا گو اُسکے صدی ہی بعد ہلاکو خاں کی تباہی بغداد پر وارد ہوئی۔ اور تمام بغداد تباہ ہو گیا۔ مگر معلوم ہوتا ہے کہ مدرسہ مستنصریہ محفوظ رہ گیا۔ کیونکہ ۷۲۵ ہجری میں جب ابن بطوطہ نے بغداد کی سیاحت کی تو اس مدرسہ کی بیحد تعریف کی۔ اور اُس وقت تک اُسکے چاروں سنی مذاہب کے طلبا کے سبق جاری تھے۔ اور خدا کا شکر ہے کہ اسوقت تک اس مدرسہ کی عمارت کا ایک حصہ باقی ہے۔ گو اسوقت اس میں چونگی خانہ ہے۔ ترکوں نے بھی کئی سال اس عمارت میں چونگی خانہ رکھا ہوا تھا جو کنارہ دریا پر واقعہ ہے۔ اور اب انگریزوں نے بھی چونگی خانہ بنایا ہوا ہے۔

بغداد کا چونگی خانہ مجھے معلوم ہوا کہ خلیفہ مستنصر کی اس مدرسہ کی عمارت کے سوائے اُسکی مسجد کا ایک مینار بھی سوق الغزل میں ابتک کھڑا ہے۔ اور یہی اسوقت بغداد کے دو سب سے پرانے مکانات موجود ہیں۔ ان سے پرانی اور کوئی جگہ نہیں۔ مگر دیکھکر سخت افسوس ہوا کہ اس عالیشان عباسی مدرسہ کی عمارت کا جو شکستہ سا چھوٹا حصہ ابتک باقی ہے اُس میں چونگی خانہ ہے۔ ایک لمبی دیوار پر بہت جلی اور ابھرے ہوئے عربی خط میں جسکے حرف نصف گز سے زیادہ گہرے تھے مندرجہ ذیل کتبہ صاف موجود تھا

ماشاء اللہ تبارک ۔ بسم اللہ الرحمن الرحیم ۔ ولتکن منکم امۃ یدعون
الی الخیر و یأمرون بالمعروف وینھون عن المنکر و اولئک ھم المفلحون ۔
وقد کان انشاء ھذا البنیان بامر الخلیفۃ عبد اللہ ابی جعفر المنصور
المستنصر باللہ العباسی فی سنۃ ثلاثین وستمائۃ وقد تجدد تعمیرہ
فی زمن خلافۃ ظل اللہ الاعظم الممدود ظل الرافۃ علی مفارق الامم
المجدد قوانین اجداد العظام من سلاطین ال عثمان مجدد جھات العدل
والاحسان السلطان ابن السلطان السلطان حضرت عبد العزیز خان
ابن السلطان الغازی محمود خان لا زالت البلاد بعد لہ معمورۃ و
لا برحت العباد بفیض احسانہ معمورۃ آمین وصلی اللہ علی سیدنا محمد
النبی الامین وعلی الہ وصحبہ اجمعین وکان ذلک فی سنۃ اثنین و
ثمانین ومائتین والف ۔

تعجب ہے کہ سلطان عبد العزیز مرحوم نے ۱۲۸۲ھ میں اس مدرسہ کی تجدید کرائی کہ جسے آج کچھ اوپر پچاس سال گذر رہے ہیں ۔ تو پھر معلوم نہیں ترکوں نے کیوں اس میں چونگی خانہ رکھا ۔ اس مکان میں بعض نہایت مستحکم کمرے ۔ لداؤ کے چھت کے ایسے موجود ہیں جو شائد اُس زمانہ میں سامان مدرسہ کے ذخائر وغیرہ کے لئے بنائے گئے ہونگے ۔ اور اسوقت چونگی خانہ کا انگریز افسران دیواروں کے پانچ پانچ چھ چھ گز کی غیر معمولی چوڑائی اور تاریکی دیکھکر حیران ہوتا تھا ۔ کہ یہ عمارت کس کام کے لئے بنی ہوگی ۔ اس مدرسہ کا شمالی دروازہ سوق الحراج میں ہے ۔ اور اسوقت یہاں اس مدرسہ کا نام سوق الموصل ہے ۔ اس دروازہ پر غزنی جلی خط میں سلطان منصور مستنصر باللہ کا نام اور ۶۳۰ھ ہجری میں نے خود پڑھا ہے ۔

جامع منصور دوانیقی | اسی خلیفہ منصور مستنصر باللہ کی جس مسجد کا اوپر ذکر ہوا ہے ۔

اب اس میں سوق الغزل کے کئی بازار واقع ہیں۔ اہل بازار کا عام قول ہے کہ اسکے درس خطیب میں ستر ہزار آدمی بیٹھتے تھے۔ مگر جناب سید داؤد ضیاء الدین گیلانی صاحب نے جو شیخ عبدالقادر گیلانی کی اولاد میں قابل بزرگ بغداد کے نامور روساسے ہیں فرمایا کہ دس ہزار نمازی یہاں نماز پڑھتے تھے۔ اب صرف ایک عالیشان مگر شکستہ مینار اس مسجد کا باقی رہ گیا ہے جس میں تمام دوسرے میناروں کے خلاف چڑھنے اور اُترنے کی دو سیڑھیاں اندر سے گذرتی ہیں۔ اور اس مینار سے کچھ فاصلہ پر ایک مسجد ہے۔ جو سمجھا جاتا ہے کہ اس عظیم الشان مسجد کا بقیہ رہ گیا ہو۔

برج طلسم (تیسرا) نام نشان بغداد کا باب طلسم تھا جو شروع مارچ ۱۹۱۷ء تک قدیم فصیل شہر میں بطور ایک دروازہ کے موجود تھا۔ اسپر دو شیروں کی تصویر کے درمیان ایک سانپ کی تصویر پتھر پر کھدی ہوئی تھی۔ سلطان مراد چہارم جب فتح بغداد کے بعد شہر میں داخل ہوا تو اُسی دروازہ سے داخل ہوا۔ اس میں ترکوں نے بارود بھرا ہوا تھا۔ اور جب وہ بغداد سے بھاگنے لگے تو اُسے آگ لگا دی۔ اور لوگ کہتے ہیں کہ اتنے زور کا دھماکا آیا کہ سب لوگ ڈر گئے۔ بعض لوگ کہتے تھے کہ اس طلسم کے ٹوٹنے کی دیر تھی کہ ترکی حکومت بغداد سے اُٹھ گئی۔

مسٹر لاسٹرینج نے لکھا ہے کہ خلیفہ ناصر باللہ نے اس دروازہ کو تعمیر کیا تھا چنانچہ اُسکے کتبہ پر لکھا ہوا تھا کہ اس دروازہ کو امام ابوالعباس احمد الناصر الدین اللہ نے تعمیر کیا۔ اور ۶۱۸ھ ہجری یعنی ۱۲۲۱ء میں اسکی تعمیر ختم ہوئی تھی لیکن اس صورت میں یہ سمجھ میں نہیں آتا کہ اسپر شیروں اور سانپ کی مورت کیوں تھی۔ اور اسے طلسمی دروازہ کیوں کہنے لگے۔ میں نے شہر کے آدھ میل باہر جاکر اس دروازہ کے کھنڈر کو دیکھا۔ بغداد میں اینٹوں کی ہمیشہ کمی رہتی ہے۔ اسلئے اُسوقت گرد کے رہنے والے اس نادر روزگار دروازہ کی اینٹیں اور چونہ اکھاڑ کر لیجا رہے تھے مسلمانوں کے

اور کسی قدیم یا جدید عمارت پر کہیں کوئی مورت پائیت نہیں پایا جاتا۔ اسی سلئے اسے طلسمی برج یا دروازہ کہتے تھے جب سے یعنی ۹۱۸ھ (۱۴۲۱ء) سے سلطان مراد بغداد کو فتح کر کے اس دروازہ میں گذرا ہے اسے دیوار سے خیط کر دیا گیا تھا۔ تاکہ اور لوگ اس کے بعد اس سے نہ گذر سکیں۔ اس سے تھوڑے فاصلہ پر فصیل شہر کا ایک اور دروازہ خندق کے اوپر کھڑا ہے۔ جو خاصا ایک چھوٹا سا قلعہ ہے۔ اور اس کی بڑی چوڑی دیواریں ہیں۔

خان جیران مدرسہ مستنصریہ کے باہر ایک طرف ایک نہایت تنگ بازار ہے کہ جس کو جتنی دفعہ میں ادھر سے گذرا ایسا لبریز دیکھا کہ خود مجھے اس میں گھسنے کی جرات نہ ہوئی۔ اس کا نام خان جیران ہے۔ جو جواہرات اور چاندی سونے کی فروخت کا بازار ہے۔ اس کے داخلہ کے دروازے پر سلطان مراد خاں کا تاریخ بنا کا کتبہ سنہ ۹۹۹ھ کا موجود ہے۔ یہ بھی ایک وقت میں تنالشکر (چھاؤنی) تھی۔

موجودہ بغداد

زمانہ حال کا بغداد غرضکہ بغداد جدید کہ جسمیں بانی بغداد کے زمانہ کی تو ایک بھی عمارت نہیں مگر سب سے پرانی دو عمارتیں ہیں جو خلفائے بنی عباس میں سے سب سے آخری خلیفہ کے زمانہ کی ہیں. کہ جن کا پہلے ذکر ہو چکا ہے - دریائے دجلہ کے دونوں کناروں پر برلب دجلہ بصرہ سے پانچسو میل دور ۴۴، درجہ ۲ دقیقہ طول شرقی اور ۳۳ درجہ ۱۹ دقیقہ عرض شمالی پر معہ اپنے باغات اور مضافات کے کئی میل تک چلا گیا ہے - گو اصل شہر اب بہت بڑا نہیں تاہم ایک لاکھ چالیس ہزار آدمی کی آبادی ہے - شہر کے دونوں حصے ایک کشتیوں کے پل کے ذریعہ سے ملے ہوئے ہیں جو حسب ضرورت دجلہ کے دوسرے شہروں کے پلوں کی طرح بڑی کشتیوں اور سٹیمروں کے گذرنے کے وقت دن میں کئی دفعہ کھولا اور پھر جوڑا جاتا ہے - پل کے کھلنے کے وقت لوگ بلموں اور گفوں پر دریا عبور کرتے ہیں - گفے یہاں کے عجیب قسم کے بڑے ٹوکرے کی سی کشتیاں ہیں کہ جن کا ذکر آگے کروں گا - دریا کے دونوں طرف خرما اور دیگر اقسام کے درختوں اور دیگر باغات اور عالیشان عمارات نے نظارہ کو بہت دلکش بنا دیا ہے - شہر کے اکثر بازار تنگ اور پیچدار ہیں اور بوجہ چھتے ہوئے ہونے کے تاریک بھی ہیں تاہم چھوٹی چھوٹی دوکانیں ان تنگ بازاروں میں مشرقی نظروں میں خاصی دلچسپ معلوم ہوتی ہیں - کچھ عرصہ پیشتر ترک ریفارمروں نے شہر کے بعض سے مکانات گرا کر کئی رستے کھلے کر دیئے ہیں - گویا کہ اصلاح سلطنت کیلئے یہی سب سے ضروری کام تھا - یہانتک سو ابھی بعض مکانات اسی طرح گرے پڑے ہیں میں اس ذکر بھی علیحدہ کروں گا اس ایک لاکھ چالیس ہزار کی آبادی میں پچیس ہزار یہودی - اور تھوڑے سے ارمنی کلدانی

اور سریانی عیسائی ہیں۔ اور باقی سب مسلمان ہیں۔ آدھے سنّی اور آدھے شیعہ ہیں۔ اور چونکہ کاظمین یہاں سے بہت قریب ہے اور کربلا کا بھی راستہ ہے اسلئے ہمیشہ بغداد میں شیعہ عنصر مضبوط رہا ہے۔ خلفائے عباسی کے وقت میں بھی شیعہ سنّی گروہوں میں جھگڑے ہو جاتے تھے۔ مسلمانوں کی اقوام عرب ترک ایرانی اور کرد ہیں۔ مقامی زبان عربی ہے۔ گو بوجہ ترکی حکومت کے ترکی بھی اکثر لوگ جانتے ہیں۔ اکثر مکانات باغیچوں کے اندر اور بلند دیواروں سے محیط ہونے کی وجہ سے صرف اندر سے خوبصورت ہیں۔ موسم گرما میں ہوا بہت گرم ہو جاتی ہے۔ خیموں کے اندر ایک سو دس اور ایک سو بیس درجہ تک حرارت پہنچ جاتی ہے۔ گھروں کے چھتوں کے نیچے دس سے کم ہوتی ہوگی۔ تاہم اہل شہر گرمی کے وقت گھروں کے تہ خانوں میں کہ جنہیں یہاں "سرداب" کہتے ہیں۔ چلے جاتے ہیں۔ مگر شام اور رات تمام عراق عرب میں خنک اور خوشگوار ہو جاتی ہے۔ اسی طرح موسم سرما میں بہت سردی ہو جاتی ہے اور پارہ نقطہ انجماد سے نیچے گر جاتا ہے۔ سب باشندوں کے رنگ گورے چٹے اور سُرخ و سفید ہیں۔

مساجد اور مقابر بغداد میں گو قدیم عظمت کا تو کوئی حصہ باقی نہیں رہا۔ تاہم یہاں کی مساجد اور مقابر ایک مسلمان کی دلچسپی کیلئے ابھی غیر معمولی جذب مقناطیسی رکھتی ہیں۔ اب بھی تمام شہر میں چار پانچسو کے قریب مساجد ہیں۔ کہ جن میں سے چالیس پچاس جوامع ہیں۔ یعنی ایسی بڑی مسجدیں کہ جہاں جمعہ کی نماز پڑھی جاتی ہے۔ سب سے بڑی دو مساجد ہیں جو دو سب سے بڑے مقابر سے ملحق ہیں۔ حضرت شیخ عبد القادر جیلانی رحؒ کا مزار اور حضرت امام اعظم ابو حنیفہ کا مزار دو سب سے بڑے مرجع خلائق ہیں۔ اور اس شہر کی دو عظیم الشان درگاہیں ہیں۔ انہیں کے اوقاف بھی سب دیگر اوقاف سے بڑے ہیں۔ اور ان دونوں درگاہوں کے مساجد عظیم الشان

اور مقابر کے گنبد بھی شاندار ہیں۔ مگر ان میں بھی شیخؒ کی درگاہ کئی وجوہات سے اہم تر ہے جیسا کہ بعد میں ذکر کروں گا۔ ان کے علاوہ کیا شہر بغداد کے اندر اور نواح شہر کے قبرستانوں میں کئی مشاہیر عالم اسلام اور بزرگان دین کے تربے موجود ہیں۔ ان میں امام احمد حنبلؒ۔ جنیدؒ۔ شبلیؒ۔ سری سقطیؒ معروف کرخیؒ احمد غزالیؒ جیسے بزرگوں کے مضاجع زیارت گاہ عوام ہیں۔ یوشع بن نون نبی ذوالنون مصریؒ۔ زبیدہ خاتون خلیفہ ہارون الرشید کی مشہور بیگم اور کئی خلفائے عباسیہ کی قبریں بھی شہر کے اردگرد پھیلی ہوئی ہیں۔ شہر سے چار پانچ میل دور کاظمین میں امام موسیٰ کاظمؒ اور امام محمد تقیؒ کے تربے ایک نہایت شاندار مقبرہ میں واقع ہیں جو بالخصوص تمام شیعہ دنیا کی زیارت گاہ ہیں۔ اور کئی کمتر مشہور عالموں۔ زاہدوں صوفیوں اور امیروں کی قبریں مختلف قبرستانوں میں کس مپرسی کی حالت میں پڑی ہیں۔

جنگ سے پہلے | بغداد کچھ عرصہ پیشتر تک ایک فصیل اور خندق سے محیط تھا مگر مدحت پاشا مشہور ریفارمر کے گورنری کے زمانہ میں فصیل کو حفظ صحت کی نظر سے گرا دیا گیا اور کچھ باغات لگوائے گئے گو خندق کا اکثر حصہ ابتک موجود ہے شہر کے شمالی مغربی حصہ میں اور ترکی گورنمنٹ ہاؤس (حکومت قوناق) کے قریب ایک ترکی قلعہ ہے جنگ سے پہلے شہر کے مغرب کی طرف دریائے دجلہ پر ایک چھوٹا سا جہاز سازی کا حوض اور کارخانہ تھا۔ اس کے قریب ایک ترکی اسلحہ خانہ اور مطبع اور ایک یہودی تاجر کا بنایا ہوا مدرسہ طفا ترکوں کے چھٹے آرمی کور کا بغداد مرکز تھا۔ ایک مکتب امدادی عسکری اور دو رشدیہ عسکری ایک رشدیہ ملکی (سول) اور ایک بڑا ہسپتال تھا۔ دریائے دجلہ پر آمدورفت کیلئے ایک عثمانی کمپنی کے بارہ سٹیمر چلتے تھے۔ جو انگریزی لنچ کمپنی کے جہازات کے علاوہ تھے۔ شہر سے باہر کاظمین کو

جانے کے لئے ایک پانچ چھ میل کے گھوڑے کے ٹریوے تھی جو اب تک جاری ہو ایک آٹے کی مل بھی جو جلادی گئی ہے۔ اسی طرح جنگ سے پہلے ایک خاصی یورپین بستی بھی بغداد میں تھی جس میں زیادہ انگریز تھے۔ علاوہ یہودی ہائی سکول کے فرانسیسی کارمیلائٹ سکول تھے اور چرچ مشنری سوسائٹی کی ایک شاخ بھی قائم تھی۔

تجارت و حرفت بغداد بغداد ممالک عثمانیہ کی بڑی تجارت گاہ تھی۔ ایک طرف براہ بصرہ ہندوستان سے اور دوسری طرف ایران و موصل و دیار بکر و حلب اور شام سے برابر تجارتی تعلقات وابستہ تھے۔ شہر کے اندر ریشم کی چادریں۔ کفیۂ مثال اور مشلح بنتے ہیں۔ اور پنبہ اور ریشم کے کپڑے بنے جاتے ہیں۔ چمڑے کے سامان کے علاوہ تانبے سونے اور چاندی کے زیورات و سامان بنائے جاتے ہیں۔ ایک قسم کے تاگے کے بنے ہوئے جوتے اور ترکی عسکری ٹوپیاں اور ایرانی قالین اور اصفہانی چھپے ہوئے کپڑے دکانوں پر بہت بکتے ہیں۔ گو یورپین کپڑا اور بساطی کا سامان بھی دکانوں میں بہت ہے۔ مگر چونکہ بوجہ جنگ کے چاروں طرف سے تجارت کے راستے بند ہیں۔ اسلئے سامان گراں ہے بغداد کے باہر میلوں تک باغات چلے جاتے ہیں۔ اس لئے یہاں انگور انار سنگترے وغیرہ میوہ جات بکثرت پیدا ہوتے ہیں۔ مگر آجکل صرف سنگترے تھے۔ جو بہت عمدہ تھے۔

عتابی ریشمی کپڑا اگر آجکل تو بغداد کی حرفت اور تجارت کو بڑا فروغ حاصل نہیں ہے لیکن ایک زمانہ میں یہاں شوخ رنگ کا کپڑا جو محلہ عتابیہ میں بنتا تھا۔ تمام دنیا میں مشہور تھا۔ رسول اللہ کے ایک صحابی عتاب نامی کے نام پر بغداد کا محلہ عتابیہ موسوم تھا۔ اور اسی محلے سے یہ ریشمی کپڑا موسوم تھا جو تمام یورپ میں نہایت قدر اور عزت کی نظر سے دیکھا جاتا تھا چنانچہ اب تک ہسپانی اطالوی فرانسیسی اور انگریزی

زبانوں میں کم و بیش فرق کے ساتھ عتابی کا نام مشہور ہے انگریزی میں اعلیٰ درجہ کے
رنگین ریشمی کپڑے کو Tabby کہتے ہیں۔ اور اس لئے انگریزی میں دھاریدار
اور چمکدار بلی کو بوجہ اسکی چمکدار ریشمی کھال کے Tabby cat کہتے ہیں۔

شہر کی کیفیت

جیسا کہ میں بتا چکا ہوں۔ جدید بغداد قدیم شہر سے نیچے کر کے مشرقی
کنارہ دجلہ پر آباد ہے۔ مغربی حصہ کو جسے کرخ اور زوراء کہتے ہیں چھوٹا سا قصبہ
تمام اہل تشیع کا ہے۔ جو ہزارہا ایرانی زائرین کا مقام قیام ہے۔ جو اپنے مقدس
زیارات کاظمین و کربلا کو جاتے ہوئے یہاں ٹھیرتے اور اسی راستہ سے گذرتے
ہیں۔ اور بہت سے مستقل ایرانی باشندے بھی یہاں رہتے ہیں جن کا زیادہ کام ایرانی
زائرین سے رہتا ہے۔ دجلہ کا مشرقی کنارہ یا اصل شہر بغداد خالص عربی ہے جہاں
شہر کے بڑے بڑے بازار بڑی بڑی سنی جامع اور مقابر اور مکانات حکومت ہیں
یہ حصہ شہر کا دراصل آخری زمانہ کے خلفائے بغداد کے محلات شاہی کے گرد پیدا ہو گیا
تھا اور ایک نصف دائرہ شہر پناہ سے محیط تھا۔ اور جیسا کہ میں پہلے بتلا چکا ہوں
شہر پناہ محض ایک مٹی کے تودوں کا مجموعہ رہ گیا ہے۔ البتہ خندق کی گہرائی موجود
ہے۔ صرف چند دروازوں کے نام قدیم عہد خلافت کی یادگار ہیں۔ ورنہ سب
عہد عثمانی میں بنائے گئے ہیں اور عہد خلیفہ مستنصر سنہ ۱۲۳۳ء اور سنہ ۱۲۲۶ء کی دو یادگاریں
یعنی مدرسہ مستنصریہ اور ایک مینار مسجد باقی ہے کہ جن کا ذکر اوپر ہو چکا ہے اور جو
میں نے خود دیکھی ہیں۔ مگر مصنف گیٹ آف ایشیا لکھتا ہے کہ ایک اور پورانی یادگار
خان اورتمہ نامی کاروانسرائے بارہویں صدی کی باقی ہے۔ کہ جسمیں کچھ خوبصورت
منبت کاری کا کام ہے۔ یہ عمارات جو موجود ہیں خشت پختہ اور چونہ سے بنائی
گئی تھیں چونکہ عراق بصرہ کی مٹی میں جو زراعت کیلئے نہایت عجیب ہے پختہ اینٹیں بنانے
کے لئے ضرور کچھ نقص ہے۔ جیسے ہمارے یہاں ہندوستان میں اینٹیں پک کر سرخ

ہو جاتی ہیں یہاں نہیں ہوتیں۔ بلکہ زرد اور بھوسیلے رنگ کی رہتی ہیں۔ اس لئے جلدی ٹوٹ جاتی ہیں۔ اور یہاں پتھر بھی قطعاً موجود نہیں۔ اس لئے اینٹ اور چونہ کی معلوم ہوتا ہے ہمیشہ کمی رہی ہے۔

قصر کسریٰ کا مسالہ ایک مصنف لکھتا ہے کہ جبکہ خلیفہ منصور نے تعمیر بغداد کا ارادہ کیا تو اینٹ اور چونہ کی کمی کی وجہ سے اس نے قصر کسریٰ کی عالیشان عمارت کو توڑ کر اس کا مسالہ اپنے نئے شہر کے محلات کیلئے استعمال کرنے کا ارادہ کیا تو اس کے وزیر خالد برمکی نے جو ایرانی النسل تھا اور اپنے قدیم قومی محل (قصر کسریٰ) واقع مدینۃ العتیقہ (مدائن) کی بربادی نہیں دیکھ سکتا تھا۔ اس نے خلیفہ کو اس عزم سے روکنا چاہا بلکہ ایک یہ دلیل بھی استعمال کی کہ یہاں حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے نماز بھی پڑھی ہے اس لئے اسے نہ توڑا جائے۔ مگر خلیفہ نے اس کی دلائل کو منظور نہ کیا۔ اور محل کے گرانے کا حکم دیدیا لیکن یہ عمارت جو اتنک دو ہزار سال سے قائم ہے کچھ ایسے پختہ میٹرل سے بنی ہوئی ہے کہ اس کا گرانا مشکل معلوم ہوا۔ اس وقت جبکہ خلیفہ نے اسکے گرانے کا ارادہ ترک کر دیا تو خالد نے کہا کہ اب آپ کی شان کے شایاں نہیں ہے کہ ایک کام کو شروع کر کے ترک کریں۔ تو خلیفہ نے جواب دیا کہ میں نے نہ پہلے تمہارا کہا مانا ہے اور نہ اب مانوں گا۔

کاشی ورک کے گنبد اینٹوں اور چونے کی طرح عراق میں لکڑی بھی تعمیر کیلئے نہیں ملتی اسلئے قدیم عمارات اینٹ چونہ اور کھپریل سے بنائی گئی تھیں۔ بعض مساجد اور مقابر کے گنبد نہایت شوخ رنگ کے سبز نیلگوں اور زرد وغیرہ چمکدار کھپریل سے بنے ہوئے ہیں۔ جو کاشانی کام ہے۔ اور اسے ہندوستان میں کاشی ورک کہتے ہیں۔ جیسے کہ لاہور میں مسجد وزیر خان کی پیشانی کا کام ہے۔ شیخ عبدالقادر گیلانیؒ اور امام اعظمؒ اور معروف کرخیؒ کی درگاہوں کے قبوں اور کئی مساجد

کے میناروں اور قبوں کو ایسے شاندار کاشانی کام سے سجایا گیا ہے کہ نظارے میں تازگی پیدا ہوتی ہے اور ان کے دیکھنے سے جی نہیں بھرتا۔ بقول عرفی ع ۔ دیدہ باز نہ گردد نگاہ از دیوار۔ بغداد کی مساجد کے گنبد نہیں جو ہاتھ سے جوڑ کر بنائے گئے ہیں۔ بجائے قسطنطنیہ اور مصر کی مساجد کے ہم شکل ہونے کے ایران کے فن تعمیر کا نمونہ ہیں۔

بغداد کے بازار کی سیر قاہرہ اور قسطنطنیہ کی طرح بغداد کے بازار بھی اصل شہر کا خلاصہ اور یہاں کی زندگی کا نمونہ ہیں۔ کئی بازاروں پر گنبد دار چھت ہیں جو شریفہ کے پھل کی طرح سے محرابوں کا نمونہ ہیں۔ اور دونوں طرف چھوٹی چھوٹی دکانیں ہیں جن میں سے بعض میں تھوڑے سے سامان کے ساتھ دوکاندار مشکل سما سکتا ہے چھت میں جا بجا روشنی کیلئے سوراخ چھوڑے گئے ہیں اور نظارہ عموماً دھندلا سا معلوم ہوتا ہے۔ مگر آفتاب کی کرنوں سے جو چھوٹی روزنوں سے سیدھی پڑ کر راستہ کو خوب روشن کر دیتی ہیں منظر خوشنما ہو جاتا ہے۔ ان بھیڑ بھڑکے کے بازاروں اور مصروف منڈیوں کے دیکھنے کا بہتر طریقہ یہ ہے کہ مسافر راقم الحروف کے ساتھ ساتھ چلے۔ اور میں اسے جا بجا بتلاتا جاؤں کہ کونسی چیز اسکی دلچسپی کے لائق ہے۔ گو بازار میں کھوے سے کھوا چھلتا ہے۔ مگر سامنے سے لدے ہوئے گدھے آ رہے ہیں۔ اگر دیکھکر نہ چلو گے۔ تو تمہارے پاؤں پر کسی گدھے کا سُم جا پڑے گا۔ دیکھو یہ کتنے بڑے بڑے قد آور گدھے ہیں۔ بالکل گھوڑوں کے برابر قد ہیں اور رنگ کے سفید ہیں۔ نظر بد سے بچانے یا انہیں خوبصورت بنانے کے لئے ان کی گردنوں میں نیلے پوت پہنائے گئے ہیں اور چمڑے کی زرد وزری کی حمائل ہیں تعویذ بھی لٹک رہے ہیں۔ یہ اُن گرے ہوئے گھروں کو از سر نو تعمیر کرنے کے لئے اینٹیں ڈھو رہے ہیں۔ کیونکہ تم دیکھتے ہو کہ اس بازار کی سبھی

عمارتوں کا سامنے کا حصہ گرا ہوا ہے۔ یہ کچھ تو مرحوم ناظم پاشا سابق والی بغداد نے بازاروں کو کھلا کرنے کیلئے گروایا تھا۔ کچھ اُس کے بعد حال ہیں نوجوان ترکوں نے گروا دیا ہے مگر ہم ذرا بہت تیز گذر رہے ہیں یہ دونوں طرف کی دکانیں بیچ دینے کی ہیں۔ اور وہ کراچی کے ایک بوڑھے کی دوکان ہے اب ہم پورلنے کاروباری اور بیوپار کے حصہ ہیں آ رہے ہیں۔ یہ ایک سفید ہی کیا ہوا مکان دیکھو جسکی چاروں طرف بڑے بڑے بنچوں کی قسم کے بلند تخت پوش بچھے ہیں۔ یہ ایک نمونہ کا قہوہ خانہ ہے کہ جہاں تمام بڑے بڑے تاجر جمع ہوتے ہیں۔ اور علاوہ گپیں ہانکنے اور آرام کرنے کے کچھ بیوپار کی بات چیت بھی کرتے رہتے ہیں۔ آؤ یہاں ذرا ٹھہر کر دیکھیں۔ کہ کون کون ادھر سے گذرتا ہے یہ طویل القامت لمبے چہرے والا ایک دولتمند تاجر قالین ہے۔ دیکھو اسکی لمبی عبا اُونٹ کے نہایت نرم بالوں کی بنی ہوئی ہے۔ کہ جس ہیں ریشمی چمک نمودار ہے۔ اسکی عبا کے نیچے کا لمبا چوغہ جو اس کے ٹخنوں تک جاتا ہے۔ اور اس کے اوپر کی واسکٹ زرد رنگ کے اعلےٰ قسم کی بانات کے ہیں۔ مگر اس کے سبز عمامہ سے پتہ لگتا ہے کہ وہ سید ہے۔ مگر اس کا ساتھی جو سفید عمامہ باندھے ہوئے ہے یہ تو ضرور ملا ہوگا اس کے نیچے کے کپڑے تو اسی قیمتی اور نرم بانات کے ہیں جیسے کہ اس کے رفیق کے ہیں۔ مگر اس کی عبا دیکھنے ہیں ذرا کھردری معلوم ہوتی ہے جب وہ تمہارے پاس سے گذریگا۔ تو تمہیں معلوم ہو جائیگا کہ یہ اونٹ کے خوب بٹے سوت کا گھاڑا بنا ہوا کپڑا ہے مگر اسمیں وہ سنہری حاشیہ گردن کے گرد نہیں اٹکا ہے جو اس کے ساتھی کی عبا میں ہے اُسکی بیداغ چھوٹی سی سفید پگڑی جو سرخ ترکی ٹوپی کے اوپر لپٹی ہوئی ہے اس کے عالم یا ملا ہونے کی شاہد ہے۔

یہ دوسرے آدمی جو آپ پاس سے گذر رہے ہیں غریب لوگ ہیں ان کے کپڑے

زیادہ خوبصورت نہیں۔ جو بھیڑ کی اون کے مختلف بھوسلے یا سیاہ رنگوں سے رنگے ہوئے ہیں۔ اور نیچے کے زیادہ شوخ رنگ کپڑے سوتی ہیں۔ بجائے امیرانہ عمامہ کے یہ لوگ سوتی مربع رومال ڈیوڑھا کرکے سر پر ڈال لیتے ہیں۔ اور ردی تاگے کے موٹے سے رسے کی دو پٹیوں سے اسے سر پر باندھ لیتے ہیں۔

دیکھو وہ میلے کچیلے اور بھدے سے آدمیوں کا گروہ جو ڈھیلے پاجامے نمدہ کی ٹوپیاں اور اسی قسم کی ڈھیلی صدریاں اور انگرکھے پہنے ہوئے ہے۔ یہ حمال ہیں جو یہاں کے بازاروں میں بوجھ اٹھاتے ہیں۔ یہ سرحد ایران سے آتے ہیں۔ اور کرد نسل کے ہوتے ہیں۔ دیکھو وہ سامنے سے ایک ایندھن کا بھاری گٹھا تمہارے قریب آرہا ہے۔ اگر بوجھ کے نیچے غور سے دیکھو گے تو آدمی چلتا ہوا معلوم ہوگا۔ وہ دیکھو ایک لمبی سیاہ نمدہ کی ٹوپی اور اسکے گرد سیاہ رومال باندھے ایک آدمی گذر رہا ہے۔ یہ بھی ایک ایرانی سوداگر ہے۔ جو اپنے چوغہ کے نیچے ایک جیکٹ اور ایک ڈھیلا پاجامہ پہنے ہے۔ یہ بڑا با مذاق معلوم ہوتا ہے۔ اپنے ساتھیوں کے ساتھ ہنسی مخول میں مصروف ہے۔

ابھی اور بہت سی دلچسپی کی باتیں ہیں۔ اس کونے سے مڑ کر ہم ایک اور بازار میں داخل ہوں گے۔ یہ گلی اور بھی تنگ ہے۔ دکانیں بھی بہت چھوٹی ہیں مگر جو مال دوکاندار سامنے نہیں پھیلا سکتا۔ وہ اس نے ان دوسرے تختوں پر لٹکا رکھا ہے۔ کہ جو موڑ کر رات کو بند کر دیئے جاتے ہیں۔ بغداد کی ایک خصوصیت یہ بھی ہے۔ کہ کئی مشرقی شہروں کی طرح یہاں بھی ہر پیشہ کیلئے ایک یا زیادہ بازار مخصوص ہیں جسمیں اسی پیشہ کی چیزیں بکتی ہیں۔ ادھر آؤ ذرا کپڑے کے بازار کی طرف ٹہلیں۔ یہاں بالکل خاموشی اور سنجیدگی چھائی ہوئی ہے

ہر طرف اچھی طرح تہ کرکے چوغے اور عبائیں رکھی ہیں۔ اور کچھ شوخ رنگوں کے کپڑے تختوں پر بھی لٹک رہے ہیں۔ وہ دیکھو مانچسٹر کی چھینٹ کے تھان اس سیاہ برقعہ پوش خاتون کو دکھلائے جائے رہے ہیں۔ دوسری طرف ایک آدمیوں کی جماعت سنہری روپہری رنگوں کے طلاسے شوخ رنگوں کے زنانہ ریشمی چوغوں پر زردوزی کر رہے تھے۔ وہاں ایک شخص ترکی فوجی نمونہ کی ٹوپیوں کیلئے سیاہ لیلیوں کی کھال کاٹ رہا ہے۔ سنجیدہ خوش پوش گاہک سکارہ (سگرٹ) یا قلیان پی رہے ہیں۔ اور نہایت بے پروا ہی سے سودے طے کر رہے ہیں۔

مگر اس کونہ سے لوٹ کر پھر اس بازار میں آؤ۔ تم ایک بالکل نرالا نظارہ دیکھو گے یہاں سبزی فروش اور حلوائی بیٹھے ہیں۔ اور اسقدر شور مچا ہوا ہے کہ کان پڑی آواز سنائی نہیں دیتی۔ سادہ وضع کے کپڑوں والے لوگ زور شور سے چلا رہے ہیں۔ اور ہاتھوں سے پُرجوش اشارے کر رہے ہیں۔ ایک کہتا ہے۔ یہ کھجوریں جو میں خرید نے لگا ہوں کسی بھی کام کی نہیں۔ بوڑھی عورتیں کہ جنہیں اپنے برقعہ کی پرواہ نہیں رہی لہسن کے گٹھوں اور بڑی بڑی ککڑیوں کے اوپر جوش و خروش سے جھگڑ رہی ہیں۔ ذرا آگے ایک چھوٹا سا لڑکا ایک دولتیاں مارنے والے گدھے کو بڑی مشکل سے سنبھال رہا ہے کہ جسنے اپنا منہ زور سے اس غلہ کی ٹوکری میں ڈال رہا ہے۔ ہر دوکان کے سامنے بھیڑ ہے اور ہر شخص چلا کر بول رہا ہے۔ تنگ کوچہ ہجوم سے بھرا ہوا ہے۔ ہم بڑی کوشش سے بھیڑ کو چیر کر نکل جاتے ہیں۔ کہ ناگاہ پیچھے شور مچاتے ہیں۔ کہ ایک گھوڑوں کا قافلہ آرہا ہے۔ بیس چالیس گھوڑوں کی پیٹھ پر تمنباکو کے بھاری گٹھے دونوں طرف لٹک رہے ہیں۔ اور وہ اسی ہجوم میں تیز گام آرہے ہیں۔ کیونکہ

ان سے مستعد ہانکنے والے انہیں جلدی جلدی ہنکائے لاتے ہیں۔ مگر ان کے سامنے مجمع کائی کی طرح پھٹتا جاتا ہے۔ اس گتھے سے بچنا معلوم نہیں لوگ کس طرح ان سے بچکر نکل جاتے ہیں۔ یہاں بالکل ایک جہاز کے سمندر میں سے گذرنے کی مثال نظر آتی ہے۔ پانی جہاز کے سامنے بالکل پھٹتا جاتا ہے اور جہاز کے پیچھے پھر ویسے ہی جڑتا جاتا ہے۔ اور صرف خفیف سی حرکت سطح آب پر رہجاتی ہے یہی حال ان تنگ بازاروں میں اس ہجوم کا ہے +

آؤ یہاں سے نکل چلیں۔ اب ہم سرخ جوتوں کی دو کانوں میں سے کہ جہاں جوتوں کی قطاریں لٹک رہے ہیں۔ کیونکہ یہ موچیوں کا بازار ہے یہاں کچے چمڑے اور پکی ہوئی کھالوں سے لیکر جوتوں تک سب کچھ موجود ہے۔ یہاں سے ساز بنانے والوں کے بازار میں راستہ جاتا ہے۔ یہاں طرح طرح کے ساز اور عربی زینیں معہ اپنے زردوزی کے جھولوں اور لگاموں کے سجی ہوئی ہیں۔ اور ساز کے تمام اجزا خریدے جا سکتے ہیں +

اور یہ کیا شور ہے! یہاں تو تمام گرد ہی گرد اور دھواں ہی دھواں ہے اور کچھ اچھی طرح سوجھتا ہی نہیں۔ یہ مسی برتنوں کے بنانے والوں کا بازار ہے۔ کوئلہ کی انگیٹھیوں اور بھٹیوں کے پاس بازار میں زمین پر بیٹھ کر کاریگر ہر قسم کے چھوٹے بڑے ہتھوڑوں سے برتن پیٹ دیتے ہیں۔ اور آسمان سر پر اٹھا رکھا ہے۔ یہ کیسی پھرتی سے دیگچیاں دیگچے طشت تھالیاں کٹورے اور تنگ اور لمبی گردن والے آفتابے بنا رہے ہیں۔ ایک کاریگر بھدا سا برتن بنا کر دوسرے کو دیدیتا ہے۔ جو اسے ٹھیک کرتا خوبصورت بناتا اور اس پر چتر ڈالتا ہے آؤ یہاں سے جلدی نکل چلیں اور تازہ ہوا میں جاکر دم لیں +

مگر دم کیا خاک لیں بازار میں جاتے ہیں تو بھیک مانگنے والے لڑکے لڑکیاں

اور عورتیں دق کر دیتی ہیں۔ ایک لڑکا بار بار ہاتھ چوم لیتا ہے۔ وہ فقیر دور سے
چلا رہا ہے "شیئاً للہ" یعنے خدا کے لئے کچھ دینا۔ یہ بیہودہ لڑکی خاصی خوش
شکل ہے۔ مگر بازار میں تسبیحاں بیچتی پھرتی ہے۔ اس دوسری بوڑھیا کے ہاتھ
میں دو تین رومال کشیدہ کے ہیں۔ ان لوگوں سے بچکر نکل جایا کرو۔ وہ سامنے
سرکاری عمارت کے پاس کہ جہاں سنتری پہرہ پر کھڑا ہے۔ گاڑی کھڑی ہے
آؤ اُسے کرایہ کرلیں اور شہر کے شمالی حصہ کی سیر کریں کہ جہاں بہت سی کاروانسرا
ہیں یہیں وہ اسلحہ خانہ ہے جو کبھی خلفائے بغداد کا محل تھا۔ ایکدم ٹھہر کر تامل
کرو۔ شاید اسی دروازے سے خلیفہ ہارون الرشید بھیس بدلکر رات کیوقت شہر
بغداد کے لوگونکی حالت دیکھنے کے لئے نکلا کرتا ہوگا۔ اور اسی محل کے ایک بالائی
کمرہ میں زبیدہ خاتون الف لیلہ کی سی حکایت کے مضمون پر غور کیا کرتی ہوگی۔
مگر نہیں یہ محض تخیل ہی تخیل ہے۔ کیونکہ وہ قدیم مکانات باقی نہیں رہے +

پھر دیکھو تو اس گنبد پر کیسے شوخ رنگ کے ٹائیل نصب ہیں گو اب
یہ پورانا ہونیکی وجہ سے کچھ پھٹ گیا ہے اور اس شگاف پر کبوتروں کا جھرمٹ ہے
یہ بغداد میں سب سے پورانی مسجد ہے! اسکے دروازہ میں خلیفہ مستنصر باللہ تو ضرور
کھڑا ہوگا۔ اور پھر فقیروں کے جمگھٹ میں مل جاتا ہوگا۔ اسی کے منبر کے سامنے سلطان
سلیمان اعظم نے اپنے آپ کو خود خلیفہ وقت بنا لیا تھا۔ اور اسی طرح بغداد کا بطور
مقام خلافت کے خاتمہ کر دیا تھا۔

شمالی دروازہ کہ جس میں سے ہم گذرتے ہیں کچھ خوشنما نہیں۔ اور نہ تاریخی
ہے۔ مگر ہم بغداد کی خندق میں سے گذر جاتے ہیں۔ اور نئے آئے ہوئے قافلوں
کے پاس سے گذر کر مشرقی طرف کا زیادہ پورانا دروازہ دیکھنے کو ٹھہرتے ہیں۔
قرون وسطی کے یورپین شہروں کے قلعبند دروازوں کی طرح اس کے اندر ایک پل

کے ذریعہ سے داخل ہوتے تھے۔ اور ایک ٹاور پر چڑھکر اس خندق کے پل پر چڑھکر فصیل کے اندر داخل ہو جاتے تھے۔ اس دروازہ کے اندر ایک مقبرہ ہے جو بغداد کے مقبروں کا اچھا نمونہ ہے قبر کے اوپر انناس یا شرلفہ کی شکل کا اونچا گنبد بنا ہوا ہے۔ جیسے کہ یہاں اور بھی کئی ہیں قریب ہی ایک فصیل دار باغ کے اندر ایک خوبصورت کاشی ورک کا مینار ہے۔ کہ جہاں سے موذن پانچ مرتبہ دن میں مومنوں کو پکارتا ہے۔ مگر اب یہاں قریب کوئی مکان نہیں رہا۔ اور چند منٹ اور آگے چل کر ہم ہندوستانیوں کے تکیہ کے پاس سے گذرتے ہوئے شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کی مسجد تک جا پہنچتے ہیں +

درگاہ شیخ عبدالقادر جیلانیؒ یہ بغداد کی وہ متبرک بارگاہ ہے۔ کہ جہاں تمام اسلامی دنیا سے معتقدین خصوصاً ممالک ہندوستان اور ممالک مغرب سے اسکی زیارت کے لئے آتے ہیں۔ اور ہندوستان میں لاکھوں مسلمان انہیں پیر صاحب کی گیارہویں کی نیاز پکاتے ہیں۔ اور انہیں غوث اعظم اور پیرپیران قطب الاقطاب کہتے ہیں اور ان کے قصیدہ غوثیہ کو بڑے اعتقاد سے پڑھتے ہیں۔ اس عمارت کا بڑا حصہ ایک عظیم الشان وسیع مگر پست سفید گنبد سے ڈھکا ہوا ہے۔ جسے جیسا کہ مجھے بتلایا گیا۔ عالم اسلام کا نہایت وسیع گنبد سمجھا گیا۔ مگر مجھے اسکی تحقیق کا موقع نہ ملا۔ یہ مسجد کا گنبد ہے۔ اور اس کے پاس کا دوسرا مینا کاری ٹائیل کا گنبد حضرت شیخؒ کے مقبرہ کا ہے۔ اور علاوہ ایک گھنٹہ گھر کے جو بیگم صاحبہ بھوپال نے بنوایا تھا درگاہ میں دو مینا کاری مینار بھی ہیں۔ شوخ رنگ مینا کاری گنبد باہر سے نہایت خوبصورت ایرانی قالین کے ڈیزائن کو شرمندہ کرتا ہے اور گنبد سے نیچے کی گول دیوار بھی دو تین گز تک اسی نمونہ کی ہے مسجد کا اندر بھی ویسا ہی شاندار اور وسیع ہے۔ جو سنگ مرمر سے مزین ہے۔ مسجد کے باہر وسیع میدان

اور فقراء و ساکین کے ٹھہرنے کیلئے ہے سامنے وسیع صحنوں کے اوپر دو منزلہ مکانات مثل بیٹھکوں کے ہیں کہ جن میں نقیب صاحب کے خاندان کے بعض اراکین رہتے ہیں اور معزز زائرین بھی ان میں ٹھہرائے جاتے ہیں۔ تمام اسلامی دنیا کے لوگ چشمہ میں نہاتے دہوتے اور سایہ میں چلتے پھرتے دیکھے جاتے ہیں۔ درگاہ شیخ کا وقف بغداد میں سب سے بڑا وقف سمجھا جاتا ہے جس میں کئی اراضیات باغات اور گاؤں شامل ہیں۔ اور اسکی آمدنی آجکل تخمیناً بیس ہزار پونڈ سالانہ کل مجھے ایک دوسری ہی درگاہ کے متولی نے بتلائی تھی۔ اس درگاہ شریف کے متعلق مسافروں اور مسکینوں کو کھانا کھلانے کیلئے ہمیشہ سے لنگر جاری رہا ہے۔ مگر آجکل معلوم ہوا کہ بوجہ جنگ یہ کام کچھ ملتوی ہے بہت سے ہندوستانی ساکین اس درگاہ پر پڑے رہتے ہیں۔ جنہیں یہاں سے کھانا ملا کرتا تھا۔ معلوم نہیں آجکل گذر اوقات کیا ہوگی۔ ہندوستان کے بعض مخیر امرا اس درگاہ کے متعلق نذر نیاز دیتے رہتے ہیں۔ شیخ عبد القادر جیلانی رحمتہ اللہ علیہ گیلان یا جیلان سے منسوب ہیں۔ جو ایران کا صوبہ بحر کیلین کے قریب واقعہ ہے آپ سلسلہ عالیہ قادریہ کے بانی تھے۔ آپکا پہلا مقبرہ جلدی ہی آپکے وصال کے بعد ۱۲۵۳ء میں بنا تھا۔ مگر موجودہ گنبد کی تعمیر کو دو تین سو سال سے زیادہ عرصہ نہیں گذرا ہوگا۔ مرقد کے اوپر ایک عالیشان چاندی کا جنگلہ لگا ہوا ہے۔ اور اسپر یہ فارسی شعر بھی ابھرے ہوئے ہیں جو درگاہ کے ہر دو داخلہ کے دروازوں پر بھی درج ہیں ؎

این بارگہ حضرت غوث ثقلین ست | نقد کرحید ر و نسل حسنین ست
مادرش حسینی نسب است و پدر او | زو لاد حسن یعنی کریم الابوین ست

شیخ صاحب کی تاریخ ولادت "عشق" اور وفات "کمال عشق" ہے ؎

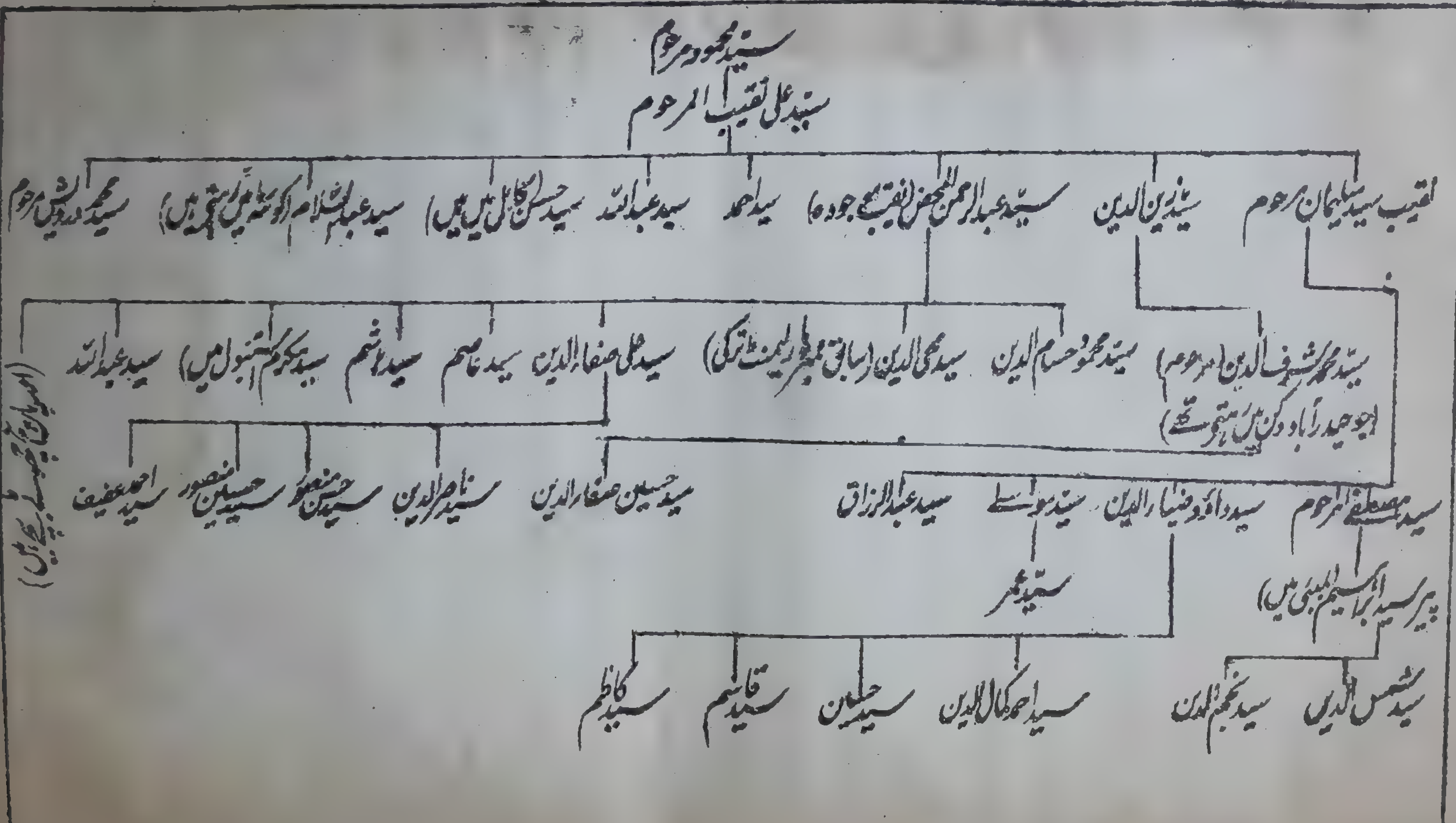
ستیش عاشق و معشوق مولا | وفاتش بود معشوق الٰہی

نقیب سید عبدالرحمن صاحب درگاہ کے متولی یا نقیب الاشراف اسوقت جناب سید عبدالرحمن آفندی گیلانی ہیں۔ جو ایک بڑے عالم اور بڑے قابل بزرگ ہیں۔ خاندان گیلانی ہیں سے ہمیشہ خاندان کا ایک قابل رکن اس رتبۂ نقابت پر سرفراز ہوتا ہے۔ بزرگوں کے زمانہ میں نقیب درگاہ شیخ کا رتبہ ترکی گورنر (والی) سے معاملات دنیادی میں ذرا سا کم مگر معاملات دینی میں بہت زیادہ سمجھا جاتا تھا۔ اتفاقاً جب میں نقیب صاحب کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ کھانے پر بیٹھ چکے تھے مجھے بھی شریک ہو جانے کا ارشاد کیا۔ اور میں نے تعمیل ارشاد ہی مناسب سمجھی لیکن ایک دوسرے روز پھر مجھے کھانے پر بلایا۔ اور دونوں دن کھانے کے پہلے اور پیچھے بہت سی باتیں ہر قسم کی ہوتی رہیں*۔ نقیب صاحب کو تدبیر ملکی میں بہت کچھ دخل ہے اور امور دنیادی میں بھی بڑے روشن ضمیر معلوم ہوتے ہیں منجملہ اور باتوں کے مینے آپ کی رائے قصیدہ غوثیہ کی نسبت دریافت کی تو آپنے فرمایا کہ اس کا حضرت شیخ کی تصنیف سے ہونا محقق نہیں اور اس کی عبارت اور مضمون بھی آپ کے درجہ عالی سے گرے ہوئے ہیں +

سید داؤد ضیاء الدین صاحب اس خاندان کے جن دوسرے نامور بزرگواروں سے بھی مجھے ملاقات کی عزت حاصل ہوئی ان میں سے سید ضیاء الدین صاحب بوجہ اپنی روشن ضمیری لیاقت اور زمانہ کی واقفیت کے خصوصیت سے قابل ذکر ہیں آپ اُردو بڑی صفائی سے بولتے ہیں گو اس خاندان کے بعض اور ممبر بھی اردو بولتے ہیں لیکن سید داؤد صاحب کو اُردو کی پوری مہارت ہے۔ اور ہندوستان کے

* کھانا یہاں میز کرسی پر کھایا جاتا ہے۔ اور چمچہ اور کانٹا بھی استعمال کرتے ہیں۔ دو اور علمائے بغداد بھی کھانے میں شریک تھے۔ میں نے انمیں سے ایک سے دریافت کیا چھری کانٹے کے استعمال میں مذہباً تو کوئی قباحت نہیں۔ انہوں نے کہا اس سے مذہب کا کیا تعلق ہے لیکن نقیب صاحب نے جو ہاتھ سے کھا رہے تھے فرمایا کہ دیکھو میں تو ہاتھ سے کھا رہا ہوں نقیب صاحب کے بفضلہ بارہ لڑکے ہیں جنمیں ایک ترکی پارلیمنٹ کے ممبر تھے

مسلمانوں ہی آپکو بڑی محبت اور ہمدردی ہے۔ گو میں بہت سے علماء بغداد سے اپنے
مختصر سے قیام کے زمانہ میں ملا ہوں مگر سید داؤد صاحب کو کئی وجوہات سے
میں بہت ممتاز جانتا ہوں۔ ان کے علاوہ اس عالیشان خاندان کے بعض اور
بزرگوں کی ملاقات کی عزت بھی حاصل ہوئی۔ جیسے کہ پیر سید عبد السلام صاحب
کہ جو کوئٹہ میں رہتے ہیں۔ اور بڑی مہربانی فرماتے ہیں وہ بھی آجکل بغداد میں تھے
اور یہاں بھی بہت سے ہندوستانی سپاہی اُن کی خدمت میں حاضر تھے۔ آپ
نقیب صاحب کے سگے برادر خورد ہیں۔ نقیب صاحب کے دو اور بھائیوں سید
زین الدین صاحب اور سید احمد صاحب سے بھی ملاقات ہوئی یہ دونوں بڑے مقدس
شکل و صورت کے پیر مرد نہایت دیندار لوگ ہیں۔ قال اللہ اور قال الرسول کے سوا
ان سے اور کوئی بات نہیں ہوئی۔ نقیب صاحب کے صاحبزادہ سید علی صفاء الدین
صاحب بھی نوجوان صالح ہیں۔ جو اپنے والد بزرگوار کی طرف سے کل اوقاف کے
منتظم ہیں اور مجھ سے مہربانی سے پیش آتے رہے۔ اس شریف خاندان کے نوجوان
بچے بھی بہت مہذب اور سعید معلوم ہوتے ہیں۔ پیر سید ابراہیم صاحب جو چند
سال سے بمبئی میں تشریف رکھتے ہیں۔ اور اس خاندان عالی کے رکن رکین ہیں۔
اُنکے دو صاحبزادے سید شمس الدین و نجم الدین جو ابھی کم عمر بچے ہیں کیسے سمجھدار
اور معقول ہیں۔ اور چونکہ بچپن ہی ان کے لالہ ہندوستانی مقرر کردیئے جاتے
ہیں اسلیئے یہ عموماً اردو جانتے ہیں۔ سید حسین صفاء الدین جو نقیب صاحب کے
بھتیجے ہوتے ہیں بڑے مہذب اور شریف جوان ہیں۔ غرض کہ ع این خانہ تمام آفتاب است
ذیل میں نقیب صاحب کے خاندان کا ایک شجرہ لکھدیتا ہوں جو ایک ہندوستانی
مولوی صاحب نے مجھے بغداد میں لکھوایا تھا۔


سید محمود مرحوم
سید علی نقیب المرحوم
نقیب سید سلیمان مرحوم
سید زین الدین
سید عبدالرحمن النقیب (النقیب موجود)
سید احمد
سید عبداللہ
سید حسن (کابل میں ہیں)
سید عبدالسلام (کوئٹہ میں رہتے ہیں)
سید محمد درویش مرحوم
سید محمد شرف الدین (مرحوم) (جو حیدرآباد دکن میں رہتے تھے)
سید محمود حسام الدین
سید محی الدین (سابق ممبر پارلیمنٹ ترکی)
سید علی صفاء الدین
سید عاصم
سید ہاشم
سید مکرم (استنبول میں)
سید عبداللہ
(اسی طرح چھوٹے بچے ہیں)
سید مصطفیٰ المرحوم
سید داؤد ضیاء الدین
سید موسیٰ
سید عبدالرزاق
سید حسین صفاء الدین
سید ناصر الدین
سید حسن معصوم
سید حسین منصور
سید احمد عفیف
سید عمر
پیر سید ابراہیم (بمبئی میں)
سید شمس الدین
سید نجم الدین
سید احمد کمال الدین
سید حسین
سید قاسم
سید کاظم

علمائے بغداد سے ملاقات جیسا کہ میں نے اوپر بیان کیا ہے مجھے بغداد کے بہت سے علما کی ملاقات خوش نصیبی سے حاصل ہوئی اور مختلف حالات کے متعلق بہت سی بات چیت کرنیکا موقعہ ملا۔ مگر افسوس ہے کہ میں ان میں سے کسی کا نام لیکر کسی گفتگو کا کرنا مصلحت نہیں سمجھتا۔ اس گئے گذرے زمانہ میں بھی بغداد میں علمائے اسلام کی بہت بڑی جمعیت موجود ہے۔ مگر افسوس ہے کہ ان میں اکثر اسی پورانی طرز کے عالم ہیں کہ جنہیں امور دنیاوی سے زیادہ سروکار نہیں۔ لیکن غنیمت ہے کہ ان میں سے بعض زمانہ کے رموز سے آشنا معلوم ہوتے ہیں چونکہ اس گروہ مقدس پر دنیا میں مسلمانوں کی بہتری کا بہت کچھ دارومدار ہے اسلئے امید ہے کہ مسلمانان بغداد ان سے مستفید ہونگے۔ مثلاً شیخ محمد سعید نقشبندی مدرس اعظمیہ و متولی جامع الفضل جو ایک زمانہ میں سلطان عبدالحمید خاں سے جو وظیفہ پاتے تھے وہ سب اپنے سامرہ کے مدرسہ میں خرچ کر دیتے تھے۔ آپ صاحب تصانیف بھی ہیں۔ اور بہت سلجھے ہوئے خیالات رکھتے ہیں۔ یا سعید آفندی مفتی نہاوی جو اباً عن جد مفتی بغداد تھے اور اب مدیر وقف ہیں۔ یا سید لقمان صاحب مدرس اعظمیہ و واعظ عراق جو نہضۂ عربیہ کے بڑے حامی ہیں اور ایک عربی رسالہ کے بھی اڈیٹر تھے۔ میںنے بغداد کے بعض علما کی جو فہرست لکھی تھی یہ کل تو کسی صورت میں نہیں کہلا سکتی تاہم حسب ذیل ہے۔

شیخ سعیدی آفندی	عبدالحسن آفندی
عبدالوہاب آفندی (انکے بھائی)	یحییٰ آفندی وطوی
حروف آفندی مدرس اعظمیہ	شیخ علی آفندی قرہ داغی
شکری آفندی الوسی	شیخ عبدالرحمن آفندی
حاجی علی آفندی الوسی	عبدالملک آفندی شواف

عبدالحلیم آفندی الخاقانی	سعید آفندی مفتی زہاوی
محمد آفندی	محمد درویش آفندی الوسی
محمد سعید آفندی راوی مدرس خضرالیاس	خطیب منیر آفندی
نجم الدین آفندی مدرس العدلیہ	عبدالخلیل آفندی
شیخ ابراہیم آفندی راوی	عبدالحمید زہراوی
حمدی آفندی اعظمی	رشید آفندی
عطا آفندی المفتی	شمس الدین آفندی
محمد قاسم آفندی مفتی الجزیرہ	شیخ مجید آفندی
شکری آفندی	عبدالجلیل آفندی
یوسف آفندی عطا	شیخ احمد آفندی
حاجی علی آفندی فتویٰ امین	طٰہٰ آفندی
علی آفندی خود	عبدالرحمن آفندی
سعید آفندی دورو	وغیرہ سو سے زیادہ علمائے بغداد

ترکوں سے شکایات اور ناراضگی کے اسباب

ان میں بعض تو مصلحتاً بالکل خاموش تھے بعض ترکوں سے ہمدردی رکھتے تھے اور بعض برملا انکی مخالفت کرتے تھے چونکہ میں کسی کا نام نہیں بتلانا چاہتا ہوں مگر ان لوگوں کے چند خیالات صرف نقل کر دینا چاہتا ہوں۔ کہ جنہیں شکایات تھیں۔ (۱) بڑی وجہ شکایت تو وہی ہے جو شام اور حجاز کے عربوں کو ہے۔ کہ ترکوں نے عربوں کو انکا حق نہ دیا۔ (۲) انہیں اعلیٰ عہدے نہ دیئے۔ (۳) انہیں ایسی تعلیم نہ دی جو دینا انکا فرض تھا۔ اور جسکے لئے برائے نام حکومت نے ایک لاکھ لیرہ (پونڈ) دو سال سے سر رشتہ معارف (تعلیم) کے لئے وقف کر رکھا تھا۔ مگر اس سے ایک مدرسہ نہ کھولا (۴) ہمیشہ ترک یہاں کی تمام آمدنی

آمدنی اور بہت قسطنطنیہ کو لیجاتے رہے۔ ایک اور عالم نے بتلایا کہ گو بعض لوگوں
کو شکایت ہے کہ ترکوں نے کئی سو سال میں عربوں کو کچھ حقوق نہیں دیئے مگر یہ
غلط ہے۔ عربوں کو اعلیٰ سے اعلیٰ عہدے فوج وغیرہ میں دیئے گئے۔ گو
بہت عربوں کا یہ خیال ہے کہ ترکوں نے اس ڈر سے اُنہیں اُبھرنے نہیں دیا
اور ہمیشہ دھتکار کر رکھا کہ کہیں ہمارے برابر طاقتور نہ ہو جائیں۔ لیکن میں اُن لوگوں
میں سے نہیں ہوں جنہیں ایسی شکایت ہے۔ ہم سلاطین آل عثمان کے نہایت شکر
گذار ہیں مگر اتحاد و ترقی والوں کے ستائے ہوئے ہیں۔ بلکہ مجھے (۴) یہ شکایت
ہے کہ ترکوں کے پچھلے دور میں جو دینداری اور خوبی تھی اب اتحاد و ترقی کے ممبروں
میں نہیں رہی۔ علمائے دین کے تو وہ دشمن ہیں اور دین کی ذرا عزت نہیں کرتے
اتحاد و ترقی کے بعض ممبر تو وجود باری تعالیٰ سے منکر ہیں۔ سعید آفندی مفتی بغداد کو
کہا تم بڈھے ہو گئے ہو اور ایک نوجوان جاہل کو جو اُنکا ہمخیال تھا مفتی بغداد بنا دیا
(۵) علاوہ اسکے حال کے ترک افسر بہت مغرور ہیں۔ مگر

ایک ایک قرش کے ترکی نوٹ

(۶) سب سے بڑی غلطی کہ جسکی وجہ سے دوران جنگ میں اہل بغداد
اُن سے ناراض ہو گئے یہ تھی کہ اُنہوں نے ایک قرش۔ اڑھائی قرش۔ پانچ
قرش۔ مجیدی ربع لیرہ نصف لیرہ تک کے چھوٹے کرنسی نوٹ بنا کر چلا دیئے۔ اور
لوگوں کے پاس جو تھوڑا تھوڑا روپیہ تھا وہ بھی کھینچ لیا۔ اور لوگوں کو ایسے نوٹ
لینے پر مجبور کیا۔ بحالیکہ بازار میں یہ نوٹ نہیں چلتے تھے مگر حکومت کے زور سے
کسی دوکاندار کی یہ مجال نہ تھی کہ وہ نوٹ لینے سے صریح انکار کرتا لیکن نقد کے
عوض جو سودا بکتا تھا وہ نوٹ کے عوض نہیں بک سکتا تھا۔ مثلاً ایک شخص نے ایک دس
یا پندرہ روپیہ کو ایک عبا خریدنی ہے جونہی وہ دوکاندار نے دیکھا کہ اسکے پاس
نقد نہیں نوٹ ہیں تو بجائے پندرہ کے تیس چالیس روپے عبا کی قیمت کہدی

جبر ستانی

(۷) بعض دولتمند یہودیوں اور عیسائیوں کو ایسے نوٹ خریدنے پر مجبور کیا۔ یہانتک کہ ایک سو کے قریب لوگوں کو سرِ پا کنپٹیوں میں مسمار مار کر مار ڈالا اور انہیں پانی میں پھینک دیا جن کی لاشیں بدبودار ہو کر پانی سے اٹھتی رہیں جس سے سرمایہ داروں میں سخت شور مچ گیا۔ اور میرے سوال کے جواب پر کہا کہ مینے اپنی آنکھوں سے بعض ایسی لاشیں دیکھی ہیں۔ جب مینے ایک اور بزرگ سے جو ترکوں کے زیادہ ہمدرد معلوم ہوتے تھے اس واقعہ کی تصدیق کرنا چاہی۔ تو اُسنے کہا کہ نوٹ جاری کرنے میں تو عیب نہیں فرانس نے بھی سُنا ہے کئی شہروں میں چھوٹی چھوٹی قیمتوں یعنی فرانک نصف فرانک کے نوٹ جاری کیے ہیں مگر وہاں رعایا کو سلطنت کی مالی حالت پر اعتبار ہے لیکن بغداد میں لوگوں نے مشہور کر دیا تھا کہ ترکوں کے لیے سات لاکھ پونڈ کے نوٹوں کی قیمت کا سونا تو جرمنی نے ادا کر دیا تھا۔ لیکن اسپر حکومت نے ستر لاکھ پونڈ کے نوٹ جاری کر دیئے۔ اور جن لوگوں نے یہ نوٹ خریدے ہوئے ہیں۔ اب وہ ترکوں سے بہت خفا ہیں مگر سرمایہ داروں کے مار ڈالنے کے متعلق کہا کہ پندرہ بیس ہی ایسی لاشیں ہوں گی اس سے زیادہ مبالغہ ہے۔

عمال کی بدچلنی

(۸) ایک اور بہت بڑی شکایت تواتر سے یہ سنی گئی کہ آخری سال چھ ماہ میں بغداد کا ترک مدیر (کمشنر) پولیس نہایت بدچلن شخص تھا۔ اُسکا نام سعد الدین تھا اُسکے ساتھ معاون مرکز کماندان (ایڈیکانگ والی) نوزاد اور میر الفائق بے شامل تھے۔ خود خلیل پاشا والی گورنر غفلت اور کمزوری سے مجبور تھا۔ اسلیئے ان تینوں ترک افسروں نے بڑا ظلم مچایا۔ ان لوگوں نے بغداد کے کئی شریف گھرانوں کی عورتوں کی عفت بگاڑی۔ اور جبراً انہیں رنڈیاں بنا کر چکلوں میں لے بٹھایا۔ بلکہ ایک شخص نے تو کہا کہ اگر ترک ایسے چھوٹے نوٹ نہ چلاتے اور سعد الدین مدیر پولیس

اتنا ظلم نہ کرتا تو ترک آج بغداد میں ہی ہوتے۔ (۹) ایک اور شخص نے کہا کہ جہاد دلیل اپنا اور دوسرے بازاروں کو کھلا کرنے کیلئے اتحاد و ترقی والوں نے کئی لوگوں کے مکانات بلا ضرورت گرا دیئے۔ اس سے بھی عام لوگ ناراض ہوئے ہونگے راستہ میں ایک مسجد کا صحن یا مکان مدرسہ کا کچھ حصہ آگیا تو اسکی پرواہ نہ کی۔ یہانتک کہ ایک گنج شہیداں آگیا۔ جہاں قدیم زمانہ سے شہیدوں کی قبریں تھیں تو اسکا کچھ حصہ اڑا دیا۔ (۱۰) اور بعض لوگوں نے یہ بھی کہا پچھلے دنوں میں سرکار کے نام سے عمال لوگوں سے مال اسباب بھی چھین لیتے تھے اور جسکے دو یا تین بیٹے ہوں سب کو جبراً فوج میں بھرتی کر لیتے تھے۔ معلوم نہیں ان سب شکایات میں سچائی کہانتک ہے۔ مگر مینے اکثر ثقہ لوگوں سے یہ باتیں سنی ہیں۔ جنکا خلاصہ یہاں درج کیا ہے۔

انتزاع حکومت ترکی پر چند توہمات

ترکی حکومت کے انتزاع اور انگریزی حکومت کے ادخال کے متعلق عوام الناس میں جو خیالات جاری و ساری دیکھے اُن میں سے بھی میں بعض کو یہاں درج کرتا ہوں۔ عوام الناس ہمیشہ توہم پرست اور خوش اعتقاد ہوتے ہیں اور انقلاب سلطنت ایسے معاملہ پر مشرقی ممالک میں ہمیشہ توہم اور تفاول پر عام لوگ بھروسہ کرتے ہیں (۱) مینے کسی دوسری جگہ بیان کیا طلسمی دروازہ میں ترکوں نے ڈائنامیٹ رکھا ہوا تھا۔ جب وہ بغداد سے جانے لگے تو ڈائنامیٹ وہاں سے نکال نہ سکے اسلیئے اسکو اڑا دیا۔ جس سے یہ قدیم دروازہ بھی پاش پاش ہوگیا۔ ایک دو تعلیم یافتہ اور ثقہ لوگوں سے سنا کہ بس اس دروازہ کا طلسم ٹوٹنے کی دیر تھی کو جس میں سے سلطان مراد فاتح بغداد داخل ہوا تھا) کہ ترکی حکومت بغداد سے منقطع ہوگئی۔ (۲) اتفاق کی بات ہے کہ جس روز انگریزوں نے بصرہ پر قبضہ کیا ہے اُسی روز بغداد میں ایک سخت آندھی آئی۔

جو گو دو تین منٹ سے زیادہ نہ رہی مگر دجلہ کی مغربی جانب کے حصّہ شہر کے بعض چھپر اُڑ کر مشرقی جانب آ پڑے۔ اور مشرقی بغداد کے دو عالیشان مسجدوں کے تین خوبصورت کاشی ورک کے بلند مینار اوپر سے آدھے آدھے کٹ کر گر گئے چنانچہ مینے خود جامع آصفیہ کے دو اور جامع قبلانیہ کا ایک مینار گرا ہوا دیکھا ہے۔ خوش اعتقاد لوگ کہتے ہیں کہ یہ ترکوں کے زوال کی علامت تھی خصوصًا اسلیئے کہ اُسی روز بصرہ ہاتھ سے نکل گیا تھا۔ جبکہ آندھی آئی۔ (۳) جامع وزیر اور جامع اوزبک کے قریب بازار میں ایک بہت لمبی ترکی توپ پڑی ہوئی ہے اُسپر ۱۲۴۸ھ اور عمل سلطان مراد عال ابن سلطان احمد کھدا ہوا ہے مینے اپنی لکڑی سے جو قریبًا ایک گز لمبی تھی اس توپ کو ناپا تو اُسے پانچ لکڑیا اور سات اُنگل لمبی پایا۔ فتح بغداد کے وقت یہ توپ بھی ترکوں نے استعمال کی تھی۔ اسلیئے اِسے بابرکت توپ سمجھا جاتا تھا۔ اور اُسکا چلا جانا بھی ترکوں کے حق میں زبون سمجھا گیا۔ (۴) بعض لوگوں نے کہا کہ دوران جنگ کے تین سال میں بغداد پر تین سخت قدرتی بلائیں نازل ہوئیں جس سے اہل بغداد چلا اُٹھے۔ اول پچھلے سال دجلہ کی طغیانی سے شہر کا تیسرا حصہ تباہ ہو گیا۔ چنانچہ مینے خود کئی مکانات اور خصوصًا شیخ شہاب الدین عمر سہروردی کی خانقاہ۔ اور احمد غزالیؒ کے مقبرہ وغیرہ کو اسی طغیانی سے خستہ و برباد پایا۔ دوم طاعون کا زور رہا جس سے بہت لوگ مرے۔ اور سوم سخت آندھی آئی جس سے مساجد جیسی پختہ تعمیرات کے مینار گر گئے۔

شیخ محی الدین عربی کی پیشین گوئی

(۵) آخر ایک مولوی صاحب سے ملاقات ہوئی کہ جنہیں علم جفر کا شوق ہے۔ اُنہوں نے کہا کہ خدا کی بھی مرضی ہے۔ اور میرا علم اسی کی تائید کرتا ہے۔ چنانچہ بتلایا کہ شیخ محی الدین عربی نے شجرۃ النعمانیہ میں حسب ذیل عبارت

لکھی ہے "اذ قابل الکیوان ھو بجز فی لفرد رجبۃ من المیزان تخرج بہ من ید آل عثمان" کہا کہ آفرد رجہ کیوان سے اہ شباطہ ایک نزکی مہینہ بعد کانون ثانی مراد ہے۔ اور شباط رومی (فروری) کی ۲۶ تاریخ کو انگریز اس شہر میں داخل ہوئے۔ تو صاف ظاہر ہے کہ حضرت شیخ محی الدین عربی کی اس عبارت میں بھی پیشین گوئی پنہاں تھی۔ میں نے پوچھا کہ کیا حضرت شیخ نے کوئی اور پیشین گوئی بھی کی ہے۔ جو آپ کے خیال میں پوری ہوئی ہے۔ تو کہا ہاں۔ سنئے آپ نے ایک جگہ فرمایا ہے "اذ دخل السین فی الشین فقد ظہر قبر محی الدین بمقد سنین (سنہ ۹۳۰ ہجری) اس عبارت میں س سے مراد سلطان سلیم ہے اور ش ملک شام۔ پس مطلب یہ ہوا کہ جب سلطان سلیم ملک شام میں داخل ہونگے تو محی الدین عربی کی قبر کا پتہ لگ جائیگا چنانچہ اس سے پہلے حضرت کی قبر کا پتہ نہ تھا جو اس کے بعد معلوم ہو گئی۔

بعض لوگ پوچھتے ہیں کہ انگریزی قبضہ بغداد کے بعد جو اخبارات میں یہ خبر شائع ہوئی تھی کہ انگریزی افواج کے داخل بغداد ہونے پر اہل بغداد نے خوشی منائی یہ کہاں تک درست ہے۔ گو مندرجہ بالا بعض مضامین میں اس کا جواب کافی آگیا ہے لیکن اس پر تھوڑا سا اور اضافہ کرنا چاہتا ہوں جس سے ناظرین اپنے لئے خود ہی فیصلہ کر سکتے ہیں کہ بغداد میں اس روز کیا ظہور میں آیا ہوگا۔ بغداد کی آبادی کل ڈیڑھ لاکھ ہے۔ جس میں پانچ ہزار عیسائی ہیں۔ اور پنتالیس ہزار یہودی۔ باقی مسلمانوں میں سے ½ شیعہ ہیں۔ کہ جن کے اپنے سنی ہم مذہبوں سے ہمیشہ سے تعلقات خراب رہے ہیں۔ آج کل تو اسلام ہمیشہ سے ضعیف ہے لیکن خلفائے عباسیہ کے زمانہ میں بھی بغداد کے شیعہ سنی آپس میں لڑتے جھگڑتے رہتے تھے۔ مورخ خطیب لکھتا ہے کہ ۱۰۳۱ء میں خلیفہ قائم بالعد کے زمانہ میں شیعہ سنیوں میں فساد ہو گیا۔ تو حکومت کو دجلہ کا پل اس لئے توڑ دینا پڑا کہ دونوں گروہ یعنی شیعہ اور سنی اپنی اپنی طرف ہی رہیں کیونکہ دریا کے مغرب کی

طرف خالص شیعہ آبادی ہے۔ اس لئے کہ یہیں سے تمام شیعہ دنیا کاظمین اور کربلا سے وابستہ ہے۔ تو یہ دیکھکر صرف ترکوں کے سُنی رعایا کی نسبت شک ہوسکتا ہے کہ وہ خوش نہ ہوئے ہوں۔ مگر واضح رہے کہ دیگر اسباب سے وہ بھی کم وبیش موثر ہوئے بغیر نہ رہے تھے۔

مقبرہ امام اعظم حضرت امام اعظم ابوحنیفہ نعمانؒ کا مقبرہ شہر بغداد سے باب معظم سے باہر کوئی دو میل کے فاصلے پر موضع معظم میں دجلہ کے مشرقی کنارہ پر کاظمین کے مقابل جو مغربی کنارہ پر ہے واقع ہے۔ امام اعظم جیسا کہ ان کے نام سے ظاہر ہے مسلمانوں میں سب سے بڑے امام فقہ کے ہیں۔ انہیں کے نام پر جمہور مسلمانان عالم حنفی کہلاتے ہیں۔ دوسرے تمام سنت جماعت امام آپکے شاگرد اور شاگردوں کے شاگرد ہوئے ہیں۔ حضرت امام صاحب اس وقت بغداد میں تشریف لائے تھے جبکہ خلیفہ منصور نے اس شہر کی بنیاد رکھی تھی اور آپ نے خلیفہ کو اس شہر کے آباد کرنے میں مدد دی۔ چنانچہ خلیفہ نے جو چار معتبر اشخاص تعمیر کی نگرانی کے لئے مقرر کئے تھے ان میں سے ایک آپ تھے۔ آپ نے ۱۵۰ھ ہجری (۷۶۷ء) میں انتقال فرمایا۔ اور اس وقت قبرستان خیزران میں دفن کئے گئے جو خلیفہ ہارون الرشید کی والدہ کے نام پر مشہور تھا اور بغداد میں مسلمانوں کا پہلا قبرستان تھا۔ مقدسی نے ۳۷۵ھ میں آپ کی مرقد کی زیارت کی اور بتلایا ہے کہ حال ہی میں ایک شخص نے اس مقبرہ کے ساتھ ایک صفہ اضافہ کیا ہے۔ ایک صدی بعد ۴۷۶ھ میں جبکہ سلجوق سلطان ملک شاہ اپنے وزیر نظام الملک کیساتھ بغداد میں مقیم تھا تو انہوں نے امام صاحب کی قبر کو دیکھا کہ جس پر ۴۵۹ھ میں ایک گنبد تعمیر ہوچکا تھا۔ اس سے تھوڑا عرصہ پیشتر سلطان الپ ارسلان سلجوقی

بھی اس مقبرہ کے ساتھ تعمیر کر دیا تھا۔ ابن جبیر نے سنہ ۵۸۰ھ میں اس سفید گنبد کو سلامت پایا چنانچہ اس زمانہ میں اس مقبرہ کی وجہ سے اس نواح کا نام بھی معظم ہو گیا تھا۔ جو اب تک ایک خاص قصبہ ہے۔ اگلی صدی میں یاقوت بیان کرتا ہے کہ خلفا کی قبروں کے متصل امام صاحب کا مقبرہ ہے۔ اور اس کے بعد ابن بطوطہ سنہ ۷۲۶ھ میں بغداد پہنچکر لکھتا ہے کہ امام ابو حنیفہ کے زاویہ پر ہر روز کھانا ان لوگوں میں تقسیم ہوتا ہے۔ جو اسے لینے آتے ہیں۔ اور اس وقت بغداد میں بھی ایک جگہ ہے کہ جہاں ایسی خیرات اب تک جاری ہے۔ اس وقت مقبرہ کے ساتھ ایک عالیشان مسجد ہے۔ اور محراب مسجد کے پاس ہی مقبرہ کے اندر جانیکا دروازہ ہے۔ محراب کے پاس ہی ایک نشان مجھے دکھلایا گیا کہ جو امام صاحب کی اصل قبر کی جگہ سمجھا جاتا ہے۔ مگر بہر حال مقبرہ کے اندر ایک بہت بڑے چوکھٹ اور سبز چادر کے نیچے امام صاحب کی قبر ہے۔ میں نے کاظمین سے واپس آکر دجلہ کشتی میں عبور کیا۔ اور معظم میں پہنچکر نماز جمعہ میں شرکت کی۔ آدھی مسقف مسجد نمازیوں سے پُر تھی۔ امام صاحب نے ہاتھ میں تلوار لیکر بلند منبر کے اوپر چڑھکر خطبہ پڑھا۔ نوجوان امام کی زبان عربی تھی۔ مگر اس نے نہایت برجستہ عبارت میں زبانی تقریر کی۔ ہر جمعہ کو اسی طرح زبانی تقریر کسی آیت کی تفسیر یا حدیث کی تشریح کے طور پر بیان کی جاتی ہے۔ مسجد اندر سے بیل بوٹوں سے بڑی شاندار تھی۔ زمین سے کچھ بلندی تک سنگ سفید لگا ہوا تھا اور کئی سنگین بیل پاؤں پر گنبد کھڑے تھے۔

وقف معظم نماز اور فاتحہ خوانی کے بعد قریب ہی میں ایک مکان میں جناب سید عبد الباقی آفندی صاحب نقیب معظم کی خدمت میں حاضر ہوا۔ جنہوں نے قہوہ سے تواضع کی۔ امام صاحب اور سید لقمان صاحب واعظ اور بعض دیگر معززین اعظمیہ بھی

جمع ہو گئے جو امام صاحب کے مقبرہ کے ساتھ کے مدرسہ کا نام ہے۔ واضح رہے کہ یہاں کی تمام بڑی بڑی مساجد اور مقابر کے ہمراہ قدیم طرز کے تعلیم فقہ وحدیث وصرف ونحو کے مدرسے جاری ہیں جن کے خرچ ان اوقاف سے چلتے ہیں جو ان مقابر کے ساتھ قدیم سے چلے آتے ہیں۔ مگر افسوس کہ جس قدر افادہ کی امید ان سے ہو سکتی ہے حاصل نہیں ہوئی۔ کیونکہ اوقاف کے انتظام قابل تعریف نہیں رہے۔ اس وقت مجھے نقیب صاحب نے یقین دلادیا کہ مدرسہ میں تازہ روح پھونکی گئی ہے۔ سو طالبعلم تعلیم کے لئے موجود ہونے چاہیئیں۔ جو اس وقت نہیں ہیں۔ یہ مدرسہ دینی اور دنیوی دونوں قسم کی تعلیم دیتا ہے۔ دنیوی سے ان کی مراد نوشت وخواند اور معمولی حساب کتاب کی تھی۔ کہا ایک سال سے مسجد میں ترکی فوجی ہسپتال تھا۔ اس لئے سوائے نماز جمعہ کے فوجی ضروریات کے لئے مسجد بند رہتی تھی۔ ایک مدرس نے کہا ہم لوگ امام اعظم کے مقلدین نہیں ہیں۔ کیونکہ تقلید سے جمود لازم آتا ہے۔ اور امام صاحب جیسے علامہ کا یہ کبھی منشا نہ تھا کہ ان کے متبعین میں جمود آجائے۔ ہندوستان کے مقلد مسلمان تعجب کریں گے۔ کہ زمانہ کی ہوا نے امام صاحب کے مقبرہ کے متولیوں میں کیسے خیالات پیدا کر دیئے ہیں۔ ایک صاحب نے یہ بھی کہا کہ عثمانی حکومت کے عہد میں مسجد میں یہود ونصاریٰ کو داخل ہونے کی اجازت نہ تھی اب اندیشہ ہے کہ انگریز اور ہندو بوٹ سمیت نہ داخل ہونے لگیں چونکہ شیخ عبدالقادر گیلانی کی درگاہ پر ایسی باتوں کو روکنے کے لئے گورنمنٹ انگریزی نے پہرہ کھڑا کر دیا ہے ان کو بھی کھڑا کرنا چاہیئے یہ بھی معلوم ہوا کہ موضع معظم میں صرف حنفی مسلمان رہتے ہیں۔ اور کوئی رہ نہیں سکتا۔

امام اعظم اور غوث اعظم اعظمیہ کے ایک مدرس نے یہ بھی شکایت کی کہ ہر چند کہ ہندوستان کے

اکثر مسلمان حنفی ہیں اور امام اعظم کی بے انتہا عزت کرتے ہیں مگر بہت سے ہندوستانی شیخ عبدالقادر گیلانی کی خانقاہ پر تو جاتے ہیں مگر امام اعظم کی زیارت کیلئے نہیں آتے حالانکہ شیخ عبدالقادر جیلانی امام اعظم کے شاگردوں کے شاگردوں کے شاگرد تھے۔ کیونکہ سیدنا شیخ امام ابن حنبل کے شاگردوں کے شاگرد تھے۔ اور امام حنبل امام محمد کے شاگرد تھے۔ جو خود امام اعظم کے شاگرد رشید تھے میں نے کہا کہ گو عوام الناس کو جو شوق زیارت رکھتے ہیں "یارہویں والے پیر" یا "پیران پیر" کی قبر ہی بغداد میں معلوم ہے۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ بہت کم تعلیم یافتہ مسلمانوں کو بھی معلوم ہوگا کہ امام اعظم رحمۃ اللہ کا مرقد منور بھی بغداد میں موجود ہے۔ ہندوستان کے عام خوش اعتقاد اور پیر پرست مسلمانوں میں حضرت غوث اعظم محبوب سبحانی قطب ربانی عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کے کرامات مثل چور کو قطب بنانے اور بارہ برس کے بعد دریا میں ڈوبی ہوئی کشتی نکالکر دولہا کو اس کی ماں سے ملا دینے کی روایات ایسی مشہور ہیں کہ لوگ گھروں میں بیٹھے ہی پیران پیر کی گیارہویں دیتے رہتے ہیں۔ اس کے مقابل میں امام اعظم کے فضائل صرف اہل علم کو معلوم ہیں کہ امام صاحب تمام سنت جماعت مسلمانان روئے زمین کے مقتدائے اعظم اور بنائے دین استوار کرنے میں مجتہد اکبر تھے۔

بغداد کے مشہور مقابر جن کے سلسلہ معرب ہیں

واضح رہے کہ اکثر بزرگوں کے مقبرہ یا مرقد کے ساتھ چھوٹی یا بڑی مسجد ضرور ہوتی ہے یہی عراق کی کیفیت اور یہی حجاز مصر شام اور استنبول کا دستور ہے اور بارہا یہ مساجد مقبرہ کی ایسی تابع ہوتی ہیں کہ مقبرہ کے گرد یا کسی گوشہ میں بنی ہوئی ہوتی ہیں۔ علاوہ شیخ عبدالقادر جیلانی اور امام اعظم کے مقابر و مساجد کے دیگر مشہور زیارت گاہوں اور مسجدوں کا مختصر حال ذیل میں درج کیا جاتا ہے۔

معروف کرخیؒ | یہ بزرگ خلیفہ ہارون الرشید کے زمانہ میں گذرا ہے جو اپنے وقت کا امام اور اپنے زمانہ کا مرتاض زاہد تھا۔ شیخ نے سنہ ۲۰۰ ہجری (۸۱۶ء) میں انتقال کیا۔ خطیب لکھتا ہے کہ یہ بغداد کے چار محافظ اولیا میں سے ایک ہے کہ جن کے ذریعہ سے بغداد ہمیشہ بلاؤں سے محفوظ رہیگا۔ شیخ معروف کے باپ کا نام فیروزان تھا۔ جو ایک عیسائی تھا لیکن شیخ نے خود امام علی رضا کے ہاتھ پر اسلام قبول کیا جنہوں نے اسے اپنی غلامی سے بھی آزاد کر دیا۔ شیخ نے زہد و اتقا میں بے حد شہرت حاصل کی۔ اور اسی طرح ان کے مرید خاص شیخ سری سقطیؒ کے نام سے بھی اُسے بڑی شہرت ہوئی۔ جو خانقاہ پہلے پہل شیخ معروف کی قبر پر تعمیر کی گئی تھی۔ وہ ۴۵۹ھ (۱۰۶۷ء) میں آگ سے جل گئی۔ مگر خلیفہ قائم باللہ کے حکم سے صوفی شیخ الشیوخ ابوالسعد نیشاپوری نے ۴۷۹ھ میں تعمیر کرائی۔ ملک شاہ سلجوق اور اس کے وزیر نظام الملک نے بھی بغداد کی زیارات میں اس کی زیارت کی ۶۱۱ھ میں خلیفہ ناصر باللہ کا

چھوٹا بیٹا فوت ہو گیا۔ تو اس نے شیخ معروف کرخی کے مقبرہ کے پاس اسے برکت کے خیال سے دفن کیا۔ معلوم ہوتا ہے۔ اس وقت اس مقبرہ کو پھر تعمیر کیا گیا ہو گا کیونکہ آجتک اسپر ۶۱۲ھ (۱۲۱۴ء) کا کتبہ نصب ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ ہلاکو کے محاصرہ میں اس کو کچھ صدمہ نہیں پہنچا کیونکہ ابن بطوطہ نے جس نے بغداد کی ۷۲۷ھ میں سیاحت کی اس مقبرہ کی موجودگی کا ذکر کرتا ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ ابتک وہی قدیم عمارت موجود ہے گو گنبد جو مقبرہ پر ہے اور بغداد کے دوسرے بڑے مقابر کی طرح مینا کار ٹائیل کے شوخ چمکدار رنگوں کا ہے۔ وہ بعد میں تعمیر ہوا ہو گا۔ کیونکہ نہایت اچھی حالت میں ہے اور مسجد کا سفید گنبد قدیم ہو گا۔ اور مینار مسجد کے اوپر نے حصہ پر بھی سبز سیاہ و سفید ٹائیل کا مینا کار کام ہے اور گنبد پر سبز نیلگوں سفید زرد و فیروزی خاکی رنگوں کے ٹائیل ہیں۔ اس کے گرد تہ میں نصف گز چوڑے حروف میں آیۃ الکرسی ختم کی گئی ہے۔ اندر جا کر دیکھا تو اکثر قبروں سے اسے اچھی حالت میں پایا۔ مسجد کے گنبد کے اندر آیۃ الکرسی ۱۲۱۲ھ میں ویسے ہی جلی خط میں مرقوم ہے۔ سید ابراہیم بن سید عبدالغنی کلید بردار نے جو اور کئی مقبروں کے مجاوروں سے معقول شخص ہے کہا کہ مقبرہ کے نیچے حجرہ اگر دیکھنا چاہے۔ تو دیکھئے۔ لوگ اسے دیکھنے جاتے ہیں۔ اور لوگوں میں یہ مشہور ہے کہ یہاں سے مکہ معظمہ کو زیر زمین رستہ جاتا ہے۔ اور جو کنواں ہے۔ وہ چاہ زمزم سے نیچے سے ملا ہوا ہے۔ حجرہ کے سامنے بہت لوگوں کی دو رویہ قبریں بنائی ہوئی ہیں۔ اسی قبرستان میں وہ ہندوستانی دفن کئے جاتے ہیں۔ جو ہسپتال میں فوت ہوتے ہیں۔

دو ہندوستانی علماء

قریب ہی مولوی غلام رسول قریشی پنجابی کی قبر ہے کہ جو مدت سے بغداد میں مقیم تھے اور علوم دین پڑھایا کرتے تھے۔ شاید ضلع جہلم یا

پشاور کے رہنے والے تھے۔ اکثر علمائے بغداد انہیں اُستاد سمجھتے تھے انہوں نے سنہ ۱۲۳۰ھ میں وفات پائی۔ اسی طرح کوئی بیس سال پہلے ایک بزرگ مولوی بہار الحق ہندی نے انتقال کیا تھا جنہوں نے پہلے حضرت شیخ کے مدرسہ قادریہ میں اور پھر مدرسہ اعظمیہ میں کئی کئی سال درس دیا تھا۔ شکر ہے کہ ہندوستان کے علماء نے بغداد اور مکہ اور مدینہ میں درس دیئے اور دیتے ہیں۔

جنیدؒ بغدادی معروف کرخی سے کچھ آگے اور یوشع نبی کی قبر کے قریب ایک مقبرہ **سری سقطیؒ** میں ان دونوں نامور اولیاء اللہ کی قبریں ایک ہی گنبد کے نیچے ہیں۔ یہ دونوں بزرگ ماموں بھانجا ہیں۔ جنید بھانجے تھے اور سری سقطی ماموں جنید اپنے زمانہ میں ملقب بہ مفتی الثقلین تھے اور سری سقطی حضرت معروف کرخی کے مرید خاص تھے چونکہ یہ پھٹے پورانے کپڑے پہنا کرتے تھے۔ اس لئے سقطی نام مشہور رہا۔ میں نے ان دونوں قبروں کے تعویذ کچے دیکھے ہیں جو بتلایا گیا کہ شریعت کے مطابق رکھے گئے ہیں۔ دروازہ سے داخل ہوتے ہوئے داہنے ہاتھ سری سقطی اور بائیں ہاتھ جنید کی قبریں ہیں تعویذوں پر چوبی مشبک پنجرے ہیں۔ نامق پاشا والی بغداد نے سلطان عبدالمجید کے زمانہ میں سنہ ۱۲۴۰ھ میں مرمت کرائی ہے۔ سری سقطی کا سنہ ۲۵۶ھ (سنہ ۸۷۰ء) میں انتقال ہوا۔ ابن خلقان نے تیرھویں صدی عیسوی میں لکھا ہے کہ سری سقطی نہایت نامور ولی کی قبر کے پاس جنید ایک دوسرے بزرگ کی قبر ہے جو اس کا بھانجا ہے مرادیں مانگنے والوں نے لکڑی کے پنجروں میں دھاگے باندھ رکھے ہیں۔ ان قبروں کے سامنے بھی دور تک برکت کے خیال سے لوگوں کی قبریں بنی ہوئی ہیں۔

یوشع نبی قریب ہی یوشع بن نون نبی کی قبر ہے۔ اس قبر کا بہت بڑا مربع احاطہ ہے گول گنبد کے نیچے قبر بھی اندر پڑی ہے جس پر لکڑی کا صندوق پڑا ہے۔

یہودی اور مسلمان دونوں اس قبر کی عزت کرتے ہیں۔ بلکہ یہودی دعوے کرتے ہیں کہ یہ انہیں کے ایک نبی کی قبر ہے۔ اسپر یہودیوں اور مسلمانوں میں پچھلے زمانوں میں لڑائیاں بھی ہو چکی ہیں۔ مقبرہ کے گرد دیواروں پر موٹے موٹے عبرانی حروف میں کچھ لکھا ہوا ہے۔ دیواروں اور چاروں روشندانوں کے نیچے مربع شیشے کے ٹکڑے نصب ہیں۔ نیلی اینٹیں بھی کہیں کہیں لگی ہیں۔ گنبد کے نیچے چار دروازے اور چار بند محراب کل آٹھ محراب بنے ہیں۔ نقاشی کے گلدستے بنے ہیں۔ عمارت بہت پرانی معلوم ہوتی ہے۔ اور اسوقت خراب ہو رہی ہے۔ ناظم پاشا کے حکم سے اسکے احاطہ میں بغرض مرمت یا تعمیر اینٹیں پھنکوائی گئی تھیں۔ جو ابتک پڑی ہیں۔ ایسی قدیم عمارت کو گرانا ہرگز مصلحت نہیں۔ اسی کی اچھی طرح مرمت کیجا سکتی ہے۔ باوجودیکہ مینے سنا کہ بہت بڑا وقف اس کے ساتھ ہے مگر متولی وغیرہ اوقاف کا روپیہ شراب خانوں میں اڑا دیتے ہیں۔ بڑی کوشش سے کلید بردار کو تلاش کر کے قبر کی زیارت کی۔

یہودیوں کی چار زیارت گاہیں حضرت یوشع کے مقبرہ پر یہودی ہر مہینہ میں ایک بار زیارت کیلئے جمع ہوتے ہیں۔ یہودیوں کا بیان ہے کہ یوشع نبی کو جب خارج البلد کیا گیا۔ تو وہ یہاں آکر ٹھیرے۔ اور یہیں وفات پائی اور دفن ہوئے یہودیوں کی اسی قسم کی چار زیارت گاہیں ہیں۔ جن میں سے ایک یہ ہے۔ دوسرے عزرا نبی کا مقبرہ شط العرب پر کنارہ دریا پر درختوں کے جھنڈ میں واقع ہے۔ جسکا پہلے ذکر ہو چکا ہے۔ تیسرے حزقیل نبی کا مقبرہ موضع کفیل میں کوفہ کے قریب اور چوتھی زیارت گاہ چاہ دانیال میں حلہ کے قریب ہے۔

بہلول دانا اسکے پاس ہی پرلی طرف بہلول دانا کی قبر ہے۔ ایک مربع احاطہ کے ایک گوشہ میں ایک گنبد کے نیچے قبر ہے۔ اسکا دروازہ بند تھا مگر ہمنے کھول لیا اندر

دو دو چار چار اینٹیں جوڑ کر بہت سے چھوٹے چھوٹے گھر بنائے ہوئے جیسے کہ بچے کھیلنے میں بناتے ہیں۔ معلوم ہوا کہ لوگ یہاں منتیں مانتے ہیں۔ کہ اگر منت پوری ہو جائیگی تو اس گھر کو مٹھائی سے بھر دیا جائیگا۔ مشہور ہے کہ بہلول نے ایک گھر بنا کر زبیدہ خاتون کے ہاتھ یہ کہکر بیچدیا تھا کہ یہ گھر تمہیں بہشت میں ملیگا۔ قبر پر ترکی میں یہ تاریخ لکھی ہے "بہلول دانا روحنہ چابوق اوقو یز فاتحہ" (یعنی بہلول دانا کے روح کو جلدی فاتحہ پڑھو) ۔اور ۱۳۲۰ھ میں سلطان عبدالحمید کے مرمت کرانے کا ذکر ہے بہت سے دوسری مقابرپر بھی سلطان عبدالمجید خان کے مرمت کرانیکا ذکر ثبت ہو۔ اسی قبر کے پاس ہندوستان کے بوہروں کا قبرستان بھی ہے۔

ابراہیم خواص | ایک چھوٹا سا قبہ ہو۔ یہ بزرگ صفیاں تھے ۔اور بہلول دانا کے ہمعصر۔ ایک روز ایک جوان لڑکی روئی لائی۔ مگر اسکی ہوا خارج ہو گئی صرف اس خیال سے کہ وہ نادم نہو اپنے آپ کو بہرہ ظاہر کیا۔ اور تیس سال تک بہرے بنتے رہے۔

ذوالنون مصری | ان قبروں سے واپس زبیدہ خاتوں کی قبر کو جاتے ہوئے جو معروف کرخی کی پشت پر ہے جرمن ریلوے لائن کے متصل ایک چھوٹا سا گنبد ہے جس میں معلوم ہوا کہ ذوالنون مصری رحمۃ اللہ کی قبر ہے۔ جو بڑے ولی اللہ گذرے ہیں۔

زبیدہ خاتون | خلیفہ ہارون الرشید کی چاہتی بیگم کہ جسنے مکہ معظمہ کی آبیاری کے لیئے نہر زبیدہ بنوائی تھی۔ اسکی قبر ایک بہت لمبی گنبد کے نیچے جو ایک شوالہ کے گنبد کی طرح مخروطی دو تین منزل کے برابر اونچا ہے۔ اور نیا بنا ہوا معلوم ہوتا ہے۔ نیز ایک جرمن سیاح لکھتا ہے کہ ۱۸۵۰ء میں مینے اس قبر پر ایک کتبہ بنام عائشہ خاتم زوجہ گورنر بغداد دیکھا ہو۔ جو ۱۴۸۸ء میں

دفن ہوئی تھی۔ لیکن اس قبر کو اب زبیدہ خاتون کی قبر بتایا جاتا ہے۔ جو ۸۳۱ھ میں فوت ہوئی تھی۔ بعض ہمعصر مورخ راوی ہیں کہ زبیدہ خاتون کاظمین میں دفن ہوئی تھی۔ مگر اسوقت بغداد میں سب لوگ یہی مانتے ہیں کہ یہی زبیدہ خاتون کی قبر ہے۔

مزار سید صالح | یہ مزار محلہ کرخ میں آبادی شہر کے اندر ایک کوچہ میں ایک چھوٹے سے مکان کے اندر واقع ہے۔ سید صالح سیدنا شیخ عبدالقادر جیلانی رح کے صاحبزادہ ہیں۔ تعجب ہے کہ اُسی شہر میں اپنے والد بزرگوار سے اتنے دور اور ایسی کس مپرسی کی جگہ مدفون ہوئے۔

مزار حبیب عجمی رح | بغداد قدیم میں داخل ہونے ہی آپ کا مزار واقع ہے۔ آپ اہل طریقت کے خاص پیشوا ہیں۔ اور حضرت حسن بصری سے آپکو خلافت ملی ہے۔

حسین بن منصور حلاج | کرخ سے ایک طرف کاظمین کو جاتے ہوئے بائیں ہاتھ شہر سے ایک میل باہر ایک مقام ہے جہاں کہتے ہیں منصور بن حلاج کو انا الحق کہنے کیلئے ۳۰۹ھ (مطابق ۹۱۲ء) میں دار پر کھینچا گیا تھا۔ صوفیا کا خیال ہے کہ وہ نہایت خدا رسیدہ بزرگ تھے۔ اور حالت جذبہ میں یہ کلمہ کفر اُن کے مُنہ سے نکل گیا تھا

بغداد کے چار اولیاے محافظ | حضرت معروف کرخی کی نسبت قدیم اہل بغداد کا یہ خیال اوپر لکھا گیا ہے۔ کہ وہ اُنہیں بغداد کے چار محافظ اولیا میں سے سمجھتے تھے باقی تین امام احمد ابن حنبل۔ حضرت بشر حافی امام صاحب کے دوست جنہوں نے ۲۲۶ھ میں انتقال کیا۔ اور منصور ابن عمار محدث تھے۔ جنہوں نے ۲۲۵ھ میں رحلت کی یہ تینوں ایک ہی قبرستان میں باب حرب کے متصل دفن۔ مگر اُن کی قبروں کا کہیں نشان نہیں رہا۔

امام احمد حنبل | امام احمد حنبل جو فرقہ حنبلی کے بانی ہیں اُنکا صحیح نام احمد ابن

محمد ابن حنبل تھا۔ آپ بھی بغداد میں رہتے تھے اور خلیفہ متوکل باللہ کے عہد میں ۲۴۱ھ (مطابق ۸۵۵ء) میں آپ نے انتقال فرمایا۔ اور آپ بوجہ فاضل اجل اور عابد وزاہد ہونے کے نہایت عزیز خلائق تھے۔ اس زمانہ میں باب حرب کے قبرستان میں آپ دفن کیے گئے ۳۷۵ھ میں مقدسی نے اور ۴۶۳ھ میں خطیب نے لکھا ہے کہ آپ کی قبر مرجع خلائق ہے۔ اور اسکے پاس ہی دیگر اولیاء اللہ مثل بشر حافی اور منصور ابن عمار کی قبریں ہیں۔ گو بغداد کی تینوں بڑی طغیانیوں میں اسے نقصان پہنچا مگر یاقوت ۶۲۳ھ میں اور صاحب مراصد ۷۰۰ھ میں۔ اور ابن خلکان جسنے ۶۵۴ھ میں بغداد کو دیکھا۔ بیان کرتا ہے کہ امام احمد حنبل کی قبر باب حرب میں ہے۔ اور ابن بطوطہ جو ۷۲۷ھ میں بغداد میں آتا ہے بیان کرتا ہے کہ لوگ ابھی تک امام صاحب کی قبر کی بڑی تعظیم کرتے ہیں بلکہ وہ بیان کرتا ہے کہ امام صاحب کی قبر کا گنبد ایک خوق العادت طاقت سے جتنی دفعہ تعمیر کیا جاتا ہے گرجاتا ہے۔ کیونکہ خود امام صاحب کی خواہش نہ تھی کہ گنبد بنا کر لوگ بت پرستی کریں مگر افسوس ہے کہ اسوقت امام صاحب کی قبر کا بغداد میں کہیں نشان نہیں ہے۔ جب میں کاظمین سے اعظمیہ کو جاتے ہوئے دریا گذر رہا تھا تو میرے رفیق نے دریا کے منجھدھار میں پہنچکر کہا کہ اس موقعہ پر امام احمد حنبل کی قبر تھی جو دریائے دجلہ میں غرق ہوگئی۔ امام صاحب رحمۃ اللہ کے بیٹے عبداللہ ابن حنبل کی قبر بھی اپنے باپ کی قبر کے قریب تھی۔ اور اسکا بھی اب کوئی نشان نہیں۔

کاظمین شریفین | چونکہ بغداد کی زیارات میں کاظمین سب سے دور ہے اسلیے میں اسکا سب کے بعد ذکر کرتا ہوں ورنہ یوں تو مینے اسکی سب سے پہلے زیارت کی اور بلحاظ عمارت کی شان و شوکت کے بھی یہ سب سے پہلے دیکھنے کے لائق ہے۔ جو غربی بغداد سے

۶ میل کے فاصلہ پر ہے۔ کہ جہاں مدحت پاشا کے خستہ خانہ کے پاس سے گھوڑے کے ٹرلموے پر سوار ہو کر جاتے ہیں۔ جو ایک یہودی کمپنی ہے۔ ہر شخص کو ۲ ار کا ٹکٹ لینا پڑتا ہے۔ اور پون گھنٹہ میں پہنچتے ہیں۔ راستہ میں شیعوں کا قبرستان معظفہ اور باغات آتے ہیں۔ کاظمین ایک اچھا قصبہ معہ پر رونق بازار کے ہے۔ جو حضرت موسئے کاظم اور اُن کے پوتے امام تقی کی قبروں کے گرد پیدا ہو گیا ہے۔ اسی لئے اس مزار کا نام کاظمین ہے۔ کہ اس میں دو کاظم دفن ہیں (رضی اللہ تعالیٰ عنہما) یہاں کی تمام آبادی شیعہ ہے۔ اور تمام شیعہ دنیا کے لوگ یہاں آتے اور مقیم ہوتے ہیں۔

تاریخوں سے معلوم ہوتا ہے کہ خلیفہ منصور نے سب سے پہلے یہاں قبرستان بنایا تھا۔ جسکا نام اُسوقت مقابر باب التین تھا۔ لیکن حضرت امام موسے کاظم کے دفن ہونے کے بعد یہ کاظمین کے نام سے مشہور ہو گیا۔ انہیں کے قریب اس زمانہ میں زبیدہ بیوہ ہارون الرشید اور اُسکے بیٹے خلیفہ امین کی قبریں تھیں۔ اور پاس ہی معزالدولہ اور جلال الدولہ شاہان آل بویہ کی قبریں تھیں جنکا بترتیب ۳۵۶ھ و ۴۳۵ھ میں انتقال ہوا۔ امام موسئے کاظم امام حسین کے پوتے یعنی ساتویں شیعہ امام ہوئے ہیں۔ اور اُن کے پوتے امام محمد تقی نویں امام ہیں۔ امام موسے کاظم کو ہارون الرشید نے ۱۸۶ھ میں قتل کرا دیا تھا۔ اور امام محمد تقی ۲۱۹ھ میں خلافت معتصم باللہ کے دوران میں زہر سے مارے گئے۔

تعمیر کاظمین پر حوادث | یہ تو معلوم نہیں ہو سکا کہ سب سے پہلے کسنے درگاہ کاظمین کو تعمیر کیا مگر یاقوت بیان کرتا ہے کہ ۶۲۳ھ (۱۲۲۶ء) میں ایک جدا نواح ایک فصیل کے اندر یہاں پیدا ہو گیا تھا۔ جو بغداد سے اچھے گھوڑے کی دوڑ تھا۔ اور جسمیں خاصی آبادی تھی اسکے بعد حمد اللہ ایرانی اپنی تاریخ میں بیان کرتا ہے۔ کہ کاظمین ایک علیحدہ قصبہ

چھ ہزار قدم کے محیط کا پیدا ہو گیا ہے۔ کہ جسکے مرکز میں شیعہ اماموں کے مقابر ہیں ابتدائی صدیوں میں شیعوں اور سنیوں کے مابین اکثر جھگڑے رہتے تھے اور بغداد سے سنی آکر یہاں بھی لڑتے تھے۔ اور اگر شیعوں پر غالب آجاتے تو کاظمین کو لوٹ لیجاتے۔ لیکن دوسری طرف شیعہ دیلمان کے پادشاہ مثل خاندان آل بویہ کے اکثر بیش قیمت تحائف سے اس درگاہ کو مالامال کر دیتے تھے بلکہ بنی عباس میں سے بھی خلیفہ طائع نے کہ جسنے سنہ ۳۶۳ھ سے سنہ ۳۸۱ھ تک (مطابق سنہ ۹۷۴ء تا سنہ ۹۹۱ء) حکومت کی ہے کئی مرتبہ کاظمین کی عالیشان مسجد میں نماز جمعہ کی امامت خود کی ہے۔ سنہ ۴۴۳ھ میں غربی بغداد کے شیعہ اور سنیوں میں (بقول مورخ ابن اثیر) فساد ہو گیا۔ کیونکہ شیعہ ایک دروازہ پر حضرت علی کی تعریف میں ایک کتبہ لگانا چاہتے تھے۔ جسکو سنی ناپسند کرتے تھے۔ اس فساد میں سنیوں کا سرغنہ مارا گیا۔ دوسرے روز جب اُسکے دوست اُسے قبرستان شہداء میں دفن کرنے کیلئے جمع ہوئے تو اُسکی موت کا انتقام لینے کا ارادہ کیا گیا۔ اور اس نیت سے یہ لوگ مزار کاظمین کو توڑنے کیلئے گئے۔ ان متبرک قبروں سے سونے چاندی کے چراغ اور قیمتی پردے لوٹ کر دوسرے روز ان لوگوں نے انہیں آگ لگادی۔ چنانچہ دونوں اماموں کی قبروں کے اوپر جو لکڑی کے گنبد بنے ہوئے تھے جلکر راکھ ہو گئے۔ اور پاس کے کئی خلفا اور سلاطین کی قبریں بھی جل گئیں مگر معلوم ہوتا ہے کہ جلد ہی انہیں پھر تعمیر کر دیا گیا ہو گا۔ کیونکہ سنہ ۴۷۹ھ میں ملک شاہ سلجوقی نے جب ان کی زیارت کی ہے تو یہ اچھی حالت میں تھیں۔ اور سنہ ۵۸۰ھ میں پھر ابن جبیر نے اپنے حالات بغداد میں ان کا ذکر کیا ہے۔ سنہ ۶۲۲ھ میں خلیفہ ظاہر کے عہد میں آگ سے کاظمین کا گنبد جل گیا تھا۔ تو خلیفہ نے اُسکی تعمیر شروع ہی کی تھی کہ اُسکا انتقال ہو گیا۔ اور اُسکے خلف جانشین خلیفہ مستنصر نے اُس کی

تکمیل کی۔ پھر ہلاکو کے حملہ ۶۵۶ھ میں اس جہانسوز کے حکم سے کاظمین کو لوٹا
اور جلا دیا گیا۔ مگر پھر جلدی ہی تعمیر ہو گئی ہوگی کیونکہ ۷۰۰ھ ہجری میں صاحب
مراصد لکھتا ہے کہ مسجد ابھی تک دریائے دجلہ کے کنارہ پر کھڑی ہے۔ گو دریا
کی طغیانی کا صدمہ اُٹھانے سے بہت خراب حالت میں ہے۔
گنبد ملا مگر معلوم نہیں کہ ان زمانوں میں کاظمین کی عمارت اور گنبد کیسی ہوتے
ہونگے۔ لیکن اس وقت تو عالیشان گنبد اور چاروں مینار خالص سونے کے
پتروں میں لپٹے ہوئے ہیں۔ خدام نے مجھے یقین دلایا کہ ان پر سونے کا
پانی ہی نہیں پھرا ہوا ہے بلکہ سونے کے پترں سے منڈھے ہوئے ہیں عمارت
کی اندرونی شان و شوکت بیان کرنا بھی بہت سہل نہیں۔ عمارت کا نچلا حصہ
کمر تک سنگ مرمر کا ہے۔ دوسرا حصہ کاشی کی گلکاری کا۔ اور تیسرا حصہ سقف
سے اوپر بلور اور چونہ سے جوڑا ہوا۔ اسطرح مقبرہ کے اندر جاکر دیکھنے سے شیشوں
کی چمک دمک کا عجب اثر پہلی دفعہ داخل ہونے والے زائرین پر پڑتا ہے۔ عمارت کے
دروازوں کے تختے چاندی کے ہیں جو سونے کے پتروں کے منڈھے ہوئے ہیں
اندر دونوں اماموں کی قبریں پاس پاس جہاں ہر وقت معتقدین زن و مرد تعویذوں
کے چاندی کے پنجروں کو تھامے ہوئے عجز و نیاز سے دعائیں مانگنے اور درود
پڑھنے میں مصروف پائے جاتے ہیں میںنے خدام سے پوچھا کہ کس بادشاہ نے
اسقدر بے شمار خزانہ اس عالیشان مقبرہ کی تعمیر میں صرف کیا ہے تو انہوں نے
سونے کے پتروں پر کھدی ہوئی تاریخوں کی طرف اشارہ کیا جن سے معلوم ہوتا
ہے کہ اصل تعمیر شاہ اسمعیل صفوی نے کی ہے۔ کیونکہ وہاں ثبت ہے "۹۲۶ھ بنا
ختم شد از شاہ اسمعیل صفوی" اور اسکے بعد محمد شاہ پدر ناصر الدین شاہ قاچار
نے ۱۲۵۵ھ میں اسپر بہت سی زر و جواہر صرف کئے ہیں اور حالت موجودہ

میں لایا گیا ہے۔

دو امام زادوں کی قبریں درگاہ کی شمال کی جانب ایک نہایت عالیشان مسجد سنگ سفید اور رخام کی بنی ہوئی ہے۔ اور جنوب کی طرف ایک گوشہ میں سید ابراہیم اور سید اسمٰعیل فرزندان امام موسے کاظم کی قبریں ایک چھوٹے مکان میں نہایت سادہ حالت میں بلا آرائش پڑی ہیں۔ میرے ساتھی نے بتایا کہ چونکہ یہ دونوں امام زادے امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے شاگرد تھے اسلیے حضرات تشیع انہیں کسی عزت کے لایق نہیں سمجھتے۔ ممکن ہے اس کی کوئی اور وجہ ہو۔ مگر مینے انہیں اسی حالت میں دیکھا ہے۔ یہاں زائرین کا خدام مانگتے مانگتے ناک میں دم کر دیتے ہیں۔ اور جماعت کی کثرت کی وجہ سے شاید امرا ہی ان سب کو خوش کر سکتے ہونگے۔

امام ابو یوسف احاطہ مقابر کاظمیں سے باہر ایک پھاٹک سے نکل کر جائیں تو امام قاضی ابو یوسف کی قبر اور مسجد کاظمین سے دیوار بدیوار واقع ہے۔ قاضی ابو یوسف حضرت امام اعظم کے شاگرد رشید تھے۔ اور اُنکے دوسرے شاگرد امام محمد تھے چنانچہ ان دونوں کو صاحبین کے نام سے یاد کیا جاتا ہے اور فقہ حنفی میں انکا نہایت اعلیٰ پایہ ہے۔ افسوس کہ جسوقت مینے دیکھا امام صاحب کی قبر کی مسجد کی بنیادیں کھدی ہوئی تھیں۔ کیونکہ یہ از سر نو تیار ہونیوالی تھی۔

دیگر قبور و مقابر جسقدر بزرگوں کے مقابر کی مینے زیارت کی اور وہاں فاتحہ پڑھی ہے۔ مینے اُن سب کے حالات کم و بیش جو دیکھے یا جو تاریخ میں ملے لکھدیئے ہیں۔ بحالیکہ تاریخوں سے معلوم ہوتا ہے کہ بغداد میں اور بہت سے اولیاء اللہ اور اکابر دین مدفون ہیں۔ مگر افسوس ہے کہ دستبرد حوادث نے ان کی قبروں کا نشان باقی نہیں رہنے دیا۔ اللہ اکبر وہ کیسا عظیم الشان اسلامی مرکز ہوگا کہ

جسکی خاک پاک میں ابتک بھی اتنے عظیم الشان بزرگوں کے دنیاوی آرامگاہوں کے نشان ملتے ہیں۔ جو تاریخ اسلام میں آفتاب و ماہتاب بن کر چمک چکے ہیں اور ترقی اسلام کے لئے آبحیات کا کام دے چکے ہیں۔

بغداد کے مقابر دجلہ کے مشرق میں

شیخ عمر شہاب الدین سہروردی یہ عالیشان درگاہ شہر کے جانب شمال کہ جہاں سے باکو بدکو رستہ جاتا ہے۔ اور کرایہ کے موٹر چلتے تھے۔ قدیم شہر پناہ اور باب المعظم کے قریب واقع ہے۔ اسکا رنگین چمکدار ٹائیل کا شاندار مینار مسجد دور سے نظر آتا ہے۔ افسوس ہے کہ بوجہ سال گذشتہ کی طغیانی کے مقبرہ اور مسجد بند تھے اسلئے میں اندر نہیں جا سکا۔ یہاں ہی ہندوستانی فوج کا پہرہ کھڑا تھا مینار کا نچلا حصہ صرف اینٹوں کا ہوتا ہے۔ مگر دوسرا حصہ ہفت رنگ چینی کے کام کا۔ اور تیسرا اذان کے لئے چاروں طرف پنجرے سے لگے ہوئے ہوتے ہیں تاکہ موذن کی حفاظت رہے۔ چوتھا ایک منزل کے قریب بلند اسی ہفت رنگ مینا کاری کا۔ اور سب سے اوپر سبز رنگ کا بند ہوا ہوا پھول بنا ہوتا ہے۔ حضرت شیخ شہاب الدین سہروردی سلسلہ سہروردیہ کے بانی گذرے ہیں۔ اور شیخ سعدی علیہ الرحمۃ کے پیر و مرشد تھے۔ خود شیخ سعدی نے اپنے اس تعلق کا یوں ذکر کیا ہے ؎

مرا شیخ دانائے مرشد شہاب | دو اندرز فرمود بر روی آب
یکے آنکہ بر خویش خودبیں مباش | دگر آنکہ بر غیر بدبیں مباش

درگاہ کے دروازہ پر ایک خوشخط کتبہ ہے سے معلوم ہوتا ہے کہ سلطان عبد الحمید نے اُسکی بھی عمدہ مرمت کرائی تھی۔

مزار شارح قدوری | شہر کے اندر شیخ محمد احسان شارح قدوری کی قبر ہے جو فقہ کی ایک مشہور کتاب ہے۔ قبر کے پاس مسجد اور تکیہ خالدیہ نقشبندیہ ہیں۔ سید احمد صاحب ہندوستانی اسوقت تکیہ کے مہتمم ہیں۔ مسجد میں بیر کا ایک نہایت قدیم درخت ہے جواب خشک ہے۔ مگر لوگ اُسکی چھال ابتک مریضان تپ کو دیتے ہیں۔

مزار مصنف قدوری | شیخ محمد القدوری مصنف قدوری کی جامع قیلانیہ میں ہے۔ ان کی کتاب قدوری آجتک ہندوستان میں داخل درس ہے اور پنجاب میں ایک مثل ہے کہ "جو کنز اور قدوری اور قافیہ پڑھ لے وہ ملا ہو جاتا ہے۔

مزار شیخ سراج الدین | شیخ عبد القادر جیلانی کے پہلے شیخ آپ ہی تھے۔ مسجد کے احاطہ میں آپ کا مزار ہے مسجد مع مینار بڑی عالیشان ہے۔ اسکے متعلق ایک مدرسہ بھی ہے جس میں مدرس خطیب مقرر ہیں۔ وقف بہت بھاری ہے۔ مسجد کے سامنے بازار صدریہ ہے۔

مزار شیخ عمر صدر الدین غنجی | بازار صدریہ آپ ہی کے نام پر مشہور ہے۔ افسوس ہے کہ آپ کی مسجد اسوقت بالکل شہید ہو چکی ہے۔ اور مزار نہایت افسوسناک حالت میں ہے۔ گو وقف بہت کافی موجود ہے۔ مسجد کے اندر غلاظت کا ڈھیر دیکھکر تعجب ہوا۔ معلوم ہوا کہ اس مسجد کی تعمیر کیلئے ایک سو پونڈ اوقاف سنویہ سے اور چھ سو پونڈ گورنمنٹ سے مانگنے کی رپورٹ کیگئی تھی کہ بوجہ جنگ تعمیل ملتوی رہی جو لوگ ایک مسجد کے سقاوہ گرنے پر اتنا شور ہندوستان میں مچاتے ہیں کاش وہ اس مسجد کی حالت دیکھ سکتے۔

مزار شیخ محمد الغنی | ایک چھوٹی سی مسجد اور چھوٹا سا مدرسہ ایک مزار کے ساتھ ہے۔ یہ وہی

بزرگ تھے جو پہلے چور تھے اور شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کی توجہ اور دعا سے قطب کے درجہ تک پہنچ گئے۔ اِس مسجد کا امام چھوٹے بچوں کو قرآن اور لکھنا پڑھنا سکھلا رہا تھا۔

مزار سیّد علی بندنجی | سیّد علی بندنجی المعروف سیّد علی بندلاوی مسجد کے ساتھ اُنکا مزار شہر سے باہر قبرستان غزالی کے قریب ہے۔ مسجد کا گنبد گھڑے ہوئے پتھر کے ٹکڑوں کا اچھا معلوم ہوتا ہے۔ مسجد کے احاطہ میں چھوٹا سا نخلستان (کھجوروں کا باغ) ہے مسجد کے ساتھ وقف اچھا ہے۔ امام وخطیب تنخواہ پاتے ہیں۔ مگر سال میں ایک دو بار آجاتے ہیں۔

مزار احمد غزالیؒ | طلسم دقیانوسی کے قریب قبرستان المعروف بغزالی کے اندر یہ چھوٹا سا مزار امام احمدؒ غزالی کا ہے جو اسوقت معہ اپنی متعلقہ مسجد کے پچھلی طغیانی سے بالکل منہدم۔ اور صرف ملبہ کے ڈھیر پڑے ہیں۔ پانچ سات درخت خرما کی ایک چھوٹی سی کھونیاں کے پاس لگے ہیں۔ مجھے بتلایا گیا کہ یہ امام غزالی کا مزار ہے۔ جسکی حالت دیکھکر جسکی حالت دیکھ کر مجھے سخت رقت پیدا ہوئی بعد میں معلوم ہوا کہ یہ مزار امام احمدؒ غزالی کا ہے۔ جو امام محمد غزالی مشہور فلاسوفر کے چھوٹے بھائی تھے۔ امام محمدؒ غزالی طوس میں دفن ہیں۔

شیخ شبلی رحمۃ اللہ | حضرت امام اعظمؒ کے مقبرہ کے قریب ایک قبہ ہے کہ جسکے متصل ایک چھوٹی سی مسجد بھی ہے یہیں شیخ شبلی کا مزار ہے۔ یہ حضرت جنید بغدادیؒ کے خلیفہ خاص اور اپنے پیر کے لئے مایۂ ناز تھے۔ شبلی منصور حلاج کے ہمعصر تھے شیخ کا سنہ ۳۳۴ھ (مطابق سنہ ۹۴۶ء) میں انتقال ہوا۔

مرقد امام الطاہر | امام سید محمد طاہر ابن امام علی (زین العابدینؒ) ابن الحسینؓ ابن علیؓ ابی طالب ایک گلی میں سر راہ واقع ہے۔ دروازہ پر جو گلی میں ہے ٹائیل کا بہت عمدہ

کا کام ہوا ہوا ہے۔ اس کوچہ کا نام ہی کوچہ امام طاہر ہے اور شیعوں کا زیارت گاہ ہے۔ اس سے قریب ہی شہر میں۔

قنبر علی | حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے غلام قنبر کا مزار محلہ قنبر علی میں ہے چھوٹا روضہ ہے۔ اسی میں مسجد کا محراب بھی ہے۔ مجاور نے ایک سیاہ پتھر کا گوسپند دکھلایا۔ مجاور ساتھ ایک چھوٹا سا لڑکوں اور لڑکیوں کا مدرسہ بھی پڑھا رہا تھا۔

مزار امام محمد فاضل | یہ مزار جامع الفضل کے اندر واقع ہے۔ امام محمد فاضل ابن سید اسمٰعیل ابن امام جعفر صادق ہیں۔ ہندوستان کے اسمٰعیلی سمجھتے ہیں کہ یہی امام حاضر ہیں۔ متولی مسجد شیخ محمد سعید صاحب مدرس اعظمیہ نے بتلایا کہ امام منتظر کے بارہ میں شیعوں کے جدا جدا تین فرقے ہیں۔ (۱) ایکسانیہ (۲) الاصولیہ اور (۳) اسمٰعیلیہ۔ فرقہ اسمٰعیلیہ کا اعتقاد ہے کہ یہی امام محمد فضل جو اس مسجد میں فوت ہیں امام حاضر ہیں۔ امام محمد المہدی ابن حسن عسکری کے معتقد ہیں۔ اور کیسانیہ محمد ابن حنفیہ کے۔

مساجد و جوامع

بیں اوقاف کے بیان میں پیشتر لکھ چکا ہوں کہ پانچ سو مساجد اور پچاس جوامع اِسوقت بغداد میں موجود ہیں اُن میں سے چند ایک جو مینے دیکھی ہیں اور جنکا ذکر اُن کے مقابر کے ساتھ نہیں ہو سکتا جیسے کہ جامع حضرت شیخ ۔ جامع معظم ۔ وجامع سہروردیہ وغیرہ اُن کا مختصر ذکر یہاں کرتا ہوں ۔

جامع مرجان یہ مسجد جامع مستنصر حال کے چونگی خانہ سے بہت دور نہیں اسکی عمارت نئے نمونہ کی ہے تاہم اس میں کئی ایسے آثار ہیں جو اُسکی قدامت کی تصدیق کرتے ہیں ۔ مسجد آٹھویں صدی ہجری میں تعمیر ہوئی تھی ۔ اسکا وقف بقول صاحب مدیر اوقاف بہت بڑا ہے ۔

جامع خاصکی اس جامع کی نسبت بعض کا خیال ہے کہ یہ پہلے عیسائیوں کا گرجا تھا اور اسکے ثبوت میں کہا جاتا ہے کہ محراب دوسری مساجد کی طرح سادہ نہیں بلکہ عیسائی گرجوں کی طرح ہے اور اس میں روغن نمونہ کا کچھ کام تھی ۔ مگر چونکہ بغداد کی بنیاد ہی مسلمانوں نے رکھی ہے یہ بات قرین قیاس نہیں معلوم ہوتی ۔ اور خلفائے عباسی نے بیشک عیسائی رعایا کو آباد کیا تھا مگر وہ اس سے بہت بے تعصبی سے پیش آتے تھے ۔ مسجد کے سنگ تعمیر سے معلوم ہوتا ہے کہ ۱۲۸۲ھ میں تعمیر ہوئی ہے ۔

جامع الخلفا خلیفہ مستنصر باللہ بانی مدرسہ مستنصریہ نے اس عالیشان مسجد کو تعمیر کیا تھا ۔ جیساکہ مینے کسی اور جگہ ذکر کیا ہے ۔ کہ یہ بغداد کے دو قدیم ترین آثار میں سے ایک ہے ۔ مگر اصل مسجد کا تو کوئی حصہ باقی نہیں رہا ۔ البتہ اُسکا عظیم الشان مینار

باقی ہے جسکے اندر اُترنے اور چڑھنے کیلئے دو جُدا جُدا سیڑھیاں بنائی گئی ہیں۔ مسجد کی جگہ تو اب پانچ چھ محلے آباد ہیں۔ اور اب یہ جگہ سوق الغزال کہلاتی ہے۔ البتہ اُسکے ایک کونہ میں ایک چھوٹی سی مسجد ہے۔ جو پہلی مسجد کی قائم مقام سمجھنی چاہیئے ہلاکو کی تباہی میں یہ بھی تلف ہوئی تھی۔

جامع قیلانیہ اس مسجد میں جو راس الجسر میں سر بازار واقع ہے۔ شیخ محمد الوتری اور شیخ محمد القدوسی کے مزار ہیں دوران جنگ میں خوفناک آندھی سے اسی کا ایک خوبصورت مینار گر گیا تھا۔ یہ مسجد بڑی عالیشان ہے اسکے محراب کی دونوں طرف نہایت شاندار کاشی ورک سے دو ستونوں پر سورۂ فاتحہ اور سورۂ الناس لکھی ہوئی ہیں۔ گو مسجد کے ساتھ اوقاف بہت ہیں مگر مسجد شکستہ حالت میں پائی گئی اس مسجد کے پاس ہی وہ بازار ہے کہ جسے ترکوں کے بغداد خالی کرنے کے بعد بدمعاشوں نے لوٹ کر آگ لگا دی تھی۔ مگر اب مرمت ہو کر بازار نہایت پُر رونق حالت میں ہے۔

جامع الفضل اس مسجد میں امام محمد فاضل ابن سید اسمٰعیل کا مرقد ہے (امام صاحب کے مزار کا ذکر مرقدوں کے ماتحت ہوگا۔) مسجد بڑی عالیشان ہے اسکے ساتھ مدرسہ و تکیہ طریقہ نقشبندیہ جاری ہے۔ اور وقف اٹھارہ سو پونڈ سالانہ آمدنی کا ہے۔ بغداد کی بعض دیگر مساجد کی طرح اس مسجد کا بھی موسم گرما میں بیرونی صحن استعمال کیا جاتا ہے۔ اور موسم سرما کیلئے چھت کے نیچے اسطرح پوری دو مسجدوں کے برابر گنجائش اور آسائش مہیا ہے۔

مسجد اقبال السرائے یہ بڑی مسجد بھی نہایت خوبصورت ہے۔ اور والی بغداد کے محل کے سامنے واقع ہونیکی وجہ سے اس نام سے موسوم ہے۔ کیونکہ ترکی میں سرائے سلطان یا گورنر کے محل کو کہتے ہیں۔ پچھلے دنوں بازاروں کی توسیع کی جوش

ہیں اس مسجد کا کچھ حصہ بھی سڑک کیلئے کٹ گیا ہے۔ مگر معلوم ہوا کہ مسجد کے مدرسہ وغیرہ کا مکان ہی کٹا ہے۔ یہ مسجد اپنی خوبصورت عمارت کیلئے مشہور ہے۔

جامع راس الجسر۔ جو پہلا پل شرقی اور غربی بغداد کو متصل کرتا ہے۔ شرقی یعنی اصل شہر بغداد میں پل کے سرے پر یہ خوبصورت اور عالیشان مسجد واقع ہے۔ دوران جنگ میں ایک خوفناک آندھی سے اس مسجد کے دو عالیشان مینار نصف سے کٹ کر گر پڑے اور چونکہ اس مسجد کے متصلہ بازار میں انقلاب بغداد کے وقت آگ لگا دی گئی تھی۔ اسلئے اسکے ایک کونے کو بھی قدرے نقصان پہنچا۔ گو اصل مسجد ہر طرح محفوظ رہی۔ داؤد پاشا ایک سابق گورنر بغداد نے ایک سے زیادہ جوامع تعمیر کرائی تھیں۔ کہ جن میں سے ایک یہ بھی ہے۔ اور اُن کے ساتھ بڑے بھاری اوقاف مقرر کئے گئے تھے۔ جیسا کہ صاحب مہتمم اوقاف نے بتلایا ۱۲۴۲ھ تاریخ بنا ہے۔ مسجد کے ساتھ ایک مدرسہ بھی جاری ہے۔

اس جامع کا عملہ۔ میں اسلئے اس جامع کے عملہ کی تفصیل درج کر دیتا ہوں تاکہ اندازہ ہوسکے صاحبان وقف کی نیت کس قسم کے کار خیر سے تھے۔ اور کئی مساجد میں کس قسم کے خرچ عملہ پر ہو رہے ہیں۔ اس جامع شریف میں تین امام دو مدرس تین خدام تین خطیب۔ دو قرائے جمعہ۔ اور ایک قندیلچی ہیں۔ اور ان لوگوں کی تنخواہوں کی مقدار حسب ذیل قرشوں میں ہے۔ فی قرش ہندوستان کے ۲ کے برابر ہے۔ فی امام تین سو قرش ماہوار (یعنی ستر روپیہ) فی مدرس اڑھائی سو قرش ماہوار۔ فی خادم ۱۰۰ قرش۔ قندیلچی ۵۰ قرش۔ اور کناس یعنی خاکروب ۵۰ قرش۔ واضح رہے کہ خاکروب بغداد میں ترکیفی کہلاتے ہیں۔ جو اس ملک کے قدیم عیسائی ہیں۔ ایک شخص یوسف شمعون ترکیفی نے اس مسجد کی صفائی اور کئی دوسری مساجد کی صفائی کا ٹھیکہ لے رکھا ہے۔ یہاں عیسائیوں اور یہودیوں

کے نام مثل مثل عبدالکریم یوسف وغیرہ کے ہوتے ہیں کہ ہم لوگوں کے لئے نام سے مسلمان یا عیسائی یا یہودی کا تمیز کر سکنا مشکل ہو۔

جامع الوزیر یہ مسجد بھی جو دجلہ کے پل کے قریب ہی وقع ہے بہت خوبصورت اور عالیشان عمارت ہے۔ ایک گنبد نہایت خوشنما اور ایک شاندار بلند مینار تمام چمکدار ٹائیٹل کا ہے۔ اسے جامع عتیق حسن پاشا بھی کہتے ہیں حسن پاشا ابن وزیر اعظم محمد پاشا مرحوم نے ۱۰۳۸ ہجری میں تعمیر کیا تھا مسجد کے باہر لکڑی کے چھت کا برامدہ ہے۔ اور مسجد کے برامدہ اور صحن میں سب لوگ بوٹوں اور جوتوں سمیت چلے جاتے ہیں۔

مسجدوں کے اندر جوتے لیجانا ایک ہندوستانی مسلمان کو یہ بات عجب معلوم ہوگی کہ بغداد کی مساجد میں مسلمان جوتے اور بوٹ پہنکر اندر چلے جاتے ہیں۔ البتہ مسجد کے فرش پر یعنی چٹائی یا قالین پر جوتہ لے کر نہیں جاتے۔ لیکن اگر مسجد کے محراب تک فرش نہ ہو تو وہاں تک جوتا پہنے ہوئے چلے جانے کا رواج ہے۔ میں خود کئی مساجد میں۔ اوروں کے ہمراہ اسیطرح گیا ہوں۔

مسجدوں میں ڈھیلے نہیں ہوتے ہندوستان کے خلاف یہاں ایک اور بات بھی مساجد میں نرالی معلوم ہوتی ہے۔ کہ کسی مسجد میں استنجے کے ڈھیلے نہیں پائے جاتے سوائے مسجد سید ناشیخ کے کہ جہاں ہندوستانی بہت جمع رہتے ہیں۔

قبلہ جنوب رویہ وغیرہ بغداد میں قبلہ جنوب رویہ وقع ہے۔ اور یہ بات بھی ہندوستان سے جانے والوں کو نرالی معلوم ہوتی ہے۔ ایک اور نرالی بات یہ معلوم ہوئی کہ بغداد میں مساجد میں رمضان شریف میں یا کسی اور موقعہ پر قرآن مجید سنانے کا رواج نہیں

جامع اوزبک یہ مسجد باب معظم سے داخل ہوتے ہی وقع ہے جو تاتاری اوزبک لوگوں کی ہے۔ ساتھ تکیہ بخاری بھی ہے۔ مسجد بہت خوبصورت مع مینار

شاندار ہے اور وقف معقول ہے۔

دیگر مساجد | شہر میں اور بہت سی مساجد ہیں مگر ان کی عمارت چنداں قابل ذکر نہیں۔ عموماً بغداد کی بڑی مساجد یعنے جوامع کے گنبدوں اور میناروں پر شوخ رنگ کا چمکدار ٹائیل کا کام ہے کہ جسے کاسی ورک کہتے ہیں ایک مسجد میں کوفی خط میں سنہ تعمیر ۹۴۸ھ نصب ہے۔ کہ جہاں یکتائش درویشوں کا تکیہ ہے۔

رہنمائی | اس موقعہ پر اگر میں مولوی مبشر الدین صاحب بنگالی کا شکریہ ادا نہ کروں تو بڑی ناشکری ہوگی جو میرے ہمراہ بغداد کی اکثر مساجد اور قریباً تمام مقابر اور درگاہوں میں پھرتے رہے۔ اور ان کے ساتھ ہی بعض اوقات عبدالرحمن صاحب ہندی بھی رہے جو قسطنطنیہ وغیرہ سے پھر کر یہاں مقیم ہیں۔ مولوی مبشر الدین صاحب کئی سال سے بغداد میں درگاہ سیدنا شیخ میں مقیم ہیں۔ اور بہت معقول اور واقف کار آدمی ہیں۔ اور انہوں نے یہاں کی زیارات کی ایک بہت عمدہ فہرست مرتب کر رکھی ہے۔

نذرانے | اکثر مقابر اور بعض مساجد میں خدام کو حسب حیثیت پیسے اور بعض جگہ روپے بھی دیئے۔ ممکن ہے کہ بعض جگہوں میں اگر یہ نذرانے نہ دیئے جاتے تو گذارہ ہو جاتا مگر بعض دیگر مقامات پر زائرین کو دق کر کے بھی یہ ہدایا لئے جاتے ہیں۔

اوقاف بغداد کا انتظام

بغداد میں جسقدر بڑی بڑی خانقاہیں اور مقبرے اور مساجد اور تکیے ہیں ان سب کے وقف موجود ہیں جو مختلف زمانوں میں ان کے بانیوں یا مختلف سلاطین یا امرا یا دیگر معتقدین نے ان کے ساتھ ان کے اخراجات کے چلانے کیلئے لگا دیئے ہیں اوقاف عموماً زرعی اراضی یا باغات یا دیہات یا مکانات اور دکانیں ہوتی ہیں۔ اسلئے بعض اوقاف آفات ارضی و سماوی اور طغیانی یا آتش زدگی سے ان اوقاف کی آمدنی کو نقصان بھی پہنچ جاتا ہے۔ اور اگر منتظم لایق ہوں یا شہر کی رونق اس طرف زیادہ ہوجائے تو کرایہ یا مالیہ کی آمدنی بڑھ بھی جاتی ہے۔ مگر چونکہ عموماً منتظم اوقاف کی نگرانی میں خیانت کرتے ہیں اسلئے اکثر مساجد وغیرہ خراب اور خستہ حالت میں ہیں مثلاً شیخ محمد صدرالدین غنیجی کہ جنکے نام سے بازار صدریہ مشہور رہے۔ اُن کی مسجد بالکل منہدم ہوگئی ہے۔ اسکے ساتھ بہت بڑا وقف بھی ہے۔ مگر میرے اطلاع دینے والے نے کہا کہ رشوت کھاکر ترکی حکّام اغماض کرتے رہے ہیں۔ اسوقت مسجد کے ملبہ میں بہت بڑا غلاظت کا ڈھیر پڑا ہے۔ سید علی بندہ نجی کی مسجد میں صرف ایک موذن نماز شام کے وقت تھا یہ ذرا شہر کے باہر کی طرف ہے۔ جب مسجد کی خستگی کا ذکر آیا تو اُسنے کہا کہ مفتّش اوقاف آتا ہے۔ اُسکی جیب میں کچھ رکھدیا تو خاموش چلا جاتا ہے۔ خواہ مسجد یا مقبرہ کیسا ہی ذلیل کیوں نہ ہو۔ اور جس روز ان اوقاف کی پوری اصلاح ہوگی مساجد اور مقابر کی حالت بہت بہتر ہو جائیگی۔

مدیر وقف سے ملاقات | سعید آفندی الزہاوی جو پہلے مفتی بغداد تھے ایک پیر مرد

سفید ریش خاندانی عالم ہیں۔ حال ہی علمائے بغداد نے انہیں مدیریت وقف پر منتخب کیا ہے۔ یہ بہت اچھا طریقہ ہے کہ علما ایسے ذمہ داری کے عہدہ کیلئے اپنے میں سے ایک معتمد علیہ کو انتخاب کریں۔ غالباً یہ حکام انگریزی کے ایما سے ہوا ہے۔ میں نے سعید آفندی صاحب سے حالات وقف دریافت کرنے کے لئے ملاقات کی اور بعض مقابر اور مساجد کی افسوسناک حالت کا ذکر کیا۔ اور پوچھا کہ کیا یہ سچ ہے۔ کہ عراق کا بڑا حصہ اوقاف کے حوالہ ہو۔ اُنہوں نے بتایا کہ میرے سپرد تو یہ کام اب ہوا ہے امید ہے کہ اس میں اصلاح ہو جائیگی۔ کہا کہ دریا کی دونوں طرف پانچ سو کل مساجد اور پچاس جوامع ہیں کہ جن میں نماز جمعہ ادا کیجاتی ہے۔ اور ان کل مساجد کے ساتھ وقف ہیں۔ اسوقت صرف تیس ہزار پونڈ سالانہ کل واردات وقف ہے۔ لیکن اگر عمدہ انتظام اوقاف ہو جائے نوسو ہزار (یعنی لاکھ) پونڈ وقف کی آمدنی ہو جائے۔ سب سے زیادہ آمدنی جامع داؤد پاشا کی ہے کہ جنکے وقف بہت قیمتی ہیں۔ یعنی آصفیہ اور حیدر پاشا و عزت اور درگاہ شیخ عبدالقادر کا وقف اس سے زیادہ ہے جو سات ہزار پونڈ ہوگا جو اس حساب بالا میں داخل نہیں۔ اور جامع مرجان کے اوقاف بھی بہت ہیں امام اعظم کا سب سے بڑا وقف منصوریہ الجبل ایک قریہ اور بساتین (باغ) اور بہت سے کھیت ہیں۔ امسال چونکہ بارش نہیں ہوئی اسلئے اوقاف کی آمدنی کم ہوگی بعض باغات دریا کی وجہ سے خراب ہو گئے ہیں۔ اور آمدنی کم ہو گئی ہے۔ یہ بھی بتلایا کہ بعض وقف اس محکمہ کے ہاتھ میں ہیں۔ اگر ان مختلف متولیوں کا معاملہ تصفیہ کیلئے قاضی کے سپرد ہو جائے کہ جسکی اجازت شریعت میں ہے تو سب ٹھیک ہو جائیگا۔ اور متولی کوئی خورد برد نہیں کر سکینگے۔ کہا ساٹھ سال سے میرے خاندان میں مفتی کا عہدہ چلا آتا ہے۔ اور اب چھبیس سال سے میں خود

مفتی بغداد تھا۔ مگر حریت کے زمانہ میں پنشن لے لی ہے مگر اب انتخاب علماء سے مدرس وقف بنا دیا گیا ہوں۔

شیخ محمد سعید کا اندازہ وقف شیخ صاحب بڑے تجربہ کے بزرگ اور عالم ہیں۔ کہا کہ سلطان عبدالحمید نے اعظمیہ کے سو طالب علموں میں سے ہر ایک کیلئے میری کوشش سے ۲ مجیدی فی کس کا وظیفہ مقرر کیا تھا۔ اس سے پہلے صرف بیس طالب علموں میں سے ہر ایک کو تین روٹیاں ملتی تھیں۔ بحالیکہ امام اعظم کا وقف پندرہ بیس ہزار پونڈ سالانہ ہوگا۔ لیکن اب بعض خسارات کی وجہ سے نو دس ہزار پونڈ کا باقی رہ گیا ہوگا۔ سوائے سیدنا شیخ (عبدالقادر جیلانی) کے کل اوقاف بغداد پچاس ہزار پونڈ سالانہ ہوں گے مگر سیدنا شیخ کا اسوقت پندرہ ہزار پونڈ سالانہ آمدنی کا ہے جو اس سے بیشتر سید سلیمان نقیب کے زمانہ میں ۲۵ ہزار پونڈ سالانہ تھا۔ کہا کہ ترکوں نے باوجود جنگ کی ضروریات کے اوقاف کو جاری رکھا ہے۔

ناظم پاشا کے کارنامے میں نے کہیں لکھا ہے کہ ایک عمدہ گورنری کتنا عمدہ کام کر سکتا ہے اگر وہ کرنا چاہے۔ اور مدحت پاشا نے اپنے عہد گورنری بغداد میں اور ناظم پاشا نے اپنے عہد میں ایسے قابل تعریف کام کئے ہیں کہ اب تک لوگوں نے انہیں فراموش نہیں کیا۔ اور ان کے کام خود منہ سے بول رہے ہیں۔ وہ نہ بیسوں ترک گورنر بغداد میں آئے اور چلے گئے۔ میں معظم سے ایک مُٹّم میں بیٹھکر بغداد کو آرہا تھا کہ راستہ میں سڑک خراب ہونے کی وجہ سے خوب دھکے لگتے تھے۔ بینے کہا سڑک نہایت خراب ہے۔ جو ہندوستان کے ایک تھرڈ کلاس میونسپلٹی کیلئے بھی موجب شرمساری ہوگی۔ اسپر میرے رفیق نے کہا کہ یہ بھی یہاں نہ ہوتی اگر مرحوم ناظم پاشا بغداد میں آٹھ ماہ اور اٹھارہ روز گورنری نہ کر جاتے۔ انہوں نے بتایا کہ مرحوم نے عرب عشیرتوں کے شیوخ سے کہہ سن کر اُنسے آدمی منگوالئے اور اُنکے بلا کسی

معاوضہ کے یہ پچی سڑک بھی بغداد اور معظم کے مابین بنوائی - اور شیوخ کو ہی کہہ سنکر ان مزدوروں کیلئے کھانا بھی حاصل کیا - گویا مالی کمزوری کی یہ حالت تھی کہ ایک گورنر دو میل سڑک بنوانے کا کسی اور طرح انتظام نہیں کر سکتا تھا - سیدنا شیخ کا مزار گو شہر کے ایک گوشہ ہی میں ہے - لیکن مزار کی طرف جانے والی سڑک کی بہت عمدہ حالت ہے - اور اسپر تیز بچھا کر اسے ایسا عمدہ بنا دیا گیا ہے - کہ گویا لنڈن یا پیرس کی ایک سڑک ہے - اور شہر میں اور کہیں بھی ایسی سڑک نہیں ہے - دریافت کرنے پر معلوم ہوا کہ یہ بھی ناظم پاشا کا ہی کام ہے -

فوج کی وردیوں کیلئے روپیہ | ایک دفعہ ناظم پاشا نے دیکھا کہ فوج کی وردیاں پھٹی پورانی ہیں - اور اُن کے لئے سرکاری خزانہ میں کہیں گنجایش نہیں ہے - تو پہلی تدبیر تو یہ کی کہ اپنا ایک فوٹوگراف کھنچوا کر کہا کہ جو جو امرا اور اہلکار میرا دستخطی فوٹو لینا چاہیں میں فلاں رقم کو دونگا آخر والی (گورنر) کا دستخطی فوٹو تھا - بہت لوگوں نے خرید لیا - اور اُس روپیہ کی فوج کی وردیاں بنائی گئیں - مگر روپیہ کافی نہیں تھا - اسلئے ایک رات کو یکایک ناظم پاشا نے الارم دیدیا - اور فوج قائم ہو گئی - پاشا نے حکم دیا کہ میں چاہتا ہوں کہ فوج آج شہر بغداد کو اُڑا دے - فوج نے تعمیل حکم پر آمادگی ظاہر کی - تو اُسوقت ناظم پاشا نے فوج کی اس مستعدی اور تابعداری سے خوش ہو کر تین ماہ کی تنخواہ انعام دیدی - اور وہ بھی فوجی وردیاں بنانے میں صرف ہوگئی -

مضمون خواب | ایک دفعہ اوقاف کی خورد برد کی ایک شکایت ناظم پاشا تک پہنچی تو بغداد کے ایک اخبار نویس کو بلا کر سمجھا دیا کہ تم اخبار میں ایک خواب کا مضمون چھاپ دو جس میں لکھدو کہ فلاں فلاں مقبرہ کے بزرگ مجھے خواب میں ملے اور انہوں نے شکایت کی کہ اُن کے اوقاف کی بڑی گت بن رہی ہے - پھر اُن کے اوقاف

کے منتظموں کو تنبیہ کر دونگا۔

کتوں کا مہمان خانہ: چونکہ قسطنطنیہ کی طرح بغداد میں بھی کتے بہت تھے اسلیئے ناظم پاشا نے بجائے مروا دینے کے جیسے کہ کئی مہذب شہر کرتے ہیں اُنکا ایک مہمان خانہ برج طلسمی کے قریب بنوا دیا اور وہاں سارے شہر کے کتے جمع کر کے اُن کے کھانے کا بندوبست کر دیا۔

بدوی شیوخ کی تادیب: ناظم ایسا منتظم اور سپاہی شخص بھلا کس طرح عراق کے بدویوں کی شورہ پشتی دیکھکر اغماز کر سکتا تھا۔ اسنے ایک مرتبہ اُن کی تادیب کے لیئے فوج کشی کا ارادہ کیا تو حکام قسطنطنیہ نے اسکی تائید نہ کی۔ کسی نے کہا وہ ہمارے بھائی ہیں انہیں تباہ کر کے ہمیں اپنے ہاتھ نہیں کاٹ لینے چاہیئے۔ کسی نے کہا یہ عرب قبیلے ہمیشہ سے سرکش اور شورہ پشت چلے آتے ہیں یہاں گذارہ تو چل ہی رہا ہے۔ اور ناظم پاشا نے جو خود بخود چھوٹی موٹی مہمیں ان عربوں کی تادیب کے لئے بھیجیں اِن میں وہ تھوڑے سے سپاہی بھیج سکتا تھا۔ کہ جنکے مقابلہ میں عشیرتیں بڑی بڑی تعداد لڑنے والوں کی جمع کر دیتی تھیں۔ اِسلیئے بارہا اِن لوگوں سے پورا مالیہ بھی جمع نہیں ہوتا تھا۔

جادہ کی توسیع: ناظم پاشا نے دریا کی طغیانی کو روکنے کے لیئے ایک بھاری بند بھی بنوانا شروع کیا تھا۔ مگر وہ اُسکے دفعتہً چلے جانے سے نامکمل رہا۔ اور اسیطرح اُسکی جادہ کی توسیع کی سکیم بھی اُسکے زمانہ میں پوری نہ ہو سکی۔ جادہ خلیل پاشا شہر بغداد کا ایک عمدہ اور اسوقت ایسا سیدھا اور کشادہ راستہ ہے۔ جو لنڈن اور پیرس کے لیئے بھی موزون ہو سکتا ہے۔ میری طرح معلوم ہوتا ہے کہ اہل بغداد نے مصنف گیٹ آف ایشیا کو بھی جو مجھسے چند سال پہلے بغداد سے گذرا ہے ناظم پاشا کے بہت فسانے سنائے ہیں۔

بھیس بدلکر کام کرنا | چنانچہ یہی امریکن مصنف لکھتا ہے کہ جب ناظم پاشا نے سنا کہ اتحاد و ترقی والوں نے سلطان عبد الحمید کو مغلوب کرلیا ہے - اور بغداد میں ایک اور گورنر بھیجنے والے ہیں تو وہ بغداد سے خودبخود روپوش ہوکر سرحد روس کے اندر چلا گیا - اور بھیس بدلکر وہاں ایک عام مزدور کی طرح محنت مزدوری کرتا رہا اور جب اُسنے سنا کہ کامل پاشا وزیر اعظم ہوگیا ہے جو اُسکا دوست تھا تو ایک روسی جہاز پر کوئلہ جھونکنے والوں میں بھرتی ہوکر قسطنطنیہ جا پہنچا - اور کسی دوست کے یہاں پہنچکر ایک کپڑوں کا سوٹ مستعار لیا - اور وزیر اعظم کی خدمت میں حاضر ہوگیا - کہ جسنے اُسے فوج کا سپہ سالار بنا دیا - مگر افسوس ہے ممبران اتحاد و ترقی نے ہی اُسے کچھ عرصہ بعد وزارت حربیہ کے دفتر میں گھسکر اُسے نشانہ بندوق بنا دیا - ایک بغدادی نے مجھے کہا قدرت نے اُسے ناظم (منتظم) پیدا کیا تھا - جو فوراً بد نظمی سے نظم پیدا کرسکتا تھا - اور اُسنے بغداد میں حضرات عمر رضہ کے سے انصاف کے کام کیئے - اُسکا آرڈر تھا کہ ہر امیر یا غریب رات دن میں کسی وقت بھی اُسکو ٹیلیفون کے ذریعہ اپنی شکایت پہنچا سکتا ہے -

قومی ناقدردانی | یہ بھی ترکوں کی بدنصیبی ہے کہ جب اُن کے یہاں کوئی مدحت پاشا یا ناظم پاشا یا محمود شوکت پاشا پیدا ہوتا ہے تو جلدی آپس کے نفاق و حسد و عداوت کا شکار ہو جاتا ہے - بحالیکہ دوسری قوموں میں ایسے قابل لوگوں کی عزت کی جاتی ہے مدحت پاشا مرحوم نے بھی بغداد کا عالیشان خستہ خانہ (ہسپتال) اور کاظمین کی سڑک اپنی یادگاریں چھوڑی ہیں - اور شہر پناہ گراکر شہر کی صحت کی اصلاح کردی تھی -

چند متفرق باتیں

گُفّے | جسطرح بصرہ میں ہر شخص کو بلم سے واسطہ پڑتا ہے۔ اور قسطنطنیہ میں قائق سے جو ان دونوں مقامات کی چھوٹی کشتیاں ہوتی ہیں۔ بغداد میں آکر گفہ سے واسطہ پڑتا ہے دریائے دجلہ پر پہلے پہل بغیلہ میں پہنچکر ایک گفہ نظر آیا۔ یہ ایک بہت بڑا ٹوکرہ ہوتا ہے جو انارہ کی ٹہنیوں سے بنایا جاتا ہے۔ اور اندر سے اسے قیر (رال یا دیج) سے موٹا روغن کر دیتے ہیں۔ تاکہ دریا کا پانی اندر نہ آئے۔ اب اس میں پندرہ بیس بلکہ تیس آدمی کھڑے ہو سکتے ہیں۔ کیونکہ بیٹھنے کی تو اس میں جگہ ہی نہیں۔ اور اس کی دیواریں سینہ کے نیچے تک رہتی ہیں۔ یا دس پانچ گدھے بھی ضرورت ہوئی کھڑے کر دیئے اور دو آدمی چپو لیکر بیچ میں کھڑے ہوجاتے ہیں جو اسے کھیتے جاتے ہیں۔ مگر جسطرح آگے کو بڑھتا ہے اُسی طرح گول بھی پھرتا چلا جاتا ہے۔ کہتے ہیں کہ چونکہ یہاں دریا کی رو تیز ہے اس لئے گفے زیادہ محفوظ ہیں۔ مگر اب تو دوسری ڈونگیاں بھی کئی دیکھیں

ملٹھی جلانا | دریائے دجلہ پر ملٹھی کا پودہ لاکھوں من خودرو پیدا ہوتا ہے جسطرح دریائے جہلم کے کناروں پر کشمیر میں بھنگ کا پودہ کثرت سے دیکھا جاتا ہے ملٹھی کے پودے کی جڑ بڑے بڑے آک کے پودوں کی جڑوں کی برابر موٹی یا چھوٹی ٹہلجی کے پودوں کے برابر میں نے دیکھی ہیں۔ عراق میں ایندھن کی بڑی کمی ہے۔ میں نے پوچھا کہ آخر یہاں لوگ پہلے کیا جلایا کرتے تھے۔ معلوم ہوا کہ ملٹھی کا پودا بہت جلایا جاتا تھا۔ مگر اب چونکہ کسی یورپین کمپنی نے اسکا ٹھیکہ لے لیا اور لاکھوں من ملٹھی لدکر یورپ کو جاتی ہے یا بصرہ کے نکو میں فیکٹری

میں تیار ہو کر جاتی ہے اسلیئے ایندھن کی زیادہ کمی ہو گئی ذرا ذرا اُسی باریک لکڑیاں جو تنکوں کی طرح ہوتی ہیں۔ لوگ جنگل سے جمع کر کے جلانے کیلیئے لاتے ہیں اور انگریزی مہم کے لئے تو تمام ایندھن ہندوستان سے جاتا ہے جیسا کہ میں پیشتر لکھ چکا ہوں۔

دجلہ کا پانی پینا

بغداد میں دریائے دجلہ کا پانی پیا جاتا ہے۔ جیسا کہ دجلہ کے کنارہ کے دوسرے شہروں میں پیا جاتا ہے۔ پانی ایسا صاف ہے کہ لوگ سیدھے دریا سے پانی بھر کر پینے لگتے ہیں۔ گو اگر کچھ دیر پانی ٹھہرا رہے تو کچھ مٹی تہ نشین ہو جاتی ہے میں نے بغداد میں دیکھا کہ ماشکی دریا کے کنارہ پر جہاں پانی اتھلا ہوتا ہے مشک کندھے پر ڈالے ہوئے کھڑا ہو جاتا ہے اور ایک چھوٹا سا چمڑے کا مشکیزہ جسکو لکڑی کا دستہ لگا ہوا ہوتا ہے ڈول کی طرح پکڑ کر اُس سے مشک میں پانی ڈالتا جاتا ہے۔ بعض لوگ دو مشکوں کو گدھوں پر لاد کر لاتے ہیں اور پانی سے بھر کر لوگوں کے گھروں میں لیجاتے ہیں۔ افسوس کہ دریا کے کنارہ والی جہاں پانی بھرا جاتا ہے صفائی اور کوڑے کرکٹ سے بچاؤ کا کچھ بہت خیال نہیں کیا جاتا۔ بغداد کا ایک عجیب توہم پانی کے متعلق ایک شخص نے بتلایا۔ کہ فرات کا پانی مرد کیلیئے مفید اور عورت کیلیئے مضر ہے۔ اور دجلہ کا عورت کیلیئے مفید اور مرد کیلیئے مضر ہے۔

ما خالف

مصر میں ایک محاورہ "مالِش" مشہور ہے جو "ما علیٰ شیئ" کا خلاصہ ہے اور اہل مصر نہایت بے پروا قوم ہیں کہ خواہ کوئی کیا بگاڑ دے راہ رو یا مخاطب "مالِش" کہدیتا ہے جسکا مطلب یہ ہوتا ہے کہ کیا پرواہ ہے جانے دو۔ بالکل اسی طرح اور اسی موقعہ پر بغداد میں "ما خالف" کا محاورہ استعمال کیا جاتا ہے جو "ما یخالف" کا خلاصہ معلوم ہوتا ہے یعنی کچھ فکر نہیں اسی طرح خواہ کوئی

کچھ بگاڑ دے پاس والا کہہ دیتا ہے "خلیہ خل" یعنی اس مسکین سے خطا ہو گئی ہے۔ اسے جانے دو۔

شیعہ و سنی | میں ایک روز کشتی میں دریا سے گذر رہا تھا۔ راستہ میں کشتی بان سے پوچھا تم شیعہ ہو۔ اُس نے سادگی سے کہا نہیں میں مسلمان ہوں اسیطرح مجھے ایک عزیز نے بتلایا تھا کہ کشمیر کے ایک شیعہ کاریگر نے اُسے کہا تھا کہ اگر تمہیں میری بات پر اعتبار نہیں تو ان مسلماں سے پوچھ لو۔ بحالیکہ شیعہ سنی دونوں مسلمان ہیں۔

بغداد کا حُقّہ | قسطنطنیہ اور شام وغیرہ میں حُقّہ ایک وزن ہوتا ہے۔ جسے بغداد اور مصر میں حُگّا تلفظ کرتے ہیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ بغداد کا "حُقّہ" قسطنطنیہ کے "حُقّہ" سے جو ۱۰۵ تولہ کا ہوتا ہے بڑا ہوتا ہے۔ تاہم بغداد میں "حُقّہ" اور دوسرے وزن مروج ہیں حسب ذیل ہیں:۔ حقہ رائج بغداد ۱½ ۱ سیر انگریزی چالیس حقہ کا من بغدادی اور بیس من کا ایک تغار۔

کتب فروشوں کی قلت | مجھے بڑا شوق تھا کہ بغداد پہنچ کر کچھ کتابیں خریدوں گا کیونکہ بصرہ سے کوئی کتاب نہ ملی تھی آخر بغداد میں کتب فروشوں کی دوکانیں تلاش کیں تو مجھے سخت مایوسی ہوئی اتنے بڑے شہر میں پانچ سات چھوٹی چھوٹی کتب فروشوں کی دوکانیں تھیں۔ ایک تو اتنی چھوٹی تھی کہ ایک بڑے صندوق سے بڑی نہ ہوگی۔ کتابوں کے اندر گھسکر مالک تو بیٹھا ہوا تھا مگر اسکا لڑکا باہر تھڑی پہ بیٹھنے پر مجبور تھا۔ کیونکہ اندر جگہ نہ تھی۔ اور دوسری دو دکانوں پر بہت تھوڑی کتابیں تھیں شائد لاہور کے ایک اوسط درجہ کی کتب فروش کی دوکان میں ان سب دکان کی مجموعی کتب سے زیادہ ہونگی۔ بحالیکہ قدیم بغداد میں خلفائے عباسی کے زمانہ میں جبکہ چھاپہ خانہ بھی موجود نہ تھا کتب فروشوں کے بازار کی یوں

کیفیت تھی۔

نہر صراط کے نئے پل کے قریب سڑک کی دونوں طرف اور نیز پل پر کاغذ اور کتابیں فروخت کرنے والوں کی دوکانیں تھیں کہ جن میں صرف کتب فروشوں کی دوکانیں ایک سو سے زیادہ تھیں؟۔

تو چھاپے کے فن سے موجودہ بغداد کو کیا حصہ ملا۔

گداگروں کی دیدہ دلیری امیں ایک کتب فروش کی دوکان پر ہی کھڑا تھا کہ دو تین عورتیں مجھسے خیرات کا تقاضا کرنے لگیں۔ بغداد کے بازاروں میں بہت سی عورتیں مرد اور بچے بھیک مانگتے ہیں۔ اور اصرار سے مانگتے ہیں۔ کتب فروش نے اُس عورت کو دھتکار دیا۔ تو وہ چلی تو گئی لیکن غصے میں اُسے "دین سز" کہہ گئی۔ جو ترکی زبان میں بے دین کو کہتے ہیں۔ اور بغداد میں یہ لفظ مروج ہے۔ ایک اور لڑکے نے مجھسے بہت تقاضا کیا میرے پاس خوردہ نہ تھا میں نے عذر کیا مگر وہ دور تک میرے ساتھ چلا گیا آخر ایک دوکاندار کو اُسنے مجھے خوردہ دلانے پر آمادہ کر لیا تاکہ اُسے پیسہ مل جائے۔ لڑکے لڑکیاں عورتیں اور مرد اچھے بھلے بھیک مانگتے پھرتے ہیں۔

پر رونق بازار امیں بغداد کے بازاروں کی کچھ کیفیت پہلے لکھ چکا ہوں اور ناظرین کو اپنے ہمراہ بازار کی سیر کرا چکا ہوں۔ لیکن چند فقرے اور بھی اضافہ کرنے بے محل نہ ہونگے۔ اکثر بازار مسقف اور تنگ ہیں مگر تاریک نہیں۔ اور گاڑی بھی گذر سکتی ہے۔ سقف کی وجہ سے دھوپ سے بچاؤ ہو جاتا ہے۔ اور دن بھر کاروبار جاری رہ سکتا ہے۔ بوجہ تنگ ہونیکے بہت بارونق نظر آتے ہیں۔ دوکانیں چھوٹی ہیں۔ اور اُن میں مال بھی تھوڑا تھوڑا ہوتا ہے۔ عورتیں بھی سیاہ برقعہ پہنکر اکثر دوکانوں پر کپڑا اور زیور خریدنے آتی ہیں۔ مگر سنا کہ بڑھیا درجہ کی عورتیں نہیں

آتی ہیں۔ گو انگریزی انتظام نے جاتے ہی صفائی کی طرف توجہ کر دی ہے مگر ابھی گلیوں میں غلاظت اور کیچڑ کے گڑھے ملتے ہیں۔ بازاروں میں عرب یہودی مختلف قسم کے عیسائی ایرانی کرد عورتیں مرد اور اب ہندوستانی اور انگریز سپاہی و افسر اتنے چلتے ہیں کہ ہر وقت بھیڑ رہتی ہے بھیڑ کا اب تو ہوتا ہے معلوم نہیں پہلے کیا دستور تھا۔ شام کو جادہ خلیل پاشا پر یہودنیں اپنی نہایت بیش قیمت فوق البھڑک سنہری اور روپہری چادریں پہنکر نکلتی ہیں۔ جو شہر کا ایک مخصوص نظارہ معلوم ہوتا ہے۔

قہوہ خانے قہوہ خانوں میں لوگ کیسی بے فکری سے بیٹھے نظر آتے ہیں کہ گویا دنیا کو اِن کی کچھ ضرورت نہیں۔ باوجودیکہ شکر کی گرانی کی وجہ سے چائے کم پی جاتی ہے مگر باوجود ایندھن کی قلت کے قہوہ ہر وقت گرم رکھنا پڑتا ہے۔ مختلف محلوں اور بازاروں کے الگ الگ قہوہ خانے معلوم ہوتے ہیں۔ مگر جادہ خلیل پاشا پر تو ایک قہوہ خانہ کے بنچیں تو چوتھائی میل پھیلی ہوئی ہیں جہاں ستھرے کپڑے پہنکر اعلیٰ کلاس کے یہود و نصاریٰ اور شائد مسلمان بھی سیر کے لئے شام کو جاکر دیر تک بیٹھے رہتے ہیں۔ اور ادھر سے ہی یہودی عورتیں فوق البھڑک لباس پہنکر بطور قاعدہ کے گذرتی ہیں۔

خبروں کا اعلان بغداد کے بازار میں ایک ایک کاغذ کے تختہ پر میدان جنگ ادھر ہماری افواج کے فتوحات کی خبریں جلی قلم عربی میں لکھوا کر چسپاں کی جاتی تھیں جس شہر میں اخبارات کا رواج کم ہو وہاں یہ طریقہ خبروں کی اشاعت کا اچھا ہی ہے۔

بغداد کی پُرامن حالت کئی لوگوں نے بغداد سے واپسی پر مجھسے پوچھا کہ آجکل بغداد میں امن کی کیا حالت ہے اور کیا انگریز اور ہندوستانی وہاں بے کھٹکے پھرتے ہیں۔ اُن کی اطلاع کیلئے صرف اسقدر لکھدینا کافی ہے کہ میں کیا شہر کے اندر

اور کیا شہر سے دو دو تین تین میل باہر مزاروں پر فاتحہ خوانی کے لئے بے تکلف پھرتا رہا ہوں۔ اور کسی نے مجھ سے سوال تک نہیں کیا۔ غرضیکہ مینے بغداد کے بازاروں میں ایسا ہی امن دیکھا ہے جیسا کہ لاہور یا بمبئی کے بازاروں میں ہے

عربوں سے ہتھیار لے لینا داخلہ بغداد کے وقت جنرل ماڈ ہم کمانڈر انچیف افواج انگریزی نے جو اعلان اہل بغداد کے لئے شائع کیا تھا وہ تو ہندوستان کی اخبارات میں بھی بجنسہ شائع ہو گیا تھا۔ لیکن بغداد میں اس سے بعد ایک اور اعلان بھی اہل بغداد کی رہنمائی کے لئے شائع کیا تھا جس میں پانچ چھ باتیں درج تھیں جن میں اس بات کی بھی تاکید کی گئی تھی کہ ساڑھے آٹھ بجے شام کے بعد کوئی شخص شہر کے بازاروں یا گلیوں میں نہ پھرے۔ اور بصورت اشد ضرورت لالٹین لے کر نکلے۔ نہیں تو نشانہ بندوق بنا دیا جائیگا۔ نو بجے شام کے گھروں میں روشنی بند کر دی جائے۔ تمام مال جو سلطنت ٹرکی یا کسی سلطنت کا کسی کے پاس ہو وہ گورنمنٹ کے سپرد کر دے۔ اور سب سے ضروری یہ ہے کہ ہر شخص کے پاس جو ہتھیار ہو وہ سرکار کے سپرد کر دے۔ چنانچہ لوگوں سے معلوم ہوا کہ شہر کے رہنے والے سب لوگوں نے ہتھیار سرکار کے سپرد کر دیئے ہیں۔ اور بتدریج بدویوں سے بھی لے لئے جائینگے۔ یہ کام بھی ترکی سے صدیوں میں نہیں ہو سکا تھا۔ خواہ رعایا کا نقطۂ نظر کیا ہو۔ لیکن حکومت کے نقطۂ نظر سے گربہ کشتن روز اول ہی بہتر ہے

دجلہ کا فیضان یونانی زبان میں (ٹائیگر) تیر کو کہتے ہیں۔ اور چونکہ یہ دریا اپنے کئی حصوں میں بہت تیزی سے چلتا ہے اسلئے یونانیوں نے اسکا نام ٹائیگرس رکھا۔ چنانچہ جہاں شہر بغداد میں سے دجلہ گذرتا ہے وہاں اسکی سرعت رفتار کا اندازہ چھ میل فی گھنٹہ ہے معلوم نہیں عربوں نے اسکا نام دجلہ کیوں رکھا

دجل فریب کو کہتے ہیں۔ اور اس عزبی بو لنے والے علاقہ میں اپنی طغیانیوں سے بہ یقیناً عجیب و غریب فریب کرتا ہے۔ لیکن سچ تو یہ ہے کہ جسطرح اہل مصر کی زندگی اور ملک مصر کی آبادی صرف دریائے نیل پر منحصر ہے ویسے ہی عراق عرب کی سرسبزی اور آبادی دجلہ اور فرات پر منحصر ہے۔ قدیم زمانہ کی اقوام بابلی و اشوری و ایرانی وغیرہ جو اس زمین پر حکمراں رہی ہیں ان دریاؤں کے پانیوں کو بذریعہ بیشمار نہروں کے خوب استعمال کرتی رہی ہیں۔ اور ایک زمانہ میں عراق عرب کا علاقہ ان نہروں کی آبپاشی کی وجہ سے اتنا سرسبز تھا کہ اس جگہ کو دنیا کا غلہ خانہ کہتے تھے۔

عراق کی پیداوار قدیم | جناب سید عبدالرحمٰن صاحب گیلانی نقیب بغداد نے ایک روز اسی گفتگو کے متعلق فرمایا کہ سعید پاشا سابق صدر اعظم عثمانی نے ایک کتاب میں بڑی محنت اور تجسس سے اس بارہ میں حساب کر کے لکھا ہے کہ اہل بابل کے زمانہ میں عراق عرب میں تخمیناً پچاس ملین لیرہ (پونڈ طلا) کی حاصلات اراضی تھیں۔ اور اسکے بعد مسلمانوں کے زمانہ میں گو وہ سرسبزی تو بڑھی۔ مگر پھر بھی چودہ ملین دینار (فی دینار قریب نصف پونڈ) کی واردات اراضی ہوتی رہی۔ تعجب ہے کہ صدیوں کی حکومت میں ترکوں نے فائدہ نہیں اٹھایا۔

زمانہ حال کے امکانات | مسٹر ہبرڈ مصنف "فرام گلف ٹو ارارات" اس ملک کے آئندہ امکانات کے متعلق لکھتا ہے۔ اس امر پر کہ بنجر کے اس عظیم الشان خزانہ کے آئندہ امکانات جو ایک ہزار سال کی جہالت اور بدانتظامی نے چھپا رکھے تھے زمانہ حال کے انجینئران آبپاشی کی توجہ کے منتظر تھے۔ کہ وہ پھر اسکے دروازے کھول کر ایک آدھے بر اعظم کو خوراک بہم پہنچائے۔ اس بارہ میں بہت سے اہل قلم نے خامہ فرسائی کی ہے۔ اور اسکے ثبوت میں اگر کسی مادی ضمانت

کی ضرورت ہو تو بغداد ریلوے اور عراق عرب کی آبپاشی کی سکیم سامنے ہو جو
ہے۔ اسلئے میں صرف اس سرکاری رپورٹ کے اقتباس پر اکتفا کرونگا
جو چند سال پیشتر برٹش گورنمنٹ کی خدمت میں پیش کی گئی تھی۔ کہ یہاں تمام
یورپ کے غلے بکثرت پیدا ہو سکتے ہیں۔ اور اسکے علاوہ چاول کی شکر روئی
نیل ریشم کے لیئے شہتوت اور ہر قسم کے میوہ جات بافراط پیدا ہو سکتے ہیں
اور اس فہرست میں آئندہ زمانہ کی نہائت ضرورت کی چیز یعنی مٹی کا تیل بھی
اضافہ ہو سکتا ہے۔ بے انداز نہروں کے نشانات کہ جنسے یہاں کی تمام اراضی
بنی ہوئی ہے معمولی آدمی کے دل میں بھی یہ خیال ڈال سکتی ہیں کہ مستحکم انتظام حکومت
اور عملی وسائل سے تغیرات عظیم پیدا ہو سکتے ہیں۔

بے پرواہی کی ایک مثال عراق کی سرسبزی نہروں کے ایک جال پر منحصر تھی جو بابلیوں اور
کلدانیوں نے اپنے اپنے وقتوں میں بچھا رکھا تھا۔ اور خلفائے عباسیہ نے بھی
انہیں بالکل نظرانداز نہیں کر دیا تھا۔ کیونکہ بغداد کی تعمیر کے بعد دجلہ اور فرات
کی کئی چھوٹی اور بڑی نہروں سے اس شہر کو نمونہ خلد بنایا گیا تھا۔ بہت سی
نہریں دریائے فرات سے نکالکر دجلہ اور فرات کے مابین اراضی کو جو الجزیرہ
کہلاتی ہے۔ سیراب کیا گیا تھا۔ مگر اب اُن نہروں کے سلسلہ کے سب سے
شمالی نہر جو پہلے بنام نہر عیس فرات سے نکالکر بغداد کو سیراب کیا کرتی تھی۔ اب
سقلاویہ کے نام سے فرات سے فلوجہ اور پل کشتیاں سے چند میل اوپر سے
نکلکر بغداد کو آتی ہے۔ مگر اب سوائے طغیانی کے موسم میں بغداد کو زیادہ پانی میں
گھیر دینے میں مدد دینے کے اور اس سے کوئی کام نہیں نکلتا۔ بحالیکہ ۱۸۳۸ء میں
جبکہ مسٹر چسنی نے دریائے فرات کی پیمائش کی تھی اسوقت اس میں چھوٹی کشتیاں
چلکر دجلہ تک پہنچ سکتی تھیں مگر اس عرصہ میں حکومت کی بے اعتنائی سے یہ

اتنے کام کی بھی نہیں رہی۔

نہروان کی نہر

مگر زمانہ قدیم کی نہروں کا کیا حال تھا۔ اسکے متعلق صرف نہروان کی نہر کو بطور مثال پیش کر دینا کافی ہے۔ یہ نہر کلدانی زمانہ کی تھی۔ جو دجلہ کے مشرقی کنارہ پر تین سو میل تک لمبی چلی گئی ہے۔ بڑے بڑے فاصلوں پر اسکا عرض سو سے ڈیڑھ سو گز تک چلا جاتا ہے۔ اور گہرائی چالیس سے پچاس فیٹ اس سے بڑھکر تو آج بھی نہریں کھودنے میں ترقی کی کوئی مثال موجود نہیں۔ اور ایسی مثالوں کے عراق میں موجود ہوتے ہوئے حکومت عثمانی کی غفلت بے انتہا معلوم ہوتی ہے۔

جرمن بغداد ریلوے اور انگریزی تشویش

حفاظت ہند کی ضرورت | انگریز ہندوستان پر حکمران ہیں اور وہ ہر حالت میں ہندوستان کی حفاظت اپنا فرض مقدم سمجھتے ہیں۔ وہ ایک دور بین اور زندہ قوم ہیں اور کسی طرح ہندوستان کی حفاظت کی طرف سے ایسے بیفکر نہیں رہ سکتے جیسے کہ ترک عراق میں تمام بلیات سے بیفکر تھے۔ اور ہر دول متفقہ انگلستان و روس وغیرہ سے اعلان جنگ کرتے ہیں اور بصرہ میں دو ہزار سے زیادہ فوج بوقت ضرورت جمع نہیں کر سکتے۔ مگر انگلستان نے ہر چند کہ ترکوں کے خلاف خود اعلان جنگ نہیں کیا تھا۔ مگر پھر بھی احتیاطاً خلیج فارس میں انگریز فوج بڑھا رکھی تھی کہ بوقت ضرورت کام آئیگی۔

سرحدات ہندوستان سے تعلقات | سر ویلنٹائن چرول نے اپنی کتاب میں لارڈ کرزن سابق والیسرائے ہند کی ۲۵ مارچ سنہ ۱۹۰۳ء کی ایک تقریر کا اقتباس درج کیا ہے۔ جو لارڈ موصوف نے ہندوستان کے ممالک غیر کے تعلقات سے متعلق بیان کی تھی اور ایسے ہی خیالات ہر ہشیار قوم کے ہمسایہ ممالک کے متعلق ہونے چاہئیں وہ اقتباس یہ ہے :۔

"پورانے زمانہ میں بلکہ یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ آج سے پندرہ سال قبل تک ہندوستان کے اجنبی ممالک کے تعلقات صرف افغانستان تک اور اُس سے پرے ایک بڑی طاقت کے نقل و حرکت اور ارادوں تک محدود تھے۔ اور ہندوستان کی ممالک غیر کی پالیسی کا تعلق کسی اور غیر ملک سے نہ تھا یہ صحیح ہے کہ ہمارے بعض علاقے یا حلقہائے اثر ایسے تھے کہ جنکی جب سے ہمیں

اور ٹرکی کے قریب بھی جانا پڑا ہے۔ اور ہمیں بعض اوقات اقوام عرب سے بھی کاروبار پڑا ہے۔ مگر اب یہ تمام حالت بدل گئی ہے۔ اور ایسے واقعات گذر رہے ہیں جو اس ملک کو جو کبھی نہایت الگ تھلگ تھا اب بتدریج دنیا کی پالیٹکس کے گرداب کی طرف کھینچ رہے ہیں

نپولین کی روک تھام اجو قوم ایسی بصیرت اور بصارت کے ساتھ ہندوستان کی جادو کی نگراں ہو گیا اس کے لئے لازمی نہیں تھا کہ برلن بغداد ریلوے کے سودا سے وہ بالکل گھبرا نہ جائے۔ اور جرمن بغداد ریلوے کو ہندوستان کے سر کی طرف ایک بھرا ہوا پستول نہ سمجھے۔ ع کہ ہے عشق میں بدگمانی ضرور۔

بغداد کی انگریزی ریزیڈنسی میں اسکی تاریخ تعمیر کا جو پتھر نصب ہے اس میں یہ بات بھی درج کیگئی ہے کہ نپولین بوناپارٹ کے ارادوں کی روک تھام کیلئے ۱۷۹۸ء میں بغداد میں اس سفارت خانہ کے قایم کرنے کی ضرورت لاحق ہوئی کیونکہ نپولین کے دماغ میں مدت تک انگریزوں سے ہندوستان چھیننے کا خبط رہا۔

فرانس اور روس کا سمجھوتہ مسٹر ایولش نیون مصنف "جرمن روڈ ٹو دی ایسٹ" لکھتا ہے کہ نپولین کے ناکام حملہ مصر کے بعد نپولین اور پال اول زار روس کے درمیان ہندوستان پر حملہ کرنے کے متعلق کچھ سمجھوتہ ہوا۔ اس تجویز کا ماحصل یہ تھا کہ فرانسیسی (۳۵) ہزار آدمیوں کی ایک فوج مقام الم سے روانہ کریں جو آسٹریا کی رضامندی سے ڈینوب کے راستہ گذر جائے۔ اور ایک روسی بیڑہ اُسے بحیرہ خضر میں سے لیجائے۔ کہ جہاں سے یہ دریائے ڈان پر سے اور پھر براہ سارسٹن وانگا۔ پر سے گذر کر استرخان تک پہنچ جائے۔ یہاں سے ایک اُتنی ہی بڑی فوج فرانسیسی فوج سے آملے اور یہ متحدہ فوجیں براہ ہرات و قندھار دریائے سندھ کے دائیں کنارہ تک جا پہنچیں

ابھی یہ تجویز عمل میں نہیں لائی گئی تھی کہ ۱۸۰۰ء میں جنرل ڈیکین کو ہدایت کی گئی کہ فرانس کے براہ بحر ہندوستان پر حملہ کرنے کے متعلق تجاویز مرتب کرکے پیش کرے۔ یہ حملہ ظاہراً دو طرف سے کیا جانے والا تھا مصر و خلیج فارس سے اور راس امید کی طرف سے۔ مگر جنوبی افریقہ میں انگریزی فوج کے پہلے ہی اُتر پڑنے سے حملہ کی سرسبزی کی امید کمزور ہو گئی اسلئے یہ تدبیر تعویق میں پڑ گئی۔ مگر نپولین نے پھر ایران سے عہد نامہ کر لیا جیسا کہ آجکل جرمنی کا ٹرکی کے ساتھ ہے زار الگزنڈر اول نے جولائی ۱۸۰۷ء میں نپولین بونا پارٹ کے ساتھ ایک طویل ملاقات میں ان تدابیر سے اتفاق کیا مگر نپولین نے ۱۸۱۲ء میں روس پر ایک پرآشوب حملہ کر دیا۔

مگر معلوم ہوتا ہے کہ نپولین اپنے حملہ روس کو بھی حملہ ہندوستان کی بڑی سکیم کا ایک جزو ہی سمجھتا تھا۔ چنانچہ حملہ روس پر روانہ ہوتے ہوئے اُسنے ایم ڈی نار بورن سے کہا تھا:۔ "آخر کار یہ لمبا راستہ ہی ہندوستان کی طرف جاتا ہے۔ سکندر اعظم بھی گنگا تک پہنچنے کیلئے اسی قدر گیا تھا جتنا کہ میں جانا چاہتا ہوں"

نپولین کی تدابیر پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ ہندوستان تک ان تین راستوں میں سے ایک کے ذریعہ پہنچنا چاہتا تھا۔ روس کے راستہ سے عراق عرب سے اور مصر اور بحر قلزم کے راہ سے اسوقت ایک دوسری سلطنت ایسی ہی تدابیر اختیار کر رہی ہے۔ اور جو راستے فرانسیسی شہنشاہ نے تجویز کئے تھے۔ اُن میں سے دوسری راستہ سے مگر اتنے فرق کے ساتھ کہ ٹرکی اُسوقت فرانس کے مخالف تھا مگر آج جرمنی کا بالکل دوست ہے۔ اور گویا کہ ہمبرگ بغداد کا راستہ صرف ایک قدیم تحریر کا جدید ترجمہ ہے۔

چونکہ برٹش جنگی بیڑے کی فوقیت کی وجہ سے جرمن بیڑے اور جرمن

بحری تجارت کو جرمن سمندر میں کچھ وقعت حاصل نہیں ہو سکتی اسلیئے جرمنی کی تجارتی یا پولیٹیکل ترقی کیلئے جرمن مدبر خلیج فارس تک پہنچنا بہت ضروری سمجھتے ہیں یہی مصنف اس بارہ میں جرمنیوں کی رائے یوں بیان کرتا ہے :-

جیسی کہ نپولین کی حالت تھی کہ جب تک انگلستان کو بوجہ ایک عظیم بحری طاقت رکھنے کے بحری فوقیت حاصل ہے ۔ جرمنی کو بھی مغربی پیش قدمی کے عدم امکان کی وجہ سے اس مشرقی توسیع کی ضرورت لاحق ہوئی ۔ جرمنی کی تمام تجارت ایک چھوٹے سے مثلث سے آتی ہے ۔ کہ جسکا مرکز جزیرہ ہیلی گولینڈ ہے ۔ یا ڈنمارک اور ناروے کے درمیانی تنگ قطعہ آب سے حاصل ہوتی ہے ۔ اور وہ جیسا کہ حال کے جنگ میں ثابت ہو گیا ہے ۔ بحری بیڑے سے بلاکیڈ کی جا سکتی ہے ۔ اس تجارت کا ۹۵ فیصدی حصہ آبنائے ڈوور سے گذرتا ہے ۔ یہانتک کہ جزائر آرکنئی اور ناروے کے درمیان دو سو میل چوڑا راستہ بھی برٹش بحری طاقت کامیابی سے بند کر سکتی ہے ۔ اگر اس راستہ سے گذر بھی جائیں تو بحیرہ روم جبرالٹر پر بند کیا جا سکتا ہے ۔ اور صرف ڈارڈنلز اور باسفورس پر برٹش بحری طاقت کا خاتمہ ہوتا ہے (دیکھو لکچر ڈاکٹر گرہارڈ شاٹ ڈائرکٹر بحری رصدگاہ ہمبرگ جو اسنے ۲۹ نومبر ۱۹۱۵ء کو آسٹریا کی جیاگریفیکل سوسائٹی کے سامنے دیا تھا ۔ یہی لکچرار آگے بیان کرتا ہے) جرمنی کے لیئے اس آبنا کی جغرافی اہمیت صرف اسی وجہ سے نہیں ہے کہ وہ ایک قلعبند شاہراہ ہے بلکہ اس وجہ سے بھی ہے ۔ کہ وہ اس عظیم براعظم کی عالم بھر کی تجارت کے راستہ کا آخری سرا ہے ۔ یعنی کہ برلن وائنا قسطنطنیہ بغداد خلیج فارس اور خلیج ہند کا راستہ جو انگلستان سے آزاد اور دول وسطی کے زیر انتظام ہوگا صرف اسی میں ہمارے مستقبل کی بہتری ہے ۔ اور یہاں سے جنگ کے زمانہ میں بھی دنیا کے اہم سمندروں کی طرف ہمارا راستہ کھلا ہوگا ۔ اور اس

راستہ کا بحال رکھنا دول وسطی کیلئے زندگی اور موت کا سوال ہے۔

اس سے ظاہر ہے کہ جرمنی نے بغداد ریلوے کو کسقدر اہم اور بغداد اور عراق عرب کو اپنے لئے کتنا ضروری سمجھا تھا مگر جرمنی ایسی مضبوط طاقت کے ہاتھ میں بغداد اور عراق کا آجانا انگلستان نے ہندوستان کی سلامتی کے حق میں سخت خطرہ کا موجب سمجھا۔ اور انگلستان نے نہ صرف کویت میں بغداد ریلوے کا ٹرمینس بننے دینے میں مزاحمت کی بلکہ ٹرکی کے ساتھ ایک معاہدہ اس مطلب کا بھی کر لیا کہ بلا رضامندی اور مشورہ انگلستان کے بصرہ سے آگے بغداد ریلوے نہیں بڑھائی جائیگی۔

جو سن نظر سے ٹرکی کی اہمیت بلکہ جرمنی کی نظر میں بغداد اور عراق کی وجہ سے ٹرکی کی اہمیت اس سے بھی زیادہ تھی جیسا کہ مندرجہ ذیل اقتباس سے واضح ہوگا۔ اگست ۱۹۱۵ء میں جبکہ اس عظیم جنگ کا پہلا سال ختم ہو گیا تو ہر رو ہر باخ نے جو جرمنی میں جرمن تجویز یک کا ایک نامور لیڈر رہے۔ اور شاید کہ جرمنی میں جرمن نوآبادیوں کا سب سے بڑا وکیل ہے کہا تھا جیسا کہ ڈاس گروسر ڈلوئش لینڈ (دی گریٹر جرمنی) اگست ۱۹۱۵ء میں درج ہے۔

جنگ کے ایک سال کے بعد جرمنی میں قریباً ہر شخص یہ رائے رکھتا ہے کہ فتح یا شکست یا کم از کم پولیٹیکل فتح یا شکست ٹرکی کی سلامتی اور ہماری اس سے آمد و رفت کے راستہ کی آزادی پر منحصر ہے۔ اور اُسکے بعد یہ کہ اگر ٹرکی شکست کھا جائے اور دول اتحاد کے درمیان تقسیم ہو جائے تو یہ ہمارے (

) سیاسیات عالم (کا خاتمہ ہو جائیگا۔ اور جرمنی کا ورلڈ پاور ہونا بھی ختم ہو جائیگا۔

جہاں ایک طرف عراق عرب اور بغداد کی اہمیت پر جرمن مدبر اسقدر زور دے رہے تھے دوسری طرف عراق عرب کے استحکام کی حالت بالکل خراب تھی۔ اور ترکی حکومت کو یہاں بہت کم تقویت حاصل تھی۔ ایک انگریز مصنف کا بیان ہے کہ جنگ سے

پیشتر بغداد اور بصرہ کے درمیان جو پانسو میل کا لمبا علاقہ ہے ایک ہزار ترک سے زیادہ موجود نہ ہوں گے اور یہ اندازہ کچھ قرین صحت معلوم ہوتا ہے۔ بحالیکہ ترک اس علاقہ میں عربوں پر بطور ایک کم و بیش اجنبی قوم کے حکومت کرتے تھے۔ اور عربوں میں عربی تحریک بہت کچھ پھیلی ہوئی تھی وہ ترکوں سے بدظن تھے کہ سلطنت کے اعلے عہدوں میں انہیں کافی حصہ نہیں دیا جاتا۔ بغداد میں کئی عرب علما اور تعلیم یافتہ اشخاص سے مجھے معلوم ہوا کہ عربی تحریک سے وہاں بہت عرب متاثر تھے۔ اسلیے صوبہ عراق عرب سے کیا بدوی عشیرتوں اور کیا شہری عربوں سے جنگ میں ترکوں کو بہت کم مدد ملی۔ مگر ترکوں نے یہاں استحکام کا کیا انتظام کیا تھا۔

میسو پوٹیمیا میں ٹرکی کی حالت کو مضبوط کرنے کے متعلق روسی اخبار "ترکستانسکایا ویڈوموسٹی" نے یکم دسمبر ۱۹۱۴ء کے پرچہ میں ایک آرٹیکل میں حسب ذیل سطور درج کی تھیں۔ جو اسکے صحیح معلومات کا پتہ دیتی ہیں۔ مگر ترکوں نے اس سے کچھ سبق نہ سیکھا نہ لکھا تھا۔

عراق عرب کے جغرافیائی حالت ٹرکی کے مشرقی صوبجات اور مغربی ایران کے مابین وسط ایشیا کی دو اہم مسلمان سلطنتوں کا نقطہ اتصال ہے زمانہ حال تک عراق عرب اور خلیج فارس میں فائق یوروپین پولیٹیکل اور اقتصادی اثر گریٹ برٹن کو حاصل تھا۔ مگر اب جرمنی نے اس علاقہ میں اپنا رسوخ بڑھانا چاہا ہے۔ جسکا نتیجہ یہ ہے کہ ایشیا کوچک کے ریلوے کا ٹرمینس بغداد میں دریائے دجلہ پر ہوگا میسوپوٹیمیا میں ترکی طاقت کو تقویت دینا جرمن منشا اور مقصد کے مطابق ہے۔ میسوپوٹیمیا کے باشندے زیادہ تر عرب کرد شامی اور ارمنی ہیں۔ اور ترک تو یہاں عملاً کچھ بھی نہیں یہ ایک ایسا امر ہے جو ترکی حکومت کے استحکام پر اثر ڈالے بغیر نہیں رہ سکتا۔ اس علاقہ کے درمیان اچھی سلسلہ رسل و رسائل کی فقدان کی وجہ سے ترک عملاً اپنی حکومت کا دور

نہیں ڈال سکتے۔ جو حکومت کہ دجلہ اور فرات کی وادی میں محض برائے نام ہے۔"

ترکوں اور عربوں کی رائے ترکوں کی بدنصیبی سے عراق عرب کے لوگ اُن سے خوش نہ تھے
اسکی ایک مثال ذیل کے اقتباس سے ملیگی جو کتاب گیٹ آف ایشیا سے نقل کیا جاتا
ہے۔ ولیم وار فیلڈ امریکن مصنف لکھتا ہے۔

"جب ہم اربل (کردستان) پہنچے تو ترکی فوج کا ایک عرب افسر ہمیں ملنے
کو آیا۔ اور نہایت عمدہ جرمن زبان میں مجھسے بات چیت کرنے لگا۔ مینے اُس
زبان میں اُس سے لمبی چوڑی گفتگو کی جو کہ اُسنے بتلایا کہ اُسنے قسطنطنیہ کے جنگی کالج
میں سیکھی تھی۔ جہاں کہ جرمن افسروں کی ایک جماعت عثمانی فوج کو پرشین سانچے میں
ڈھال رہی ہے۔ جبکہ ہم یوں گفتگو کر رہے تھے تو میں اپنے رفیق سفر ایڈون نولڈ
کو ترجمہ کر کے سناتا جاتا تھا۔ اس عرب افسر نے مجھ سے پوچھا کہ تم کونسی زبان بول
رہے ہو۔ مینے جواب دیا انگریزی بول رہا ہوں۔ تو اُسنے شکایت کے لہجہ سے
کہا کہ تم تو کہتے ہو تم امریکن ہو۔ مینے کہا امریکہ میں ہر شخص انگریزی بولتا ہے۔ اُسنے
تعجب سے جواب دیا کہ کیا کوئی جدا انگریزی زبان نہیں۔

اُسنے کہا کہ ملک عراق کے لوگ جانتے ہیں کہ وہ کیا کر رہے ہیں۔ وہ ترکوں سے
محبت نہیں رکھتے۔ اور خوش ہیں کہ انہیں جنگ بلقان میں شکست ملی ہے۔ اور وہ
اُن پر ہنستے ہیں۔

مجھے ایسی بات نہیں کہنی چاہیئے کیونکہ میں افسر ہوں۔ میں بغداد کا ایک عرب ہوں
اور ہم اہل عراق نے اپنی تجاویز میں بہت ترقی کر رکھی ہے۔ اگر تم انگریز ہوتے تو میں
تم سے ایسی آزادی سے نہ بولتا۔ مگر امریکہ بہت دور ملک ہے۔ مین سے بھی دور ہے
کیا اتنی دور نہیں ہیں وہاں جنگ کیلئے گیا تھا۔ یہ سمندر میں کئی روز کا راستہ ہے۔ نہیں ہم
روسیوں یا انگریزوں سے یا ترکوں سے نہیں ڈرتے۔ ہم اہل بلگیریا کے خلاف جنگ

نہیں کرینگے۔ ترک خود قسطنطنیہ کی حفاظت کرتے پھریں۔ اگر روسی بحیرہ خضر سے یا انگریز خلیج فارس سے آئے تو ہم اُن سے لڑینگے۔ ہم عراق کے لوگ ہیں اور ہم ترکوں سے کوئی محبت نہیں رکھتے"۔

ہر چند کہ ایک جاہل فوجی افسر جو اتنا نہیں جانتا کہ امریکہ کہاں ہے اور یمن کتنی دور ہے اُسکی بات کوئی بڑی توجہ کے لائق نہیں مگر پھر بھی وہ ایک ترکی فوجی افسر ہے۔ اور اپنے بہت سے ہم خیالوں کی رائے کو ظاہر کرتا ہے۔ اور میں اُسکی بات کو اسقدر اہمیت نہ دیتا اگر بغداد میں اور بہت سے تعلیم یافتہ عربوں کو اُسکا ہم خیال نہ پاتا۔

ادھر عربوں کے ایسے خیالات تھے۔ اور اُدھر خود ترک عراق عرب میں اسقدر کم تھے جیسا کہ اُوپر بیان ہو چکا ہے۔ ہمیشہ ترکی افسروں اور سپاہیوں نے اپنی سلطنت کے دور کے علاقوں مثل بصرہ اور یمن وغیرہ کو جانا ناپسند کیا ہے بلکہ جن پاشاؤں پر سلطان ناراض ہو جاتے تھے اُنہیں بصرہ اور بغداد کی گورنریوں پر بھیجا جاتا تھا۔ ان حالات میں جرمنی کو بغداد یا بصرہ تک ریلوے بنانے کا اجازہ دینے کا دوسرا مطلب صریح یہ ہے کہ عراق عرب میں جرمنی بالکل طاقتور اور صاحب الامر ہو جاتا۔ مگر جب موقعہ آیا تو انگریزوں نے اِن باتوں سے فائدہ اُٹھایا۔ اور اب بغداد تک ہی نہیں بلکہ اُس سے سو میل آگے تک دریائے دجلہ کے محافہ پر اسوقت قابض ہیں اور بغداد سے سامرہ تک جرمن ریلوے بھی اُن کے ہاتھ میں ہے۔

تمت

کارخانہ پیسہ اخبار لاہور کی جدید مطبوعہ کتابیں

جو امسال طبع کی گئی ہیں

توجہ کی یکسوئی تمام دنیا کی کامیابیوں کا مدار توجہ کی یکسوئی پر ہے ہندوستان
ابھی تک اس موضوع پر کوئی کتاب نہیں چھپی۔ یورپ اور ام
والوں نے کئی ایک رسالے اس پر لکھے ہیں چنانچہ یہ کتاب بھی انگریزی کی ایک چھو
مگر نہایت مفید کتاب کا ترجمہ ہے قیمت ۸؍

سلطان الشہداء ہند ٹیپو مولوی خیر الدین صاحب نے اس سوانح کو لکھکر اک
کے سلسلہ میں ایک قابل قدر اضافہ کیا ہے جس
سلطان الشہداء ٹیپو کی زندگی سے چند شاندار حالات ایسے پیرایہ میں قلمبند کئے ہیں
اسلامی لوکنے والے سچے مسلمان کو جاننے چاہئیں قیمت ۸؍

سلطان فاتح قسطنطنیہ کے نامور فاتح سلطان محمد فاتح جن کا نام خاندان آل عثم
تاریخ میں ہمیشہ تک زندہ رہیگا ان کی زندگی کے مختصر
شائع کئے ہیں کہ سلطان مذکور نے کس طرح شاندار فتوحات حاصل کیں قیمت

کتاب الاثمار اس کتاب میں ہر قسم کے میوہ دار دیسی اور ولایتی درختوں کی کاشت
اور باغبانی کی تمام و کمال تدابیر و قواعد نہایت شرح سے درج ہیں
نواب شمس العلما خان بہادر رئیس پٹنہ نے اس کتاب کو لکھکر فن باغبانی میں مفید
اضافہ فرمایا ہے۔ قیمت ۶؍

دنیا کا روشن رخ اپنی جد و جہد اور قوت ارادی کی ترقی سے کامیابی حاصل کرنیوالو
میں نئے سائنس کا نام دیا گیا ہے۔ اس جدید سائنس کی چند کتا
بیں امریکہ نے شائع کی ہیں۔ اسی سلسلہ میں یہ بھی ایک کتاب ہے جسمیں ثابت کیا گیا ہے کہ دنیا